عبدالباری ایم۔اے

الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب :۔ رسول کریم کی جنگی اسکیم

مطبع :۔ سندھ ساگر پرنٹرز۔ لاہور

طبع :۔ اوّل ۱۹۸۶ء

تعداد :۔ ۵۰۰

قیمت :۔ ۲۴

فہرست مضامین

پیش لفظ	۵
رسولِ کریمؐ کی جنگی اسکیم	۷
رسولِ کریمؐ کی ہجرت	۲۳
جنگِ بدر	۲۹
بنو قینقاع کے ساتھ جنگ	۴۳
غزوۂ سویق	۴۷
جنگِ اُحُد	۴۹
سریۂ حمراء الاسد	۸۱
بنو النضیر کے ساتھ جنگ	۸۹
بدر الصغریٰ کی مہم	۱۰۱
غزوۂ مریسیع یا بنی مصطلق	۱۰۵
غزوۂ احزاب یا جنگِ خندق	۱۰۹
بنو قریظہ کے ساتھ جنگ	۱۳۷

صلح حدیبیہ	۱۴۱
غزوۂ ذی قرد یا غزوۂ غابہ	۱۴۵
جنگِ خیبر	۱۵۱
غزوۂ وادی القریٰ اور فدک	۱۶۹
ادائے عمرہ	۱۷۱
جنگِ مُوتہ	۱۷۳
فتح مکّہ	۱۷۷
جنگ حنین (اَوطاس) اور محاصرۂ طائف	۱۸۳
غزوۂ تبوک	۱۹۹
حج اکبر	۲۰۷
رسولِ کریم کی جنگوں کا جائزہ	۲۰۹
حجۃ الوداع (حجۃ البلاغ)	۲۱۳
کتابیات	۲۱۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

۱۹۵۹ء و ۱۹۶۰ء کی بات ہے کہ 'دعوت' کے خصوصی نمبروں کے لیے میں نے کچھ مضامین ارسال کیے تھے۔ جن میں "رسولِ کریمؐ کی جنگی اسکیم" کے تحت 'جنگِ بدر' اور 'جنگِ اُحد' پر اپنی کاوش پیش کی۔ اس کاوش کے سلسلے میں عالمِ اسلام کے مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا میں بے حد ممنون ہوں۔ میں نے سیرت پر کئی کتابیں پڑھیں۔ 'حدیثِ دفاع' کو بھی دیکھا لیکن "عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ" کے انوکھے انداز سے میں جتنا متاثر ہوا کسی دوسری کتاب سے نہیں ہوا۔ دراصل موصوف کی اس کتاب نے میری ہمت بڑھائی کہ میں بھی کوئی کتاب رسولِ کریمؐ کی جنگوں پر لکھوں اور نقشے بھی تیار کروں۔ غائبانہ طور پر ڈاکٹر موصوف کو میں اپنا اُستاد مان کر میں نے اپنے مضامین 'دعوت' کو بھیجے۔ اُن کے چھپنے کے بعد پھر چار پانچ جنگوں پر بھیجے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد دیگر مصروفیتوں کی بنا پر یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حُسنِ اتفاق سے ابھی گذشتہ سال اپنی بیماری (سینہ کے السر) کی وجہ سے گھر پر رہنا پڑا۔ اور اس غیبی فرصت کو غنیمت سمجھ کر رمضانِ مبارک کے مہینے میں میں نے یہ سلسلہ پورا کر لیا جس پر اللہ کا شکر گذار ہوں۔ اللہ سے دُعا ہے کہ وہ میری حقیر کوشش کو قبول فرمائے، اور میری یہ کاوش قارئینِ سیرت کے لیے مفید ثابت ہو!

عبد الباری

(۱۳ اپریل ۱۹۸۴ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رسولِ کریمؐ کی جنگی اسکیم

"جنگ" اور "جنگی اسکیم" سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں! تفصیلات کا مطالعہ خود بتاتا ہے کہ جنگوں کا سلسلہ رسولِ کریمؐ کے اُسوۂ حسنہ کا ایک اہم اور نہایت ہی سبق آموز باب ہے۔ کیوں؟ اور کیسے؟

آپؐ کی جنگوں کی نوعیت اور وجوہ

امریکہ کے ایک مصنف (ALBERT MURREY) (البرٹ مرے) نے جو گزشتہ دو جنگوں کا تجربہ کار ہے اپنی تصنیف (PSYCHOLOGY OF WAR AND PEACE) سائیکالوجی آف وار اینڈ پیس میں لکھا ہے کہ "تاریخ اور قوموں کا نفس مزاج اس حقیقت کو ہمیشہ جھٹلاتا رہا ہے کہ کسی قوم کی کم تعداد اس کی کیفیت کو بھی گھٹا دیتی ہے۔ اپنے حقوق کی حفاظت، جنگ میں کامیابی، اخلاقی اور سیاسی غلبہ اور قومی عظمت کے لیے بڑی تعداد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑی سی جماعت کثیر تعداد پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے۔ تھوڑے لوگ بڑی بڑی فوجوں کو مار بھگاتے ہیں۔ ایک معمولی گروہ بڑے گروہ کو زیر کر لیتا ہے۔ دراصل تعداد کسی وقت بھی فیصلہ کُن جوہر ثابت نہیں ہوتی۔ مقصد برآری اور کامیابی کے لیے جن عوامل کی ضرورت ہوتی ہے وہ اگر تھوڑی تعداد میں پائے جائیں تو میدان اُن ہی کے ہاتھ میں رہتا ہے اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ جو جماؤ تھوڑی تعداد کو حاصل ہوتا ہے وہ بڑی تعداد میں پیدا نہیں ہو سکتا۔"

ماہرِ جنگ و ماہرِ نفسیات کے ان الفاظ پر غور کیجیے اور دیکھیے کہ یہی بات تقریباً ۳ ہزار برس پہلے (۱۰۲۰ ق م تا ۱۰۰۴ ق م) طالوت کے آدمیوں نے کہی تھی جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے جب طالوت اور اُس کے ساتھیوں نے کہہ دیا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے تو جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اُنہیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے انہوں نے کہا:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (البقرہ)	بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اِذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

آخرکار انہوں نے کافروں کو شکست دی اور اُن کی فوج کے ایک نوجوان داؤد نے (جو اُس وقت کمسن نوجوان تھے) زبردست پہلوان جالوت کو بھی قتل کر دیا۔

صرف فرق یہ ہے کہ ماہرِ نفسیات 'عوامل' کو ضروری قرار دیتا ہے اور قرآن اُسے 'اِذن اللہ' اور 'صبر' کے نام سے موسوم کرتا ہے ـــــ یہ اعتقاد کہ اگر صبر برقرار رکھا جائے تو خدا اپنے کمزور بندوں کو حق کی راہ میں ہمیشہ غالب رکھتا ہے ایک مومن کے اندر ضرور رجاؤ اور استقامت پیدا کر دیتا ہے ـــــ وہی اللہ جس کے اِذن سے یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے دشمن سے مقابلہ کے لیے ہر امکانی قوت کی فراہمی کو بھی ضروری قرار دیتا ہے۔ چنانچہ جنگِ بدر کے بعد ہی ایک آیت کے نزول سے اس کی تائید ہو جاتی ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی اور واقعات خود شاہد ہیں کہ باوجود پیغمبرؐ ہونے کے (جنہیں اللہ کی ساری تائید حاصل تھی) آپؐ نے حربی تدابیر سے بھی کام لیا۔

رسولِ کریمؐ کی سوانح عمری ایک حیثیت سے غزوات ہی کا نام ہے (بلکہ ان میں سے بعض کا حوالہ قرآنِ کریم میں اس انداز سے آیا ہے کہ اُن کا ذکر مومن کی تربیت و پختگی کے لیے انمول ذریعہ ہے) اور اسی لیے پہلے سیرت کی کتابیں 'مغازی' (غازی کے افعال) کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ مگر آپؐ کی جنگیں تاریخ انسانی میں غیر معمولی طور پر ممتاز ہیں! اکثر دگنی، تگنی اور بعض وقت دس گنی قوت کے مقابلے میں بھی آپؐ ہی کو قریب قریب ہمیشہ فتح حاصل ہوئی۔ دورانِ غزوات سات آٹھ سال کی مدت میں اتنی کم جانیں ضائع ہوئیں کہ انسانی خون کی یہ عزت بھی تاریخ عالم میں

بے نظیر ہے۔ آخر یہ جنگیں کیوں اتنی ممتاز و بے نظیر ہیں؟ اُن کی نوعیت کیا ہے؟ اُن جنگوں میں
کیا کیا حربی تدابیر اختیار کی گئیں؟ کامیابی کا راز کیا تھا؟ دراصل ان ہی باتوں کو تفصیلات
میں نمایاں کیا جائے گا تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی نہ پیدا ہو۔

رسولِ کریم ؐ نے مکہ سے توحید کی دعوت دینی شروع کی۔ اسلامی دعوت کا یہ اعلان
سب سے زیادہ قریش کے لیے پریشانی کا موجب تھا۔ اُس وقت مکہ کی عزت کعبہ کی وجہ سے
تھی اور قریش کا خاندان کعبہ کا مجاور اور متولی تھا۔ یہ بلاوا ملک کے عام بت پرستانہ موروثی
رسم و رواج کے خلاف تھا اور اس کے پھیلنے پھولنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اُن کا
سارا اقتدار مٹی میں مل جائے اور مذہبی قیادت اپنے آپ ختم ہو جائے۔

دوسری طرف عرب کی قومی زندگی میں جنگ و غارتگری سرایت کر گئی تھی۔ عرب ایک
ویران ملک تھا۔ بھیڑ بکریوں کے علاوہ اور کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہ تھا اور بعض کے پاس
یہ بھی نہ تھا اس لیے حملہ اور غارتگری شروع ہوئی جو معاش کا تنہا ذریعہ قرار پایا۔ غارتگری کے
بعد تجارت کا نمبر آتا ہے۔ لیکن تجارتی قافلوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا محال تھا۔ عام
قبائل ایک دوسرے پر ڈاکہ ڈالتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ حج کے ایام میں مذہباً خاموش ہو جاتے۔ اس کے
علاوہ ثار (بدلہ) کا قانون تھا۔ کسی مقتول کا انتقام اس کے قبیلہ پر فرض ہو جاتا تھا۔ سیکڑوں سال
تک لڑائیاں مسلسل قائم رہتیں۔ اس کے علاوہ قریش میں بہت سی بداخلاقیاں پھیلی ہوئی
تھیں اور اسلامی تحریک ان برائیوں پر کھل کر تنقید کرنے لگی تھی۔

کعبہ میں توحید کا اعلان ہوتے ہی ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ اور آنحضرت ؐ کے ایک مخلص
محافظ پر چاروں طرف سے اتنی تلواریں پڑیں کہ وہ شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلی
شہادت تھی۔ اللہ کے فضل سے آنحضرت ؐ محفوظ رہے۔ غفار کا قبیلہ اُس راستہ پر آباد
تھا جس سے ہو کر قریش ملکِ شام کو تجارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ اُسی قبیلہ کے ایک شخص
حضرت ابوذر رضؓ نے جب قبولِ اسلام کا اعلان کیا تو حرم میں چاروں طرف سے لوگ اُن پر
ٹوٹ پڑے۔ وہ تو خیر ہو گئی کہ عین وقت پر حضرت عباس رضؓ آ گئے اور انہوں نے کہا کہ یہ
غفار کے قبیلہ کے آدمی ہیں اور تمہارا تجارتی راستہ ان کے قبیلہ کے پاس سے ہو کر گزرتا ہے

اگر انہوں نے تمہارا راستہ بند کر دیا تو کیا کرو گے ؟ یہ سُن کر لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا غرضکہ ابتلاء و آزمائش کا دَور تھا، قریش کے مظالم ختم ہونے کی صورت نہ رہی تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ کچھ مسلمان نیک دل انصاف پسند عیسائی بادشاہِ حبشہ (نجاشی) کے پاس ہجرت کر جائیں تا کہ کچھ دنوں تو نجات ملے۔ مگر قریش نے وہاں بھی پیچھا کیا یہ اور بات ہے کہ دال نہ گل سکی!

جب شفیق بیوی حضرت خدیجہؓ اور حامی و محافظ چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو قریش کی مخالفت میں اور بھی شدت ہو گئی۔ چچا ابو لہب کو شروع ہی سے مخالفت تھی۔ اس لیے اب آنحضرتؐ کو نئے محافظ ڈھونڈھنے پڑے۔ آپؐ کو خیال آیا کہ آپؐ کے ماموؤں کا خاندان طائف میں بستا ہے اور آپؐ کے چھوٹے چچا حضرت عباسؓ طائف میں تاجرانہ لین دین کے ذریعہ کافی رسوخ رکھتے تھے۔ اس لیے آپ بڑی اُمنگوں کے ساتھ وہاں پہنچے۔ مگر چونکہ مکّہ طائف کے مال کے لیے نکاسی کی منڈی تھا۔ اور ہر سال گرمیوں میں مکّہ کے مالدار تاجر طائف آکر تبدیلی موسم کی خاطر وہاں کی آمدنی بڑھانے کا بہت بڑا ذریعہ بنتے تھے اس لیے طائف مکّہ کو کیسے ناراض کرتا ؟ لہٰذا دولت و اقتدار اور مکہ کے سیاسی و مذہبی وجوہ یہاں بھی دعوتِ توحید کی راہ میں رُکاوٹ بنے۔ اور آپؐ کو پتھر کھا کر ہی مکّہ واپس ہونا پڑا۔ مایوسی کی حالت میں شہر کے باہر ہی بعض شناساؤں کی مدد سے تبلیغی دَورے کرتے رہے۔ خصوصًا حج کے زمانہ میں دعوت پہنچانا کوئی آسان کام نہ تھا!

مِنیٰ کے قریب (دیکھیے نقشہ نمبر۲) راستے کے دونوں طرف پہاڑوں کی ایک مسلسل دیوار ہے۔ مکّہ سے تقریبًا ۳ میل پر حدودِ منیٰ شروع ہونے سے ایک فرلانگ پہلے ہی بائیں ہاتھ پر ایک وسیع میدانی دائرہ بناتا ہوا پہاڑ پھر تنگ راستہ پر آجاتا ہے۔ یہ مقام عَقبَہ کہلاتا ہے جہاں مشہور بیعت ہائے عَقبَہ ہوئی تھیں۔ ایسی کھلی ہوئی مگر پہاڑوں سے محفوظ جگہیں اکثر پہاڑی سلسلوں میں بن جاتی ہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک ایسا ہی محفوظ بڑا دائرہ عرفات کا میدان ہے۔ محفوظ جگہوں میں عام راستہ کی بھیڑ بھاڑ سے ہٹ کر تبلیغ کا کام اچھا ہو سکتا تھا۔ مدینہ کے دو قبیلے اوس اور خزرج جن میں نسلوں سے خونریزیاں

چلی آرہی تھیں اس قدر تھک چکے تھے کہ کسی قیمت پر بھی باہم دوستی پر آمادہ تھے۔ یہ صورت حال تھی کہ قبیلہ خزرج کے (جس قبیلہ سے آنحضرتؐ کی والدہ کا رشتہ تھا) پانچ چھ آدمیوں سے عقبہ میں آنحضرتؐ کی ملاقات ہوئی۔ اس جماعت نے اسلام کی دعوت سنی تو شوق سے ہر طرح کی امداد کا وعدہ کیا اور مدینہ واپس جا کر اسلام کا چرچا کیا تو سال بھر بعد حج کے موقعہ پر اوس اور خزرج دونوں کے دس بارہ آدمی آنحضرتؐ سے آکر اسی عقبہ میں ملے۔ انہوں نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ اپنے خاندان کے بھی اسلام لانے اور آپؐ کی اطاعت کا اظہار کیا۔ اس طرح آپؐ اوس اور خزرج کے ۱۲ خاندانوں کے مشترک سردار بن گئے (یہ بیعت عقبہ اولیٰ تھی) ایک تربیت یافتہ مبلغ مکہ سے ان کے ہمراہ مدینہ بھیجا گیا۔ دوسرے سال مدینہ کے کوئی پانچ سو حجاج میں سے ۷۲ مرد اور عورتیں آنحضرتؐ سے اظہار اسلام کرنے اور آپؐ کو مدینہ مدعو کرنے کے لیے آئیں نو دس بجے رات یہ (۷۲) لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں چپکے چپکے اپنے پڑاؤ سے نکل کر (آج کل بھی حج کے موقعہ پر عرفات اور منیٰ کے میدانوں میں پڑاؤ رہتا ہے) عقبہ میں جمع ہوتے گئے۔ اور آنحضرتؐ بھی اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ وہاں آگئے۔ تفصیل کے ساتھ تحریک کے اغراض و مقاصد سن کر انہوں نے آمنّا

وَصَدَّقُنا کہا۔ اور آنحضرتؐ اور دیگر مکی مسلمانوں کو مدینے چلنے کی رائے دی اور یقین دلایا کہ مدینہ آئیں تو ہم آپ کی ایسی ہی مدد اور حفاظت کریں گے جیسی کوئی اپنی اور اپنے بال بچوں کی کرتا ہے۔ آنحضرتؐ نے قبیلہ خزرج سے ۹ اور قبیلہ اوس سے ۳ اشخاص منتخب فرما کر انہیں نقیب (سردار) مقرر کیا۔

جب یہ لوگ بیعت کر رہے تھے تو سعد بن زرارہؓ نے کھڑے ہو کر آگاہ کیا: "بھائیو! یہ بھی جانتے ہو کہ تم کس بات پر بیعت کر رہے ہو۔ سمجھ لو یہ عرب اور عجم کے خلاف اعلانِ جنگ ہے!" سب نے کہا کہ ہم یہ سب کچھ سمجھ کر بیعت کر رہے ہیں۔ اور یقین دلایا کہ ہم اپنی بات سے کبھی نہیں پلٹیں گے۔ آنحضرتؐ نے سب سے ہاتھ ملایا (یہ بیعت عقبہ ثانیہ تھی) اور کہا: "میں بھی اب تمہارا ہوں۔ تمہاری جنگ میری جنگ ہوگی اور تمہاری صلح میری صلح"۔ ظاہر ہے کہ

جب قریش کو اس کی اطلاع ہوئی تو سخت چیں بہ جبیں ہوئے اور اُسے براہ راست اپنے خلاف جتھا بندی خیال کیا۔ چنانچہ ہجرت سے ۳ ماہ پہلے آنحضرتؐ نے اپنے ساتھیوں اور مکّے کے عام مسلمانوں کو مدینہ بھیجدیا۔ بعدہٗ جب قریش نے آپؐ کے قتل کا مصمم ارادہ منصوبہ کے ساتھ کرلیا تو کیا یہ اعلانِ جنگ کے مترادف نہ تھا

(عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ ــــ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب)

ہجرت کے بعد کی مشکلات

مکّہ میں جو مصیبت تنہا تھی، مدینہ میں آکر گوناگوں بن گئی۔ مدینہ اب تک تو بیرونی خطرات سے بالکل مطمئن تھا لیکن رسولِ کریمؐ جب اللہ کے دین کی خاطر مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے، تو آپؐ کی قیام گاہ قریش کے غیض و غضب کا نشانہ بن گئی۔ انصار نے مسلمانوں کو پناہ دی اس لیے قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کرلیا حرم کی تولیت کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتا تھا۔ اِس طرح مکّہ سے مدینہ تک جو قبائل پھیلے ہوئے تھے سب قریش کے زیرِ اثر تھے۔ اِس بنا پر قریش نے تمام قبائل کو اسلام کے خلاف بھڑکایا کہ یہ نیا گروہ اگر کامیاب ہوگیا تو تمہاری آزادی تو آزادی ہستی تک فنا ہو جائیگی دل میں اُن کے یہ اندیشہ تھا کہ اگر اسلامی تحریک قائم رہی تو ایک طرف اُن کے مذہب کو صدمہ پہونچے گا دوسری طرف سارے عرب میں اُن کا اثر جاتا رہے گا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مدت تک مہاجرین اور انصار رات کو سوتے تو ہتھیار باندھ کر یہاں تک کہ صبح ہو جاتی!

قریش نے عبد اللہ بن اُبی (منافق) کو پیغام بھیج دیا تھا کہ "محمدؐ کو وہاں سے نکال دو ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمہارا اور محمد دونوں کا فیصلہ کر دیں گے۔" عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) خود بھی اندیشہ محسوس کر رہا تھا کہ تحریک کی کامیابی کا مطلب اپنے اثر و اقتدار کو کھو دینا ہے اس لیے اندر اندر وہ بھی مخالفت پر آمادہ تھا۔ مدینہ کے اردگرد کے یہودیوں پر تو کسی طرح بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ غرضکہ جس طرح مدینہ کو بیرونی خطرات کا اندیشہ تھا ویسے ہی وہ اندرونی خطرات سے بھی دوچار تھا!

ایسے حالات میں ضروری تھا کہ اسلام اور دارالاسلام کی حفاظت کے لیے مناسب تدابیر اختیار کی جائیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا کام حفاظتِ خود اختیاری کی تدبیر تھی۔ نہ صرف اپنی اور مہاجرین کی، بلکہ انصار کی بھی۔ اِس بنا پر آنحضرتؐ کا ایک کام تو یہ تھا کہ

مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں۔ دوم یہ کہ یمن سے شام کی تجارتی شاہراہ پر (دیکھیے نقشہ نمبر ب) اپنی گرفت مضبوط کریں تاکہ قریش اور دوسرے قبائل جن کا مفاد اس راستے سے وابستہ تھا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اپنی معاندانہ (ENEMICAL) اور مزاحمانہ (BELLIGERENT) پالیسی پر نظرِ ثانی کرنے کے لیے مجبور ہو جائیں (جیسا کہ حج کے موقع پر ایک دفعہ ابوجہل کی دھمکی پر سعد بن معاذؓ انصاری نے کہا کہ اگر وہ مسلمانوں کو حج سے روکتے ہیں تو پھر ہم بھی اُن کی شامی تجارت کو روک دیں گے)۔ اس مسئلہ کے حل کے لیے آنحضرتؐ نے دو اہم تدابیر اختیار کیں:

(۱) مدینہ اور ساحل بحرِ احمر کے درمیان (دیکھیے نقشہ نمبر ب) اس شاہراہ سے متصل جو قبائل آباد تھے اُن کے ساتھ گفت و شنید شروع کی تاکہ وہ حلیفانہ اتحاد یا کم از کم ناطرفداری (NEUTRALITY) کا معاہدہ کریں۔ سب سے پہلے بنی جُہَینہ سے جو ساحل کے قریب پہاڑی علاقہ میں ایک اہم قبیلہ تھا معاہدۂ ناطرفداری طے ہوا۔ پھر ۲ھ کے آخر میں بنی ضمرہ سے جن کا علاقہ ینبع اور ذوالعُشَیرۃ سے متصل تھا دفاعی معاونت (DEFENSIVE ALLIANCE) کی قرارداد ہوئی۔ پھر ۳ھ کے وسط میں بنی مُدلج بھی اس سمجھوتہ میں شامل ہو گئے کیونکہ وہ بنی ضمرہ کے ہمسایہ اور حلیف تھے۔

(۲) قریش کے قافلوں کو دھمکی دینے کے لیے اس شاہراہ پر پیہم چھوٹے چھوٹے دستے بھیجنے شروع کیے۔ اِن تاختوں کا اصل مقصود قریش کو ہوا کا رُخ بتانا تھا۔ لہٰذا ان تمام مہموں میں نہ تو کُشت و خون ہوا اور نہ کوئی قافلہ لوٹا گیا۔ نہ ان میں حضورؐ نے کسی انصاری کو بھیجا۔ تمام دستے خالص مکی مہاجرین ہی سے مُرتب فرماتے رہے (چند کی قیادت خود آنحضرتؐ نے کی) تاکہ دوسرے قبیلوں کے الجھنے سے آگ نہ پھیل جائے —— یہ دو طریقے اس لیے اختیار کیے گئے کہ مدینہ کے قرب و جوار کے قبیلوں سے امن و امان کا معاہدہ ہو جائے!

اِسلام کے زیرِ اثر علاقے سے گزرنے کے لیے قریش نے زور دکھانا شروع کیا اور ایک کشمکش کی صورت پیدا ہو گئی چنانچہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں جو لڑائیاں ہوئیں یا واقعات پیش آئے انہیں 'غزوات' اور 'سرایا' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ غزوات کی اغراض

یہ تھیں کہ (i) دشمنوں نے دار الاسلام پر حملہ کیا اور اُن کا مقابلہ کیا گیا۔ یا (ii) یہ معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ اور پیش قدمی کی گئی۔ 'سرایا' (سَریہ کی جمع) کی پانچ اغراض تھیں ــــ

(۱) **محکمۂ تفتیش** ــــ دُشمنوں کی نقل و حرکت کی خبر رسانی کی غرض سے سب سے پہلا کام یہ تھا کہ خبر رسانی اور جاسوسی کا انتظام وسیع پیمانہ پر کیا جائے۔ چنانچہ ابتداء ہی سے اس کے نظم پر توجہ کی غرض سے مسلح او رجمعیت کی صورت میں جاسوسوں کے دستے بھیجے جاتے تھے جو کبھی دس بارہ سے زائد افراد پر مشتمل نہ ہوتے تھے۔

(۲) **مدافعت** ــــ دُشمنوں کے حملہ کی خبر سُن کر مُدافعت کے لیے پیش قدمی کر کے فوجیں بھیج دی جاتیں۔ یہ مہمیں مدافعت ہی کی غرض سے ہوتی تھیں ــــ مثلاً سرایا فدک، دومۃ الجندل مُریسیع وغیرہ۔

(۳) **قریش کی تجارت کی روک ٹوک** ــ کعبہ مسلمانوں کی خاص چیز تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اُسے تعمیر کیا تھا اور مسلمان دینِ ابراہیمی کے پیرو تھے۔ قریش نے مسلمانوں کو حج اور عمرہ سے روک دیا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اُن کا کاروانِ تجارت (جو مدینہ کے اطراف سے ہوتا ہوا شام کو جایا کرتا تھا) (دیکھیے نقشہ نمبر ب) کو روک کر مجبور کیا جائے کہ مسلمانوں کو کعبہ کے اندر جانے کی اجازت دے دیں۔

آنحضرتؐ کی مہمات تو اسی غرض کے لیے تھیں۔ لیکن چونکہ قریش تجارت کے لیے بھی ہتھیار بند ہو کر نکلتے تھے اور کم از کم سو دو سو کی جمعیت ساتھ لے کر جاتے تھے اس لیے روک ٹوک میں کبھی کبھی مقابلہ درپیش ہو جاتا تھا۔ اور جب قریش شکست کھا کر بھاگ جاتے تو مالِ تجارت بھی رواج کے مطابق بطورِ غنیمت ہاتھ آجاتا۔ قافلہ کو لوٹنا اصل مقصود نہ تھا۔ (یہی روک ٹوک تھی جس کی بنا پر قریش نے بالآخر صدیبیہ کی صلح کر لی)

(۴) **امن و امان قائم کرنا** ــــ تمام قبیلے باہم لڑ رہے تھے یہاں تک کہ محترم مہینوں میں بھی بہانے نکال کر مہینوں کے نام بدل دیتے۔ تجارت بالکل غیر محفوظ تھی۔ عرب کی معاش کا بڑا ذریعہ رہزنی اور قتل و تاراج تھا۔ چونکہ اسلام ان چیزوں کو مٹاتا تھا اس لیے عرب

اسلام سے بڑھ کر کسی کو اپنا دشمن نہیں تصور کر سکتے تھے۔ چنانچہ بہت سی مہمیں اسی غرض سے تھیں۔ مثلاً مدینہ کی چراگاہ پر حملہ وغیرہ کے وقت زیادہ تر جو قبیلے ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے خیمہ نشین اور بادیہ گرد تھے اُن کی روک ٹوک سخت دشوار تھی۔ ان کی تعزیر کے لیے جب فوجیں جاتیں تو یہ پہاڑوں پر بھاگ جاتے یا اور کسی طرف چل دیتے اور قابو میں نہیں آتے تھے۔ اس لیے مجبوراً جو فوجیں بھیجی جاتیں غفلت کے اوقات میں بھیجی جاتیں کہ وہ بھاگ نہ پائیں۔ اسی طرح فوجوں پر اچانک حملہ کیا جاتا تھا۔ اگر رسولِ کریمؐ فتنوں کو اٹھتے ہی دبانے کی نہ کوشش کرتے اور دشمنوں کو متحد ہونے سے پہلے نہ منتشر کرتے تو پھر مدینہ میں ایک دن بھی ٹھہرنا محال ہو جاتا۔

(۵) اشاعتِ اسلام — چونکہ ملک میں امن وامان نہ تھا نیز دشمنوں نے سارے عرب میں آگ لگا رکھی تھی اس لیے جو سرایا دعوتِ اسلام کے لیے جاتے تھے ان کی زندگی ہمیشہ خطرہ میں رہتی بلکہ واقعتہً اکثر جماعت کی جماعت تبلیغی سلسلہ میں دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہوگئی اور اگر کوئی بچ کر نکل آیا تو اُسی نے داستانِ غم کی خبر دی (مثلاً بئرِ معونہ اور رجیع کے واقعات) اِسی بنا پر اکثر تبلیغی سرایا کے ساتھ حفاظت کی غرض سے کچھ فوج بھی ساتھ کر دی جاتی تھی۔ لیکن افسروں کو تاکید کر دی جاتی تھی کہ صرف اشاعتِ اسلام مقصود ہے۔ لڑائی بھڑائی کی اجازت نہیں۔

البتہ فتح مکّہ کے بعد جب عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کر لیا تو بتوں کی عظمت و جباری کا جاہلانہ تصور مٹانے کے لیے ان کے مراکز یعنی بُت خانوں کو ڈھانے کے لیے بھی (جنہیں وہ اب تک اپنے ہاتھوں نہ مٹانا چاہتے تھے) سرایا بھیجے گئے۔

الغرض یہ وہ ناگزیر جنگیں تھیں جن میں رسولِ کریمؐ اور مسلمان اضطراراً سات آٹھ سال تک شر سے بچنے کی خاطر شریک ہوتے رہے مگر اُن میں کوئی ایسی جنگ نہیں کہ جس کی ابتدا مسلمانوں نے کی ہو۔

جنگ، افعالِ انسانی کا بدترین منظر ہے خصوصاً زمانۂ جاہلیہ میں عرب کی جنگیں اپنی مثال نہ رکھتی تھیں۔ لیکن ہر قسم کے وحشیانہ افعال جو عمل میں آ رہے تھے ان کے مقابلہ میں اسلام نے

عمدہ عمدہ اصلاحیں کیں اور ایک ایک کر کے ان کا استیصال کیا۔ یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر (جس کا خطبہ آپؐ نے عرفات میں دیا تھا۔ دیکھئے نقشہ نمبر ب) ثارؔ کے قانون کا ابطال بھی کر دیا۔ بالآخر وہی "جنگ" جو ہر طرح کے ظلم و ستم اور جہالت و وحشت کا مجموعہ تھی اسلام کی تعلیم نے اس کو اعلائے کلمۃ اللہ، قیامِ امن، رفع مفاسد، نصرتِ مظلوم اور تسبیح و تہلیل کی صورت میں تبدیل کر دیا۔

کامیابی کا راز آپؐ پیغمبر تھے۔ آپؐ کو تائیدِ خداوندی ضرور حاصل تھی۔ چنانچہ اکثر جنگوں میں نصرتِ الٰہی مختلف شکلوں میں نمودار بھی ہوئی (مثلاً کہیں پانی کا برس جانا جس سے فریقین پر مختلف اثرات طاری ہوئے۔ کہیں سرد ہوا کے تند جھونکوں کا اچانک پہنچ جانا جس سے دشمن کی فوج کو میدان چھوڑنا ہی پڑا) تاہم دورانِ جنگ آپؐ کے ایسے نمایاں کارنامے مشاہدے میں آتے ہیں جن سے بے شمار صفات کا مظاہرہ ہوتا ہے دراصل یہی وہ اخلاقی صفات تھیں جن کے سامنے مخالفتوں کی قوت چور چور ہو جاتی تھی۔ مثلاً:۔

- آپؐ کو اور آپؐ کے متبعین کو اللہ پر انتہائی توکل تھا۔ عین اس وقت جب دونوں طرف سے فوجیں برسرِ پیکار ہوتیں رسولِ کریمؐ نہایت خضوع و خشوع اور اطمینان قلب کے ساتھ ذکرِ الٰہی میں مصروف ہوتے (بدر۔ اُحد۔ خندق اور خیبر جیسے بڑے بڑے معرکوں میں آپؐ کی یہی کیفیت تھی)
- سبیل اللہ کا واضح نقشہ ذہن نشین ہو جانے کے بعد اس راہ کے راہیوں میں لامحدود قوت کا پیدا ہو جانا لازمی تھا۔ کیونکہ سوائے رضائے الٰہی کے اور کوئی مادی مفاد پیشِ نظر نہ ہوتا تھا۔
- عزم و استقلال، قناعت و صبر، ہمت، دلیری و بلند حوصلگی، راست بازی و دیانتداری، قوتِ برداشت وغیرہ۔
- ایثار و انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ اتنا تھا کہ تن من اور دھن کی بازی لگا دینے سے ذرا بھی دریغ نہ کرتے تھے۔

دشمن پر باوجود قابو پا جانے کے کسی جنگ میں تبدیلی مذہب پر نہ زور دیا نہ دباؤ ڈالا

بڑے سے بڑے قصور پر بھی معافی دی اور قیدیوں کو رہا کر دیا۔ یا اُن کے ساتھ بہترین سلوک کیا۔

- ہمیشہ قلوب کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ مفتوحوں کی ذہنیت کی کایا پلٹ کر دیتے اور ان کو مکمل طور پر اپنا لیتے ۔۔۔

جس طرح یہ ساری صفاتِ حسنہ کامیابی کے لیے اہم تھیں اسی طرح مختلف جنگوں میں آپؐ کی حربی تدابیر بھی معاون ہوئیں۔ جنگِ بدر میں آپؐ کی تیاری بالکل نہ تھی۔ چنانچہ اس کے بعد ہی اللہ کی طرف سے ہدایات آتی ہیں کہ آئندہ سے پوری تیاری رہنی چاہیے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ" (انفال: ۶۰)

اُن کے مقابلہ کے لیے جس قدر تمہارے امکان میں ہو قوت اور رباط الخیل مہیا رکھو۔ اس سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور اُن کے سوا اُن دوسرے لوگوں کو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ انہیں جانتا ہے مرعوب و خوفزدہ کرو گے۔ اس کام میں جو کچھ تم فی سبیل اللہ خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا کا پورا واپس مل جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت کا نزول ہی ثابت کرتا ہے کہ مسلمانوں کو جنگی ضروریات کے لیے اخلاقی قوتوں کے علاوہ مستقل فوج بھی رکھنی چاہیے جو ہمیشہ کیل کانٹے سے لیس رہے۔ سپاہیانہ فنون کا سیکھنا اگر ایک مذہبی فریضہ نہ ہوتا تو رسولِ کریمؐ نے مسلمانوں پر شروع ہی سے یہ واضح نہ کر دیا ہوتا کہ" اللہ تعالیٰ ایک تیر کے بدلہ میں ۳ اشخاص کو بہشت میں داخل کرتا ہے۔ (ایک تیر بنانے والے دوسرے اُسے خدا کی راہ میں لے جانے والے اور تیسرے اُسے فی سبیل اللہ چلانے والے کو)" اسی طرح آپؐ نے جائز کھیلوں میں 'تیراندازی' اور گھوڑے کی تادیب کو شمار کیا (مدینہ میں جب مسجد غمامہ کے عیدگاہ سے گھوڑ دوڑ شروع ہوتی تو نبی کریمؐ خود ہی شامی دروازے کے پار مسجد السبق پر نتائج جانچنے کھڑے ہوتے تھے) مختلف عہد میں آلاتِ حرب تبدیل ہوتے گئے۔ اُس زمانہ کے حربی آلات میں تیراندازی کو

بڑی اہمیت حاصل تھی۔ سامانِ جنگ کی نوعیت کو صرف لفظ 'قوۃ' سے بیان کیا ہے جو ہر زمانہ میں بہترین حربی اختراعات پر یکساں چسپاں وحاوی ہے! امام فخر الدین رازیؒ نے 'قوۃ' کے مفہوم میں وہ تمام چیزیں شامل کی ہیں جو قوت کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ مثلاً تمام آلات حرب خواہ وہ دفاعی صورتوں میں مستعمل ہوں یا حملوں کے اوقات میں۔" مَا اسْتَطَعْتُمْ " کے لفظ نے 'قُوَّۃٍ' کو مسلمانوں کی قدرت واستطاعت پر موقوف کر دیا یہاں تک کہ انہیں ہر اُس وسیلہ جنگ کو اختیار کرنا چاہیے جو دُشمنانِ حق سے مقابلہ کرنے میں کام آسکے۔ اور جسے حاصل کرنا مسلمانوں کے لیے ممکن ہو۔ یہ نہیں ہے کہ اُن سے یہ فرض ساقط ہو۔ اگر کوئی قوم اپنی فوجی طاقت کو مضبوط رکھتی ہے تو اس سے صرف یہی فائدہ نہیں ہوتا کہ جو طاقتیں اس کی علانیہ دشمن ہوں وہ اس سے مرعوب وخوف زدہ رہتی ہیں۔ بلکہ رفتہ رفتہ لوگوں پر اس کی ایسی دھاک جم جاتی ہے کہ اُس کے ساتھ دُشمنی کا خیال بھی دلوں میں نہیں آتا۔ اور اِس حفظ ما تقدم کی تیاری میں جو روپیہ صرف ہوتا ہے اُسے یہ نہ سمجھو کہ ہمیشہ کے لیے ضائع ہو گیا۔ بلکہ درحقیقت وہ تمہیں اس صورت میں واپس ملتا ہے کہ تم پر ظلم نہیں ہو سکتا۔ اور ظلم سے محفوظ رہنے کی حالت میں تمہیں پُرامن زندگی کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

جنگوں کی تفصیلات سے خود بخود اندازہ ہو جائے گا کہ رسول کریمؐ نے ہر امکانی قوت سے کام لیا، اور اگر کہیں (اُحُد وحنین کے موقعوں پر) آپؐ کے سپاہیوں سے ذرا بھی لغزش اور کوتاہی ہوئی تو وہاں نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ رسولِ کریمؐ کے بعد اس فریضہ پر حضرت عمرؓ نے بہت زیادہ عملی قدم بڑھا کر فوجی صیغہ کو ایک دم منظم کر دیا۔ یہاں تک کہ برّی وبحری سرحدوں پر بھی چھاؤنیاں قائم کر دیں۔ چنانچہ نتائج سے فیضیاب بھی ہوئے۔ اسی طرح اگر موسیٰ بن نُصیر نے ٹیونس میں جنگی جہاز سازی کا کارخانہ نہ قائم کیا ہوتا تو سمندر کی بساط پار کر کے سسلی، اسپین اور فرانس تک کیسے روشنی پھیلتی؟)

جیسا کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے 'عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ' میں تذکرہ کیا ہے رسولِ کریمؐ کی جنگوں کے مطالعہ سے پورا فائدہ اُسی وقت اُٹھایا جا سکتا ہے جب اس بات کا نہایت احتیاط کے ساتھ پتہ چلایا جائے کہ آپؐ نے جنگ کے اصولوں کو کس طرح برتا اور ان ت

کیا نتائج برآمد کرسکے۔ کیونکہ "انسان کی فطرت اور وہ قواعد جن پر جنگ مبنی ہوتی ہے بدلتے نہیں اور یہی وجہ ہے کہ نہایت قدیم زمانہ کی معرکہ آرائیوں سے بھی قیمتی سبق سیکھے جا سکتے ہیں"
(وار آفس کے تربیتی قوانین ۱۹۳۴ء)

HUMAN NATURE AND THE UNDERLYING PRINCIPLES OF WAR DONOT CHANGE AND IT IS FOR THIS REASON THAT VALUABLE LESSONS CAN BE LEARNED FROM EVEN THE MOST ANCIENT COMPAIGNS."

(WAR OFFICE TRAINING REGULATIONS 1934)

اقدامات اور آلاتِ جنگ پر سرسری نظر

- اصولِ جنگ کے موافق اکثر غزوات میں رسولِ کریمؐ اپنا ارادہ پہلے سے نہ بتاتے تھے کہ کہاں حملہ کرنا ہے؟ (ابن اسحاق کا بیان ہے کہ صرف تبوک کے معرکہ میں تفصیل سے آگاہ کر دیا تھا)
- فوجی مہموں میں غیر سمت چل کر نامانوس راستوں سے گزرتے ہوئے دشمن کو اچانک جا لینا۔
- اونٹوں کے گلے سے گھنٹیاں علیحدہ کرا دینا تاکہ دشمن کو فوج کی حرکت کا نہ پتہ چل سکے۔
- فوج کی تعداد کی کمی اور اس کی بنا پر کمزوری کا علاج مختلف تدابیر سے کرنا۔ مثلاً کیمپوں میں رات کے وقت زیادہ تعداد میں چولہوں کو روشن کرنا یا رات میں پہاڑی سے اترتے وقت مشعلیں بڑی تعداد میں جلوا دینا۔ خندق کھدوا کر قلعہ بند ہو جانا۔ میدانِ جنگ میں کلیدی مقامات پر مورچہ بندی اور دشمن کی تیاری سے پہلے اس کا پیچھا کرنا بلکہ سرحد تک پہنچ کر مرعوب کر دینا۔
- محکمۂ تفتیش کے ذریعہ دشمن کی نقل و حرکت معلوم کر کے اچانک حملہ کر دینا۔ مگر رات کو حملہ نہ کرنا آپ کی امتیازی سنت رہی ہے۔
- اکثر حالات میں قدرت کی عطا کردہ جغرافیائی پوزیشن سے پورا فائدہ اٹھانا۔ اپنی اور صحابہؓ کی ثابت قدمی اور استقلال سے عام فوج کی بے اِس کو دور کر کے اُن کی

ہمت افزائی کرنا۔

- اونٹوں کی کمی پر کئی کئی کا سوار ہونا یا باری باری سے سوار ہونا۔ رَسَد کی کمی پر فاقہ کشی بھی اختیار کرنا۔
- تیر کمان، ڈھال تلوار، خود و زرہ، برچھی و بھالا کے علاوہ قلعہ شکن آلات (مثلاً منجنیق، ضبور، دبابہ و عرادہ وغیرہ) سے بھی کام لینا۔
- ضرورت کے مطابق کہیں انگلیوں کے پوروں پر کہیں گردن کے اوپر مارنے، کہیں گھوڑوں کے حملہ کو روکنے کے لیے بڑے پھل کی تیروں کے چلانے کا حکم دینا۔
- جنگوں میں اکثر اپنا شعار (WATCH WORD) مقرر کرنا تاکہ دوست دشمن کی شناخت ہو سکے۔
- بہادر، تجربہ کار اور قابل سپاہیوں اور صحابیوں (مثلاً حمزہؓ، سلمان فارسیؓ، حباب بن المنذرؓ اور خالد بن ولیدؓ وغیرہ) کی موجودگی اور ان کے مفید اور پختہ مشوروں سے فائدہ اٹھانا ـــــ

ـــــ یہ اور ان ہی جیسے دیگر اقدامات تھے جو ذیل کے مواقع پر رسولِ کریمؐ نے اختیار کیے تھے:

جنگوں کی تاریخی ترتیب

(۱) • آپؐ کی ہجرت (بطور تمہید و دیباچۂ جنگ ـــــ ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء

(۲) • جنگِ بدر ـــــ ۱۷ رمضان ۲ھ

(۳) • بنو قینقاع کے ساتھ جنگ ـــــ شوال ۲ھ

(۴) • غزوۂ سویق ـــــ ذوالحجہ ۲ھ

(۵) • جنگِ اُحُد ـــــ سنیچر ۱۱ شوال ۳ھ

(۶) • سریۂ حمراء الاسد ـــــ اتوار ۱۲ شوال ۳ھ

(۷) • بنو نضیر کے ساتھ جنگ ـــــ ربیع الاول ۴ھ

(۸) • بدر الصغریٰ کی مہم ـــــ ذیقعدہ ۴ھ

- (۹) غزوۂ مُریسیع یا بنی مصطلق ——— ۲ شعبان ۵ھ
- (۱۰) غزوۂ احزاب یا جنگِ خندق ——— شوال و ذیقعدہ ۵ھ
- (۱۱) بنو قریظہ کے ساتھ جنگ ——— ذی قعدہ و ذوالحجہ ۵ھ
- (۱۲) صلح حدیبیہ ——— ذی قعدہ ۶ھ
- (۱۳) غزوۂ ذی قَرَد یا غزوۂ غابہ ——— ذوالحجہ ۶ھ
- (۱۴) جنگِ خیبر ——— محرم ۷ھ
- (۱۵) غزوۂ وادی القریٰ اور فدک ——— محرم یا صفر ۷ھ
- (۱۶) ادائے عُمرہ ——— ۷ھ
- (۱۷) جنگِ مُوتہ ——— جمادی الاولیٰ ۸ھ
- (۱۸) فتح مکہ ——— ۱۰ رمضان ۸ھ
- (۱۹) جنگِ حُنین و اوطاس [شوال ۸ھ] اور محاصرۂ طائف ——— شوال و ذی قعدہ ۸ھ
- (۲۰) غزوۂ تبوک ——— رجب ۹ھ
- (۲۱) حج اکبر ——— ۹ھ
- (۲۲) حجۃ الوداع ——— ۱۰ھ

رسولِ کریمؐ کی ہجرت

(دیباچہ جنگ)

(۱۲ ستمبر ۶۲۲ء)

ہجرت سے دو تین دن پہلے رسولِ کریمؐ حضرت ابو بکرؓ کے گھر مشورہ کے لیے تشریف لے گئے تھے اور ان سے پہلے سے قرارداد ہو چکی تھی۔ آنحضرتؐ کے قتل کی تدابیر ابو جہل نے اس طرح کی تھی کہ عرب کے ہر مشہور قبیلہ سے ایک جوانمرد منتخب کیا جائے اور یہ سب مل کر رات کی تاریکی میں محمدؐ کے گھر کو گھیر لیں۔ اور صبح نماز کے لیے جاتے وقت یہ سب اُن پر تلوار سے حملہ کریں۔ اس طریق سے قتل میں تمام قبیلے شامل ہوں گے اور اس کا بدلہ نہ محمد کا قبیلہ لے سکے گا نہ اُن کو سچا ماننے والے کچھ شر و فساد اٹھا سکیں گے۔

جب یہ تہیہ ہو چکا تو اُسی رات آنحضرتؐ کی ہدایت سے حضرت علیؓ آپؐ کے بستر پر آپؐ کی چادر اوڑھ کر سو رہے تاکہ دوسری صبح سب کی امانتیں جا کر واپس دیدیں، اور خدا کا رسول خدا کی حفاظت میں سورۂ یٰسٓ پڑھتا ہوا باہر نکل گیا (۱۲ ستمبر ۶۲۲ء)۔ کسی نے جاتے نہ دیکھا۔ دشمن کے تعاقب کے خیال سے مدینہ کی مانوس راہ چھوڑ کر (جو شمال کی جانب تھی ــــ دیکھیے نقشہ نمبر ۱) جنوب کی راہ اختیار کی (حالانکہ آپؐ کا مکان مکہ کے شمال محلہ میں تھا)

پہلے رسولِ کریمؐ حضرت ابو بکرؓ کے گھر پہنچے۔ انہوں نے جلدی سے سفر کا ضروری سامان درست کیا۔ حضرت ابو بکرؓ کی بیٹی حضرت اسماءؓ نے دو تین دن کا کھانا رکھ کر

ناشتہ دان (غالباً تھیلا) کا منہ کمر کی پیٹی (نطاق) پھاڑ کر اسی سے باندھا۔ اور اسی شب کی تاریکی میں دونوں چل پڑے۔ مکہ کی نشیبی جانب محلہ مسفلہ سے جنوب کی طرف (دیکھیے نقشہ نمبر ۱) دو تین میل کے فاصلہ پر جبل ثور ہے جس کی بلندی تقریباً ایک میل ہے (جس طرح بدر کے جبل اسفل سے بحر احمر دکھائی دیتا ہے ویسے ہی اس کی چوٹی پر سے دکھائی دیتا ہے) جس کی چڑھائی سخت تھی اور راستہ بالکل سنگین اور نکیلے پتھروں سے ناہموار تھا۔ جن کی ٹھوکروں سے رسول کریم صلعم کے پائے نازک زخمی ہو رہے تھے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس طرح ان دونوں نے یہ مسافت طے کی اور آخر کار ایک غار تک پہنچ گئے جس کی تقدیر جاگنی تھی! حضرت ابوبکرؓ نے غار کو صاف کیا اور تن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر اُس کے روزن بند کیے۔ پھر رسول کریمؐ بھی اندر تشریف لے گئے۔ اس غار میں دونوں تین روز تک رہے۔ رات کی تاریکی میں حضرت اسماءؓ روٹی دے جاتیں۔ عامر بن فہیرہؓ (ابوبکرؓ کا غلام جس کے پاس ان کا ریوڑ تھا) کچھ رات گئے بکریاں لاتا۔ بقدر ضرورت یہ لوگ دودھ لے لیتے۔ اور وہ پھر ریوڑ سے آنیوالوں کے نقش قدم کو تمام راستے مٹا دیتا! حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا عبداللہ شب کو غار میں ساتھ جاتا اور صبح اندھیرے منہ شہر چلا جاتا اور پتہ لگا کر کہ قریش کیا مشورہ کر رہے ہیں شام کو سناتا۔

اُدھر قریش آنحضرتؐ کے بچ نکلنے پر سخت جھنجھلائے ہوئے تھے۔ غصہ اور ندامت سے حضرت علیؓ کو مار پیٹ کر آخر کار چھوڑ دیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کے گھر جا کر اسماءؓ سے پوچھا "تیرا باپ کدھر ہے؟" وہ بولیں: "مجھے معلوم نہیں" ابوجہل نے ایسا طمانچہ مارا کہ اُن کے کان کی بالی نیچے گر گئی اور اس جھنجھلاہٹ میں غریب مسلمانوں کو اور زیادہ ستانے لگے۔ اور آپؐ کی اور دیگر مہاجرین کی جائدادیں ضبط کر لیں۔ آنحضرتؐ کا ضبط شدہ مکان وہ تھا جو آپؐ کو بی بی خدیجہؓ سے وراثت میں ملا تھا۔ خون کے پیاسے دشمن آپؐ کو ہر طرف ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ اطراف مکہ کی وادیوں کا کوئی گوشہ انہوں نے ایسا نہ چھوڑا جہاں آپؐ کو تلاش نہ کیا گیا ہو۔ اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ ان میں سے چند لوگ عین اسی غار کے دہانے پر بھی پہنچ گئے۔ ان لوگوں کے قدموں کی آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ کچھ پریشان ہوئے لیکن آنحضرتؐ نے نہایت اطمینان کے ساتھ اُنہیں تسلی دی،

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (التوبہ) گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے)

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے غار کے منہ پر کچھ علامتیں (مکڑی کا جالا اور کبوتر کا گھونسلا وغیرہ) پیدا ہوگئی تھیں کہ کافروں کو گمان بھی نہ ہو سکا کہ اس غار میں کوئی داخل ہوا ہوگا۔ چنانچہ یہ لوگ واپس چلے گئے۔

تب چوتھے دن (۱۶ ستمبر ۶۲۲ء کو) یہ لوگ غار سے نکلے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ۴ مہینے سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر فربہ اور تیار کر رکھی تھیں۔ اُن میں سے ایک رسول اللہؐ نے قیمتاً پسند فرمائی۔ اُس پر آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ سوار ہوئے۔ دوسری پر عامر بن فہیرۃ کے ساتھ عبداللہ بن اُریقط (ایک کافر جس پر اعتماد کرکے اُسے رہنمائی کے لیے اجرت پر مقرر کر لیا تھا) سوار ہوا۔ دشمن کا ڈر تھا اس لیے ان لوگوں نے مکّہ سے مدینہ کو (جنوبی سمت سے) داخل ہونے والا راستہ اختیار کیا جو صرف وادیوں اور گھاٹیوں سے گزرتا ہے۔ یہ راستہ لاوا کے سیاہ پتھروں سے اٹا ہوا ہے۔ اس لیے دشوار گزار بھی ہے اور اس زمانہ میں شاذ و نادر ہی اختیار کیا جاتا تھا۔ جبکہ کاروانی راستہ ذوالحلیفہ سے وادی العقیق ہوتا ہوا شمال کی جانب وادی قناۃ کے سنگم تک جا کر مدینہ جانے کے لیے پھر جنوب کی طرف مڑتا تھا اور نرم ریت پر مشتمل ہونے کے باعث اونٹوں کو بھی پسند تھا۔ لیکن یہ راستہ غیر مانوس تھا اس لیے ایک راہبر رکھنا پڑا جو آگے آگے بتاتا چلتا تھا۔

اِدھر قریش نے مشتہر کر دیا تھا کہ جو شخص محمدؐ یا ابوبکرؓ کو گرفتار کرکے لائے گا اس کو ایک خون بہا (یعنی ۱۰۰ اونٹ) کے برابر انعام دیا جائے گا۔ سُراقہ بن مالک بن جُعشُم انعام کی امید میں نکلا ہوا تھا۔ جب راہبر نے کچھ دور جا کر سمندر کے کنارے والے راستے کو اختیار کیا اور یہ لوگ رابغ کے موجودہ قلعہ اور ساحلِ بحر کے درمیانی میدان سے گذر رہے تھے (دیکھیے نقشہ نمبر ب) تب سراقہ نے ان لوگوں کا تعاقب کیا۔ مگر پہلے تو اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی پھر دوبارہ کوشش کی تو اللہ کے حکم سے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔

حسنِ اتفاق سے حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا سامان لے کر آ رہے تھے انہوں نے آنحضرتؐ اور حضرتِ ابوبکرؓ کی خدمت میں چند کپڑے پیش کیے جو اُس بے سروسامانی میں

غنیمت سمجھے گئے۔

ابن سعدؒ نے طبقات میں اس مقدس سفر کی تمام منزلیں گنائی ہیں۔ اگرچہ عرب کے نقشوں میں آج اس کا نشان نہیں ملتا۔ خرار، ثنیۃ المرہ، لقف، مدلجہ، مرجح، حدائد، اذاخر، رابغ (یہ مقام آج بھی حجاج کے راستہ میں آتا ہے۔ یہاں آپؐ نے مغرب کی نماز پڑھی تھی) ذو سلم، عثانیہ، قاحہ، عرج، جدوات، رکوبہ، عقیق، جثجاثہ۔

تشریف آوری کی خبر مدینہ میں پہلے پہنچ چکی تھی۔ مدینہ سے جنوب کی طرف تقریباً ۳ میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے اُسے عالیہ اور قبا کہتے ہیں۔ یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ سب سے ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا جس کے سردار کلثوم بن الہدم تھے ان ہی کی مہمانی رسولِ کریمؐ نے قبول کی (جمعرات ۸ ربیع الاول سلہ ھ — ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء) یہاں پہلے سے اکثر صحابہؓ پہونچ چکے تھے، اور حضرت علیؓ بھی۔ یہیں پہلی مسجد (مسجد قبا) کی بنیاد ڈالی۔

۱۴ دن کے بعد (جمعہ کو) آپؐ شہر میں داخل ہوئے تو اُسی روز سے یثرب کا نام مدینۃ النبیؐ (مختصراً مدینہ) ہو گیا۔ راہ میں بنی سالم کے محلّہ میں نمازِ ظہر کا وقت آگیا۔ جمعہ کی نماز سَو آدمیوں کے ساتھ پڑھی اور خطبہ سُنایا۔ یہی سب سے پہلی نمازِ جمعہ تھی۔ جب شہر قریب آگیا تو جہاں پر اب مسجدِ نبویؐ ہے اس سے متصل حضرت ایوب انصاریؓ کے گھر میں مہمان ہوئے اور سات مہینے تک یہیں قیام فرمایا، اور جب مسجدِ نبویؐ تیار ہوگئی تو منتقل ہو گئے۔

شہر میں داخلہ کے وقت تمام جاں نثاران بے چین و بے قرار تھے۔ انصار کی معصوم لڑکیاں مکانوں کی چھتوں پر اشعار گا رہی تھیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا	مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع
کامل چاند ہم پر نکل آیا	وداع کی گھاٹیوں سے
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا	مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاع
ہم پر شکر واجب ہے جب تک	دُعا مانگنے والے دعا مانگیں
اَیُّهَا الْمَبْعُوثُ فِیْنَا	جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاع
اے وہ جسے ہمارے پاس بھیجا گیا ہے	تو ایسی چیز لایا ہے جس کی اطاعت کی جائیگی

(تاریخ ذہبی)

'ثَنِیَّات' جمع ہے 'ثَنِیّة' کی 'ثَنِیّة' کہتے ہیں ٹیلہ کو۔ سفر ہجرت میں نبی کریم ؐ نے مدینہ پہنچنے سے قبل ثَنِیّۃُ البول، ثَنِیّۃُ الجابر، ثَنِیّۃُ مروان، اور ثَنِیّۃُ الغیر کو عبور فرمایا پھر ثَنِیّۃُ الوَدَاع بھی ملا۔ اس کے بعد قُبا آتا ہے۔ یہ سب ٹیلے مدینہ کے قریب ہی ہیں۔ اور اہل مدینہ دوستوں کو یہاں تک چھوڑنے (الوداع کہنے) آیا کرتے تھے۔ اس لیے یہ ٹیلہ 'ثَنِیّۃُ الوَدَاعِ' کے نام سے مشہور ہوا۔ اور یہ سارے ٹیلے 'ثَنِیَّاتُ الوَدَاع' کہے جا سکتے ہیں۔

معصوم لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں:

نحن جوار من بنی النجار	یا حبذا محمدؐ من جار
ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں	محمدؐ کیا اچھا ہمسایہ ہے

آپؐ نے ان لڑکیوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا:

"کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟"

بولیں "ہاں"

فرمایا کہ "میں بھی تم کو چاہتا ہوں"۔

جنگِ بدر

(۱۷ رمضان ۲ھ)

جنگ کے اسباب • ہجرت کے بعد ہی سے قریش مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ (جیسا کہ عبداللہ بن اُبی کے پاس خط بھیج کر آگاہ کر چکے تھے) مگر اُن کے درمیان بنی کنانہ کا علاقہ پڑتا تھا جن سے قریش کی جانی عداوت کئی پشتوں سے چلی آرہی تھی۔ ڈر یہ تھا کہ بنی کنانہ ان کو اپنے علاقہ سے فوج نہ لے جانے دیں گے (دیکھیے نقشہ نمبر ب) اور اگر فوج کو راہ مل بھی گئی تب بھی اندیشہ تھا کہ بنی کنانہ فوج کا سلسلہ عقب سے منقطع کر دیں اور اُدھر خود مکہ پر حملہ کر کے اُس پر قابض ہو جائیں جبکہ وہاں میدان صاف رہے گا سراقہ (جس نے نبیؐ کا تعاقب سفرِ ہجرت میں کیا تھا) اس درمیانی علاقہ کا کنانی سردار تھا۔ یہ بات اُسے معلوم ہوئی تو خود مکہ گیا۔ تمام پچھلی عداوتوں کو چھوڑ کر قریش کے ساتھ معاہدۂ اتحاد کر لیا — یہی تھا وہ معاہدۂ شیطانی جس کے ذریعہ مسلمانوں پر قریش کے حملہ کر سکنے کا یہ شخص سبب قوی بنا!

• رجب ۲ھ میں آنحضرتؐ نے عبداللہ بن جحشؓ کو ۱۲ آدمیوں کے ساتھ مقام نخلہ (مکہ اور طائف کے درمیان — جیسا مدینہ سے نظر آتا ہے — دیکھیے نقشہ نمبر ب) میں قیام کر کے قریش کے منصوبوں کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا تھا۔ مگر اپنی طرف سے قریش کے چند آدمیوں پر جو شام سے تجارتی مال لے کر آرہے تھے عبداللہ نے حملہ کر دیا اور اُن میں سے ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا، ۲ گرفتار ہوئے اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس واقعہ کو سن کر آنحضرتؐ عبداللہ پر نہایت برہم ہوئے — نخلہ مکہ سے قریب ہی تھا۔ چنانچہ

اس واقعہ نے بہت جلد تمام قریش کو مشتعل کر دیا اور سارا مکہ جوشِ انتقام سے لبریز ہو گیا غزوۂ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے وابستہ ہے۔

● خود حریفانِ جنگ کی شہادت اس سبب کی تائید کرتی ہے (حضرت حکیم بن حزامؓ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) غزوۂ بدر میں شریک تھے اور اس وقت کافر تھے۔ فتح مکہ تک ایمان نہیں لائے تھے۔ وہ مروان بن حکم کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے۔ بدر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جب ہماری فوجیں میدان میں اتریں تو میں عتبہ (جنگ بدر میں قریش کا سپہ سالار) کے پاس گیا اور میں نے اس سے کہا: "یا اَبَا الْوَلِیْدِ ھَلْ لَکَ اَنْ تَذْھَب بشرف الیوم مَا بقیت قال افعل ماذا؟ قُلْتُ انکم لَا تطلبون من مُحَمَّدٍ اِلَّا دَمَ ابن الحضرمی وَھُوَ حَلِیْفُکَ فتحمل دِیَتَہٗ فَتَرْجِعْ بالنَّاسِ" (اے ابو ولید! کیا تم چاہتے ہو کہ تمام عمر کے لیے ساری نیک نامی تم ہی کو ہاتھ آئے؟ عتبہ نے کہا یہ کیسے؟ میں نے کہا تم (یعنی قریش) محمد سے ابن حضرمی کے خون کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے اور وہ تمہارا حلیف تھا۔ اس لیے تم اس کا خونبہا ادا کر دو کہ سب لوگ واپس چلے جائیں) عتبہ نے یہ تجویز پسند کی لیکن ابوجہل نہ مانا۔ اور عمرو حضرمی کے بھائی عامر حضرمی کو بلا کر کہا کہ خون کا بدلہ سامنے کھڑا ہے۔ کھڑے ہو کر قوم سے دہائی کرو۔ دُہائی کے بعد آغاز جنگ کے وقت سب سے پہلے جو شخص میدان جنگ میں نکلا وہ یہی عامر حضرمی تھا —— حکیم بن حزام۔ عامر حضرمی اور عُتبہ و ابوجہل اگر غزوۂ بدر کو حضرمی کے خون کا انتقام سمجھتے تھے اور سمجھتے رہے تو پھر ان کے مقابلے میں اَوروں کا (جو سیکڑوں برس بعد پیدا ہوئے) یہ سمجھنا کہ بدر کی لڑائی کا سبب دوسرا تھا (قافلۂ تجارت کا حملہ سے بچانا وغیرہ) کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

● اسی موسم میں قریش کا جو کاروانِ تجارت ابوسفیان کی سرداری میں شام کو بھیجا گیا تھا اُس پر مکہ کی پوری آبادی نے اپنی اپنی پونجی لگا دی تھی اور تجارت ہی کے منافع پر جنگ کا سارا دار و مدار تھا اس لیے قافلہ کی واپسی کا قریش بڑی شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ ابھی شام سے واپسی کے لیے یہ قافلہ روانہ بھی نہ ہوا تھا کہ (رجب ۲ھ میں) حضرمی کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آ گیا۔ حالانکہ شام کو جاتے وقت جب اس قافلہ کا گزر مدینہ کے اطراف

سے ہوا تو کوئی حملہ نہ ہوا تھا۔ مگر جب واپسی کا ارادہ کیا تو ابوسفیان نے دیکھا کہ ساتھ میں پچاس ہزار اشرفی کا مال ہے اور محافظ صرف تیس چالیس۔ اس لیے سابق اندیشوں کی بنا پر اُس نے اپنی قیاس آرائی پر شعبان ۲ھ میں ضمضم ناقہ سوار کو مکہ دوڑایا کہ یہ خبر دے دو کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اس لیے مدد کرو۔ اُدھر قریش تو پہلے سے بھرے بیٹھے تھے۔ جب یہ افواہ پہنچی تو اس نے بارود میں چنگاری کا کام کیا۔ شعلہ بھڑک اُٹھا۔ جو مطلب تجارتی مال و زر سے قافلہ پہنچنے پر نکلتا وہ اس بہانہ سے نکل آیا۔ قریش نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور مدینہ میں یہ مشہور ہوا کہ قریش ایک جمعیت عظیم لے کر مدینہ آ رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے مدافعت کا قصد کیا۔ آپؐ کے جاسوسوں نے اس بات کی بھی خبر دی ہو گی کہ شام سے ابو سفیان بھی تجارتی قافلہ لے کر واپس آ رہا ہے۔ حضرمی کا قتل خود ہی پہلے سے آپؐ کے لیے پریشان کن مسئلہ بنا ہوا تھا؛

- سورۂ انفال کے نَصّ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو خوف و اضطراب اور پہلوتہی کس بنا پر تھی؛ اس سے پہلے بارہا قافلۂ قریش پر حملہ کرنے کے لیے دستوں کی شکل میں تھوڑے تھوڑے آدمی بھیج دیے جاتے تھے لیکن کبھی ان کو خطر نہیں پہنچا تھا۔ اِس دفعہ اسی قافلہ کا اتنا ڈر ہے کہ تین سو چیدہ اور منتخب فوج ہے اور پھر لوگ ڈر کے مارے سہمے جاتے ہیں۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ	اور مومنوں میں سے ایک گروہ کو یہ سخت ناگوار تھا وہ اس حق کے معاملہ میں تجھ سے جھگڑ رہے تھے حالانکہ وہ صاف صاف ظاہر ہو چکا تھا۔ اُن کا حال یہ تھا کہ وہ گویا آنکھوں دیکھتے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اور یاد کرو وہ موقع جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مقابلہ میں مل جائے گا۔ تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمہیں مقابلہ میں ملے مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے

يُحِقَّ الْحَقَّ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝	اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق حق ہو کر رہے
لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ	اور باطل باطل ہو کر رہ جائے چاہے یہ بات
الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (الانفال: ۵ - ۸)	مجرموں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

پھر اسی سورۃ میں کفارِ قریش جو مکّہ سے لڑنے کے لیے بدر میں آئے اُن کی نسبت یہ ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا	اور ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو اپنے گھروں سے
مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ	مغرورانہ نمائشی اور خدا کی راہ سے روکتے
وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانفال: ۴۷)	ہوئے نکلے۔

اگر قریش صرف قافلۂ تجارت کو بچانے کے لیے نکلتے تو خدا یہ کیوں کہتا کہ وہ اظہارِ شان اور دکھاوے کے لیے خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے؛ لیکن درحقیقت وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلے تھے جس سے مقصود اپنے زور اور قوت کا اعلان و نمائش اور اسلام کی ترقی کا انسداد تھا۔ اس لیے خدا نے اس کو غرور و نمائش اور "صد عن سبیل اللہ" کہا — ابوسفیان کا قافلہ بھی چلا آرہا ہے۔ اس لیے لوگ مدینہ سے نکلتے ہوئے کسمسا رہے تھے۔ ان کو یہی نقشہ نظر آرہا تھا کہ اتنی کم تعداد اور بے سروسامانی کے ساتھ گویا وہ موت کے منہ میں بھیجے جا رہے ہیں!

واقعات رسول اللہ ؐ نے بھی عزم فرمالیا کہ جو قوت بھی اس وقت میسّر ہے اُسے لے کر نکل پڑیں۔ آپؐ نے اس سے پہلے قریش کے قافلوں پر حملہ کرنے کے لیے جس قدر سرایا بھیجے تھے اُن میں کبھی کسی انصاری کو نہیں بھیجا تھا۔ اس موقع پر مشورہ کے لیے آپؐ نے مہاجرین کے ساتھ انصار کو بھی جمع کیا۔ اور ان کے سامنے پوزیشن صاف صاف رکھ دی کہ شمال کی طرف سے تجارتی قافلہ آرہا ہے اور جنوب کی طرف سے قریش کا لشکر (دیکھیے نقشہ نمبر ب اور ج)؛ تقریروں کے بعد یہ فیصلہ ہوگیا کہ مقابلہ پر چلنا ہے۔ چونکہ شام سے مکّہ کو جانے کا کاروانی راستہ بدر کی گھاٹی سے ہو کر گزرتا ہے اور مدینہ کا راستہ بھی اسی جنکشن کے قریب ملتا ہے۔ (دیکھیے نقشہ نمبر ب) اس لیے جنوب مغرب کی سمت بدر کی طرف ۱۲ رمضان ۲ھ کو آنحضرتؐ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ نکل پڑے۔

فوج کی تعداد کل ۳۱۲ تھی جن میں ۶۰ مہاجرین باقی انصار تھے (محمد احمد باشمیل کے

مطابق ۳۱۷ جن میں مہاجرین ۸۶ باقی انصار) گھوڑے صرف دو تین تھے۔ سامان جنگ بالکل ناکافی تھا یہاں تک کہ صرف چھ زرہیں تھیں۔ مدینہ سے بدر کا فاصلہ آج ۱۵۲ کلو میٹر (۸۰ میل کے قریب) ہے محمد احمد باشمیل کے مطابق مدینہ سے بدر کی مسافت قافلہ والی راہ سے جس پر رسول اللہ ﷺ چلے تھے۔ تقریباً ۱۶۰ میل تھی۔ سواری کے لیے اونٹوں کی تعداد صرف ۷۰ تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ ایک اونٹ تین چار اشخاص کے لیے تھا جس پر باری باری سے سوار ہو سکتے تھے۔ چلتے وقت رسول کریم ﷺ نے حکم دے دیا تھا کہ اونٹوں کے گلے سے گھنٹیاں علیحدہ
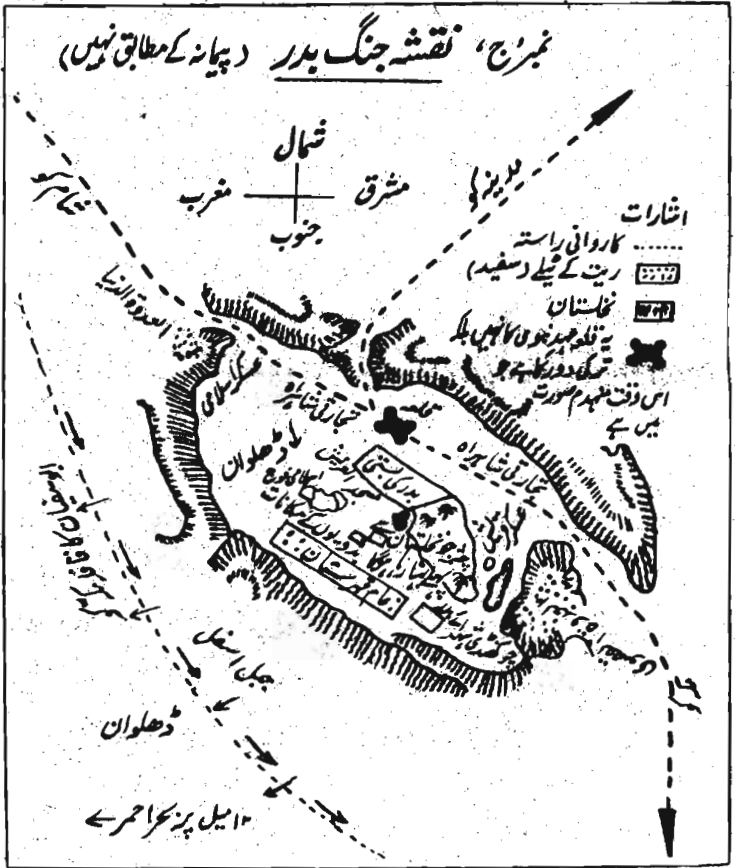
کر دی جائیں کیونکہ اندیشہ تھا کہ فوج کی حرکت دشمنوں کو گھنٹیوں کی آواز سے معلوم ہو جائے گی۔
دو (سانڈنی سوار) آگے روانہ کر دیے گئے کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائیں۔ عہد نبوی اور اس سے پہلے مکہ۔ مدینہ اور بدر کے راستوں کے منازل جدا گانہ تھے (موجودہ نقشوں میں یہ مقامات مشکل سے ملیں گے) منصرف، ذات اجذال، معلاۃ اور اثیل (مدینہ سے بدر کی راہ کے منازل) سے گزرتے ہوئے ۱۶ رمضان ۲ھ کو بدر کے قریب پہنچے تو مخبروں نے خبر دی کہ ابوسفیان کا قافلہ اب جنکشن پر آنے ہی والا ہے۔ اور لشکرِ قریش جنوبی وادی کے سرے پر پہنچ آیا ہے ــــ بلکہ "رسولِ کریمؐ نے خود مشرکین کے لشکر کو العُدوۃ القصویٰ سے بدر کی طرف اترتے ہوئے دیکھا" (محمد احمد باشمیل) لہٰذا آنحضرتؐ شامی داخلہ کے پاس ہی پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ (دیکھیے نقشہ نمبر ج) تاکہ قافلہ قریش کے لشکر سے نہ ملنے پائے۔ میدانِ بدر میں داخلے تین سمت سے تھے اور یہی تین وادیاں تھیں ــــ ایک مدینہ کی طرف سے جس سے آنحضرتؐ داخل ہوئے۔ دو وادیاں۔ ایک شام کی طرف سے اور دوسری مکہ کی جانب سے داخلہ والی وادی۔ مدینہ و شام والی وادیوں کا فاصلہ تقریبًا ایک میل تھا اس لیے رسولِ کریمؐ اپنے جان نثاروں کو لے کر شامی داخلہ کے قریب ٹھہر گئے۔ جبکہ مکہ والا داخلہ تقریبًا چار میل دور تھا۔

اِسی اثناء میں بدر کے چشمے کے پاس مشرکین کے دو غلام پانی پیتے پائے گئے جنھیں نبویؐ لشکر کے پاس لے جایا گیا۔ رسولِ کریمؐ نے غلاموں سے مکہ کے لشکر کا مقام دریافت کیا تو دونوں نے بتایا کہ "وہ اس پہاڑی کے پیچھے ہیں جو عُدوۃ القصویٰ کے پاس ہے۔"

پھر پوچھا: "قوم کتنی بڑی ہے؟" دونوں نے جواب دیا: "بہت ہی زیادہ۔" پھر دریافت کیا: "ان کا شمار کیا ہوگا؟" جواب دیا: "ہم نہیں جانتے۔" پھر رسولِ کریمؐ نے پوچھا "ہر روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟" جواب دیا: "کسی دن ۹ کسی دن ۱۰" تو رسول کریمؐ نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ "قوم ۹ سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے!"

پھر غلاموں سے دریافت کیا کہ "اشرافِ مکہ اور اُن کے سربراہوں میں سے کون کون لشکر میں آئے ہیں؟" جواب دیا کہ: "عتبہ بن ربیعہ، شیبہ اُن کے بھائی، ابو جہل بن ہشام، ابوالبختری بن ہشام، اُمیہ بن خلف، عباس بن عبد المطلب، سہیل بن عمرو، نبیہ و منبہ، الحجاج کے

بیٹے وغیرہ یہی اشرافِ مکہ آئے ہیں۔"

اس طرح رسولِ کریمؐ نے دشمن کی فوجی قوت اور اس کی ضخامت کا اندازہ کر لیا اور اپنے لشکر کی طرف متوجہ ہو کر کہا:"

هٰذِهٖ مَكَّةُ قَدْ اَلْقَتْ اِلَيْكُمْ اَفْلَاذَ كَبِدِهَا"	یہ مکہ ہے جس نے تمہاری طرف اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ڈال دیا ہے"

اُدھر شام سے آنے والے قافلہ کو بدر کے جنکشن پر پہنچنے سے بیشتر ہی روک کر ابوسفیان ٹوہ لینے نکلتا ہے اور آنحضرتؐ کے سانڈنی سوار کے اونٹ کے نقشِ قدم پر چلا۔ تازہ مینگنیاں دیکھ لیں اور چوکنا ہو کر قافلے کے پاس بھاگا۔ اور عام تجارتی شاہراہ کو چھوڑ کر بدر کی گھاٹی کے مغربی ڈھلوانی پہلو (جبل اسفل سے مغرب) کی طرف مڑ جاتا ہے (دیکھیے نقشہ نمبر ج) جو بدر اور بحر احمر کے درمیان ہے اور ساحل کے قریب سے جلدی جلدی بغیر آرام لیے قافلہ کو مسلمانوں کی دسترس سے بچا کر صحیح سلامت مکہ پہونچ جاتا ہے مگر اس کے پہنچنے سے قبل ہی لشکرِ قریش مکہ سے نکل چکا تھا۔ اِن تینوں حرکت کرنے والوں کا ذکر قرآنِ کریم میں اِس طرح آیا ہے:

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ"	جبکہ تم مسلمان قریب والی وادی کے پاس تھے اور وہ لوگ یعنی قریش، دور والی وادی کے پاس تھے اور تیسرا فریق یعنی ابوسفیان کا قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا۔
(انفال: ۴۲)	

اس طرح گویا مقابلہ رسولِ کریمؐ کی مختصر فوج اور قریشِ مکہ کے عظیم الشان لشکر کے درمیان ہوگا۔ حالانکہ رسولِ کریمؐ مدینہ والے داخلہ کے پاس ابوسفیان کے قافلے سے پہلے پہنچ چکے تھے مگر وہ کترا کر نکل گیا۔ نہ رسولِ کریمؐ سے اس کا مقابلہ ہو سکا اور نہ وہ لشکرِ قریش کے ساتھ مل سکا۔ یہ ساری باتیں اپنے اپنے وقت سے واقع ہوئیں اگر یہ تینوں پارٹیاں پہلے سے طے شدہ پروگرام بنا کر بھی نکلتیں تو شاید ہی ایسے ٹھیک وقت پر پہونچ سکتیں، قرآنِ کریم میں اس واقعہ پر اللہ کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ	اور اگر کہیں پہلے سے تمہارے درمیان مقابلہ کی

فِي الْمِيْعَادِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۵ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ" (انفال: ۴۲)

قرارداد ہو چکی ہوتی تو ضرور وقت کی پابندی میں کسی نہ کسی فریق سے دیر سویر ہو جاتی۔ لیکن تم کو خدا نے اچانک ایک دوسرے سے بھڑا دیا تاکہ خدا کو جو کچھ کرنا منظور تھا اُسے پورا کر دکھائے: تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے روشن دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔

مکّہ سے قریش بڑے ساز و سامان کے ساتھ نکلے تھے۔ عُتبہ بن ربیعہ کی سپہ سالاری میں تقریباً ایک ہزار کی جمعیت تھی (محمد احمد باشمیل کے مطابق ۱۳۰۰) جن میں رؤسائے قریش سب شریک تھے۔ ابو لہب نہ آ سکا تھا اُس نے اپنا قائم مقام بھیج دیا تھا۔ رسد کا معقول انتظام تھا فوج میں سَو سواروں کا رسالہ تھا اور کئی سو اونٹ تھے۔ جنگی سپاہیوں میں سے چھ سَو زرہ پوش تھے۔ اِس موقعہ پر قریشِ مکّہ کو مدینہ کے یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے بھی اسلحۂ جنگ سے تعاون کیا تھا۔ لشکر قریش کے اسلحہ میں تیر و کمان، تلوار و ڈھال، برچھیاں و بھالے، گرز و خنجر، زرہ و سپر، سروں کا خود، چہروں کا خِلَم اور ہاتھوں کا دستانہ تھا۔ اعلانِ جنگ کے لیے نقارہ وطبل بھی تھا۔ اِس ڈیڑھ دو ماہ کی ساری تیاری (الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ " الانفال) کا مقصد یہ تھا کہ نہ صرف قافلہ کو بچا لائیں بلکہ حضرمی کے خون کا بدلہ بھی مل جائے اور آئے دن کے خطرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔ مدینہ سے مخالفت جو نئی نئی شروع ہوئی ہے اُسے کچل ڈالیں۔ اور اس نواح کے قبائل کو اِس حد تک مرعوب کر دیں کہ آئندہ کے لیے تجارتی شاہراہ بالکل محفوظ ہو جائے۔

چنانچہ بدر کے قریب پہنچ کر قریش کو معلوم بھی ہو گیا (ابو سفیان نے مکّہ پہنچ کر اطلاع بھیجی) کہ تجارتی قافلہ مع اپنے قیمتی سامان کے صحیح سلامت مسلمانوں کی زد سے نکل کر مکّہ پہنچ گیا ہے۔ ابو جہل جیسے سرداروں نے یہی فیصلہ کیا کہ چڑھائی ہو چکی ہے اب پلٹ جانا ناممکن ہے! اور میدانِ جنگ کی طرف بڑھے۔ آنحضرتؐ کے ہمراہی تجربہ کاروں نے بھی جو بدر کی جغرافیائی پوزیشن سے واقف تھے مشورہ دیا کہ جنوب سے آنے والے دشمن کے مقابلہ کے لیے

پڑاؤ کی جگہ کو بدلنا ہوگا۔

میدانِ جنگ (دیکھیے نقشہ نمبر ۲) بدر گاؤں کا نام چشمۂ بدر کے نام پر پڑ گیا۔ یہ چشمہ زمین دوز ہے جس کا بہاؤ بستی سے جبلِ عریش کے دامن سے ہوتے ہوئے نخلستان کی طرف ہے۔ بدر کا میدان تقریباً ۵½ میل لمبا اور ۴ میل چوڑا ہے۔ اطراف میں بلند پہاڑ ہیں۔ مکہ، شام اور مدینہ جانے والے راستے یہیں ملتے ہیں۔ یہ میدان سنگلاخ یا ریتیلا ہے مگر جنوب مغربی حصّہ کی زمین نرم ہے (بدر کو اب تک موٹر نہیں جا سکتی ہے کیونکہ راستہ میں متعدد بلند گھاٹیاں ہیں اور بہت نرم ریت ملتی ہے) جنگِ بدر سے پچھلی رات بارش ہوگئی تھی تو یہ مقام جہاں قریش کا پڑاؤ تھا دلدل بن گیا (اب وہیں سرسبز نخلستان ہے) اطراف کے پہاڑوں میں سے دو سفید ریت کے تودے نظر آتے ہیں۔ آج بھی ان سفید پہاڑوں میں سے ایک کو "العُدْوَةُ الدُّنْيَا" اور دوسرے کو "العُدْوَةُ القُصْوٰی" کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان جنوب مغرب میں جو بہت اونچا پہاڑ ہے اُسے اب "جبل اسفل" کہتے ہیں (اس کے پیچھے دس بارہ میل پر بحرِ احمر ہے) میدان کے بیچ میں بستی سے ملحق ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جس پر ایک عریش (یعنی چھوٹی جھونپڑی) بنائی گئی تھی (آج اس مقام پر ایک یادگار "مسجدِ عریش" کے نام سے موجود ہے) اُس عریش سے آنحضرتؐ میدانِ جنگ کو دیکھ سکتے رہے ہوں گے (آج کل باغوں، کھجوروں کے اونچے درختوں کی وجہ سے معرکہ کارزار نہیں نظر آتا) اسی میدان میں زمانۂ جاہلیت کا سالانہ ہفتہ بھر کا ایک بڑا میلہ بھی لگا کرتا تھا۔

غالباً آنحضرتؐ نے اَلعُدْوَةُ الدُّنْيَا سے آگے بڑھ کر جبلِ عریش کے قرب و جوار میں چشمہ کے کنارے دوسرا پڑاؤ ڈالا۔ دشمن کا پڑاؤ اُسی چشمہ کی طرف "العُدْوَةُ القُصْوٰی" کے پاس تھا۔

فوجی ترتیب بہتر صف بندی کے بغیر عام حالتوں میں مقابلہ زیادہ دیر تک نہیں جاری رہ سکتا۔ امام ترمذی کے مطابق اسلامی فوج کی تقسیم لڑائی سے پہلے کی رات ہی کو عمل میں آ چکی تھی۔ واقدی اور طبری نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی فوج ۳ مستقل جماعتوں پر مشتمل تھی ـــ مہاجرین، اوس اور خزرج ـــ اور ہر ایک کا جھنڈا رکھی الگ تھا۔

لڑائی کے دن (۱۷ رمضان ۲ھ) سویرے ہی آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو اصولِ جنگ کے مطابق قطاروں میں تقسیم کیا اور جنگ سے پہلے صف بندی کا تنقیدی جائزہ لیا۔ آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ کوئی سپاہی ذرا بھی آگے پیچھے نظر آتا تو آپ اسے فوراً درست کرتے۔ اس صف بندی کے بعد آپؐ نے فوج کے مختلف حصوں پر افسر مقرر کیے۔ واقدی کے مطابق میمنہ پر حضرت ابوبکرؓ تھے۔ ساقہ (یعنی پیچھے) کے اہم دستہ پر قیس المازنی (انصاری) کو مامور کیا گیا تھا (طبری) صف بندی کے بعد آنحضرتؐ نے سپاہیوں کو چند اہم ہدایات دیں کہ مسلمان اس صف بندی کو نہ توڑیں۔ اور اُس وقت تک لڑائی کا آغاز نہ کریں جب تک آنحضرتؐ اجازت نہ دیں۔ دشمن دور رہو تو تیر چلا کر ضائع نہ کریں۔ زد پر آئے تو تیر چلائیں۔ اور بھی قریب آئے تو پتھروں سے ماریں (پتھر اسلامی کیمپ کے پاس ٹیلا اور پلیٹو پر کافی مقدار میں تھے) اس سے بھی نزدیک ہو جائے تو نیزوں سے روکیں اور سب سے آخر میں تلواریں کھینچیں۔ سپاہیوں کے پاس کوئی امتیازی وردی نہ تھی۔ اس لیے "یَا مَنْصُورُ اَمِتْ" کا جملہ ان کا شعار (کوڈ) (WATCH WORD) مقرر کیا گیا تاکہ دوست دشمن کی تمیز ہو سکے۔

محدثین اور مورخین کا بیان تو یہاں تک ہے کہ بدر میں قیام کے ساتھ ہی آنحضرتؐ نے اپنے ممتاز افسروں کے ساتھ پھر کر میدانِ جنگ کا معائنہ کیا اور جگہ جگہ بتاتے گئے کہ دشمن کا فلاں افسر فلاں جگہ ہو سکتا ہے اور اس کے مرکر گرنے کی فلاں جگہ ہے۔ سپہ سالارِ اعظم کا انتہائی خطرہ کے موقع پر یہ اطمینان اور یہ ایقان ماتحت افسروں اور اُن کے ذریعہ پوری فوج میں جو خود اعتمادی اور جوش و ولولہ پیدا کر سکتا ہے ظاہر ہے، اور ساتھ ہی دشمن کی صلاحیتوں کا پیش اندازہ کتنا ضروری اور مفید معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اسی جنگِ بدر کے موقع پر ایک اہم حربی ہدایت یہ آئی کہ " وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ" (انگلیوں کے جوڑوں پر مارو) ظاہر ہے کہ دشمن کو لڑائی کے لیے ناقابل کر دینے اور ساتھ ہی خونریزی کو حتی الامکان گھٹانے کی اس سے بہتر ہدایت کسی دست بدست لڑائی کے لیے نہیں دی جا سکتی۔

لڑائی اُسی جگہ ہوئی جہاں اب قبرستان واقع ہے۔ رضاکار عورتیں بھی مقرر تھیں جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں۔ اپنی صف بندی مکمل کر کے انتظام کی طرف سے مطمئن ہو کر آنحضرتؐ

اُسی ٹیلے پر چڑھ گئے جہاں آپؐ کے لیے عریش (جھونپڑی) تیار کی گئی تھی اور میدانِ جنگ صاف نظر آتا تھا (عَلیٰ تلٍّ مشرفٍ علیٰ المعرکۃ) (جھونپڑی — غالباً دھوپ اور تیروں کی بوچھاڑ سے بچاؤ کی خاطر) یہاں چند تیز رفتار سانڈنیاں بھی متعین کی گئی تھیں (ابن ہشام) تاکہ فوج کو ہدایات بہم پہنچانے میں آسانی ہو یا مدینہ کی راہ پکڑنے میں بروقت سہولت ہو۔ طبری کے مطابق عریش پر ایک محافظ دستہ کا پہرہ بھی تھا۔ رسولِ کریمؐ نے اس موقعہ پر نہایت عاجزی کے ساتھ خدا سے دعا فرمائی۔ "اب تیری وہ مدد آجائے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ اے اللہ اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کہیں نہ ہوگی"۔

اِس معرکہ میں سب سے زیادہ سخت امتحان مہاجرینِ مکہ کا تھا جن کے اپنے بھائی بند سامنے صف آرا تھے اور تلوار کی زد میں آ رہے تھے۔ انصار کا امتحان بھی کم سخت نہ تھا کیونکہ اب تو وہ کھل کر اسلام کی اعانت میں جنگ کرنے کے لیے نکل آئے تھے۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ انہوں نے اپنی بستی مدینہ کے خلاف سارے عرب کو دشمن بنا لیا تھا۔ حالانکہ مدینہ کی آبادی چند ایک ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ اِس امتحان میں پختہ ایمان والے ہی ٹھہر سکتے تھے۔

دشمن کی تنظیم کا زیادہ پتہ نہیں ملتا۔ واقدی کے مطابق ان کا میمنہ و میسرہ دو حصّے تھے اور فوج میں ۳ جھنڈے تھے۔ انہوں نے پیش قدمی کر کے ایک خاص مقام پر توقف کیا (نقشہ نمبر ج دیکھیے) پھر اپنے زمانہ کے جنگی رواج کے مطابق مبارزہ کیا (یعنی انکا ایک بہادر صفوں سے آگے بڑھا اور دعوت دی کہ مسلمانوں کا بھی ایک پہلوان آگے بڑھے اور دونوں تنہا لڑیں) قریش میں یہ کمزوریاں تھیں کہ اول تو ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اُن کی فوج میں کوئی ترتیب و صف بندی نہ تھی۔ وہ اس قدر مرعوب ہوگئے تھے کہ اسلامی فوج کا تخمینہ غلط کر رہے تھے (یا غیبی امداد سے تعداد زیادہ دکھائی دے رہی تھی)

یَرَوْنَھُمْ مِّثْلَیْھِمْ رَأْیَ الْعَیْنِ"	وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے آپ سے
(آل عمران: ۱۳)	دوگنا دیکھ رہے تھے۔

دوسری طرف پچھلی رات بارش ہو جانے کی وجہ سے بالائی حصّہ میں جہاں مسلم کیمپ تھا پانی کے ذخیروں کے علاوہ (جن کو وضو و غسل کے لیے استعمال کر سکتے تھے) ریت جم گئی جس سے

زمین سخت ہو جانے سے قدم جمنے اور نقل و حرکت میں آسانی پیدا ہوگئی۔ برخلاف اس کے نشیبی حصہ میں جہاں قریش کا کیمپ تھا کیچڑ ہوگئی اور پاؤں دھنسنے لگے۔ بارش ہو جانے سے بالائی حصہ والے رات کو اطمینان سے سوئے اور صبح کے وقت تازہ دم تھے۔ برخلاف اس کے نشیبی حصہ والے رات بھر بے اطمینانی کی وجہ سے سو بھی نہ سکے اور صبح تھکے ہوئے اور سُست تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی شروع ہوتے ہی قریش کے پیر اُکھڑنے لگے۔ بالآخر ان کا ایک عام حملہ ہوا تب رسول کریم ؐ نے تیروں کی بارش کا حکم دیدیا اُن تیروں نے سواروں کو گھوڑوں سے اُتار پھینکا۔ کتنے گھوڑے مڑ کر بھاگے اور پیادہ فوجوں کی صفوں کو توڑ دیا۔ غرضکہ وہ ایسے بدحواس، ہراساں اور منتشر و سراسیمہ ہو کر بھاگے کہ اپنی ہی کمندیں طوقِ گردن بنی ہوئی تھیں۔ بھاگنے والے بوجل ہو کر اپنے جھلم، خود، زرہیں اور دیگر ہتھیار پھینکتے جاتے تھے جنہیں مسلمان سپاہی اٹھاتے جاتے تھے اور باطل کی جمعیت کا شیرازہ بُری طرح بکھر گیا!

نتائج مسلمانوں کو خدا نے کامیابی عطا فرمائی اور قریش ہار گئے حالانکہ مقابلہ ۱:۳ کا تھا!

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ	ان دو مخالف گروہوں میں تمہارے سمجھنے کے لیے نشانی ہے جو ایک دوسرے سے بھڑ گئے۔ اُن میں سے ایک تو وہ تھا جو خدا کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا منکروں میں سے تھا۔
(آل عمران: ۱۳)	

خاتمۂ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف ۱۴ اشخاص نے شہادت پائی (۶ مہاجر اور ۸ انصار) (دیکھیے نقشہ نمبر ۶ میں ان شہدائے بدر کی چوکھنڈی) قریش کے قریب ۷۰ آدمی مارے گئے اور اتنے ہی قید ہوئے (ابن ہشام) مارے جانے والوں میں اُن کے قبائل کے بڑے بڑے سردار اور اسلام کی مخالفت پر اُبھارنے والے نامور تقریباً سب ختم ہو گئے۔ مثلاً شیبہ، عُتبہ، ابوجہل، اُمیّہ وغیرہ۔ ان کی موت نے قریش کی کمر توڑ دی۔ اور تحریک اسلامی کی جڑ مضبوط کر دی۔ قرب و جوار کے علاقوں پر مسلمانوں کی دھاک جم گئی اور مدینہ میں منافقین و یہود کو بھی کچھ ڈھیلا کر دیا۔ اُدھر مکہ میں شکست خوردہ مشرکین کی

واپسی پر کہرام مچ گیا۔ ہر گھر ایک ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ لیکن غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرادی کہ کوئی شخص رونے نہ پائے۔

- اپنے شہداء کو سپردِ خاک کرنے کے ساتھ ہی دشمن کی لاشوں کو بھی رسولِ کریمؐ نے پاس ہی کے ایک پرانے وسیع کنویں (قلیب) میں دفن کرا دیا۔ واپسی سے قبل آپؐ پہاڑی سے اترتے ہوئے اُس گڑھے (قلیب) کے قریب تشریف لے گئے جس میں روسائے قریش دفن کیے گئے تھے اور پھر اُن میں سے ایک ایک کا نام لے لے کر پکارا اور فرمایا:

هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ حَقًّا فَإِنِّيْ وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِيْ حَقًّا

(کیا تم نے اُس وعدے کو حق پایا جو خدا نے میرے ذریعہ تم سے کیا تھا؟ تحقیق میں نے تو اُس وعدے کو حق پا لیا ہے جو خدا نے مجھ سے کیا تھا۔

نیز فرمایا:-

يَا أَهْلَ الْقَلِيْبِ بِئْسَ عَشِيْرَةُ النَّبِيِّ كُنْتُمْ لِنَبِيِّكُمْ كَذَّبْتُمُوْنِيْ وَصَدَّقَنِي النَّاسُ وَأَخْرَجْتُمُوْنِيْ وَآوَانِي النَّاسُ وَقَاتَلْتُمُوْنِيْ وَنَصَرَنِي النَّاسُ (طبری)

(اے اہلِ قلیب تم اپنے نبی کے بہت بُرے رشتہ دار بنے۔ تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسروں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے میرے وطن سے نکالا اور دوسروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے میرے ساتھ قتال کیا اور دوسروں نے میری نُصرت کی)

فوراً دو تیز رفتار خوشخبری دینے والے مدینہ کے محلہ عالیہ اور سافلہ کی طرف روانہ کردیے تاکہ وہاں کے لوگ بھی لڑائی کے انجام سے واقف ہو جائیں۔ بدر کی جنگ میں جاتے وقت آنحضرتؐ اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کو چیچک میں مبتلا چھوڑ کر چلے گئے تھے (ان کے شوہر حضرت عثمانؓ بھی رہ گئے تھے) جس روز اور جہاں اُن کی تجہیز و تکفین ہو رہی تھی وہیں فتح کی خبر آئی۔

- قیدیوں کے ساتھ عام طور پر عمدہ سلوک کیا گیا۔ دو دو چار چار کرکے صحابہ میں تقسیم کردیے گئے۔ بہت سے لوگ فدیہ دے کر رہا ہو گئے۔ ایک ہتھیار فروش (نوفل بن حارث) سے ایک ہزار نیزے مانگے گئے۔ جو غریب تھے اور لکھنا پڑھنا جانتے تھے اس شرط پر رہا کر دیے گئے کہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ چند کو اس اقرار پر مفت بھی رہا کر دیا گیا کہ

شدہ مسلمانوں سے نہ لڑیں گے۔ اسی موقعہ پر غالباً آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی کو قتل بھی کرو تو اچھے طور سے کرو۔ یعنی زخمیوں کو قتل کرنے کی ممانعت کی گئی۔ اسی طرح عورتوں، بچوں اور لڑائی میں حصّہ نہ لینے والوں پر ہتھیار چلانے کی سخت ممانعت کی گئی۔

اس جنگ نے یہ ظاہر کر دیا کہ اِسلام اور کُفر میں دراصل جینے کا حق کسے ہے۔ اس اعتبار سے یہ پہلا معرکہ بہت عظیم الشان معرکہ شمار ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی سورۂ انفال میں اِس معرکہ پر تفصیلی تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی تحریک کے پیروؤں کی تربیت کس انداز پر ہوتی ہے۔

(ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب "عہد نبویؐ کے میدان جنگ" سے بھی استفادہ کیا گیا)

بنو قینقاع کے ساتھ جنگ

شوال ۲ھ

جنگ کے اسباب دوسری صدی عیسوی میں جب رومیوں نے یہودیوں سے شام و فلسطین کی نام نہاد حکومتیں چھین لیں تو مجبوراً یہ حدودِ شام سے ہٹے۔ دوسرے اطراف میں جانے کے علاوہ قلبِ حجاز میں بھی کچھ یہود آپہونچے۔ مدینہ کے مشرق میں مسلسل یہودی محلے تھے جو جنوباً شمالاً قُبا سے لے کر تقریباً اُحُد تک چلے گئے تھے۔

(دیکھیے نقشہ نمبر د) ان کے ۳ قبیلے تھے بنو قینقاع، بنو النضیر اور بنو قریظہ۔ عموماً یہ لوگ زمیندار، دولتمند، تجارت پیشہ اور صناع تھے۔ انصار (اوس اور خزرج قبیلے کے لوگ) ان کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے اور خود احساسِ کمتری میں مبتلا تھے۔ یہودیوں کو بھی زعم تھا کہ ہم علم و امارت میں ممتاز ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اُن کا اقتصادی رُعب بھی تھا۔ چونکہ یہودی ہی تنہا صاحبِ دولت تھے اس لیے نہایت بے رحمی سے سود کی بڑی شرحیں مقرر کرتے تھے اور قرضہ کی کفالت میں لوگوں کے بال بچے، یہاں تک کہ مستورات کو رہن رکھواتے تھے! (ممکن ہے اسی سلسلہ میں بئرِ رُومہ مع متعلقہ زمین کے یہودیوں کے قبضہ میں دبا ہو جسے رسول کریمؐ کے اشارہ پر حضرت عثمانؓ نے خرید کر وقف کر دیا تھا اور اس کے میٹھے پانی سے پینے کے علاوہ بڑی آبپاشی ہوتی تھی اور آج تک ہو رہی ہے) حرص و طمع کا یہ حال تھا کہ بعض اوقات معصوم بچوں کو دو چار روپے کے زیور کے لیے پتھر سے مار ڈالتے تھے۔ دولت کی بہتات سے زنا اور بدکاری عام تھی اور چونکہ زیادہ تر امراء اس کے مرتکب ہوتے تھے اس لیے

اُن کو سزا نہیں دے سکتے تھے۔

اِسلام مدینہ میں آیا تو یہود کو احساس ہوا کہ اب ان کا جابرانہ اور خود غرضانہ اقتدار قائم نہیں رہ سکتا۔ آنحضرت ؐ نے اگرچہ اُن سے مُعاہدہ کیا تھا کہ اُن کے جان و مال سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا اور ان کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ لیکن ذمائم اخلاق پر وعظ و تذکیر آپ کا فرضِ نبوت تھا۔ قرآنِ کریم میں یہود کے عوام اور اُن کے اہلِ علم اور دیندار قسم کے لوگوں کے اخلاق و معاملات پر کھلی کھلی تنقیدیں نازل ہو رہی تھیں۔ جنہیں سن کر وہ چراغ پا ہو جاتے تھے۔ اور حقیقی خدا پرستی لوگوں پر عیاں ہو جاتی تھی۔ اِسلام جس قدر مدینہ میں پھیلتا جاتا تھا اُسی قدر یہودیوں کے مذہبی وَقار کو دھکا لگتا جاتا تھا۔ انصار کی معاشی و معاشرتی حالت جیسے جیسے سُدھرتی جاتی تھی وہ یہودیوں کے قرض کے شکنجوں سے آزاد ہوتے جاتے تھے۔ اِن اسباب نے تمام یہودیوں میں اِسلام کی طرف سے سخت ناراضی پھیلا دی تھی۔ اِس مقصد کو یہود ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے تھے کہ انصار باہم کبھی متحد نہ ہونے پائیں۔

ان یہودیوں نے اپنے لیے مضبوط بُرج اور قلعے بنا لیے تھے جو جنگی استحکامات کے علاوہ تجارتی گودام کا بھی فریضہ انجام دیتے تھے۔ وہ اپنے پاس ہمیشہ اسلحہ، جنگ کے ذخیرے بھی مہیا رکھتے تھے۔ یہودیوں کے قلعوں کی طرف قرآنِ کریم نے اِس طرح اشارہ کیا ہے:

لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ" (الحشر: ۱۴)	وہ قلعہ بند آبادیاں یا دُھس کی آڑ میں چھپے بغیر یوں مل کر تم سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ان ہی چند قلعوں کے برتے پر وہ اسلام کی قوت کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے تھے چنانچہ آنحضرت ؐ کو متعدد لڑائیاں اُن کی شرارت کی وجہ سے لڑنی پڑیں۔

بنو قینقاع مُدینہ میں اسلامی آبادی کے اندر ہی رہا کرتے تھے۔ آج کل اُن کی بستی کا نام و نشان بھی نہیں۔ محض میدان ہے ممکن ہے قُبا اور دیارِ بنی النَّضیر کے بیچ میں کہیں یا دیارِ بنی قریظہ اور دیارِ بنی حارثہ کے بیچ میں کہیں رہا ہو (دیکھیے نقشہ نمبر 'د') یہ لوگ زرگری یا سوناری کا کام کرتے تھے (اور سوناروں کو بستی ہی سے واسطہ بھی پڑتا ہے)

یہاں تک کہ اُن کے نام پر بازار بنی قینقاع معروف ہو گیا تھا۔ یہی وہ بازار تھا جہاں ہجرت کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ (جنہوں نے اپنے انصاری بھائی سعدؓ سے ایک چیز بھی نہ لینا پسند کیا تھا) بھیج دیے گئے۔ اور دن بھر کے غور و فکر کے بعد انہوں نے گھی اور پنیر سے تجارت شروع کی اور خاطر خواہ ترقی کی۔ جب مسلمان رسولِ کریمؐ کے ہمراہ بدر کی مہم پر روانہ ہو گئے تھے اُن ہی دنوں کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان عورت بنو قینقاع کے محلہ میں دودھ یا سبزی بیچنے گئی۔ چند یہودیوں نے اُسے سر بازار برہنہ کر دیا۔ عورت کی چیخ و پکار سُن کر ایک مسلمان (غالباً اس کے شوہر) نے بے تاب ہو کر فساد انگیز یہودی کو قتل کر دیا۔ اس پر سب یہودی جمع ہو گئے اور اُس مسلمان کو بھی مار ڈالا۔ اور بلوہ بھی کیا۔

رسولِ کریمؐ نے بدر سے واپس ہو کر (شوال ۲ھ) اِس بلوہ کے متعلق دریافت کرنے کے لیے یہودیوں کو بلوایا کہ اس معاملہ کو رفع دفع کرا دیا جائے۔ اور یہ کہا کہ "خدا سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے؟" (اور جنگ بدر میں تو بنو قریظہ کے یہودی، مشرکین مکہ کی کھلم کھلا اسلحۂ جنگ سے اعانت بھی کر چکے تھے)۔ لیکن بدر کی فتح نے یہود کے کان کھڑے کر دیے تھے اور وہ زیادہ اندیشہ ناک ہو گئے تھے! چنانچہ انہوں نے معاہدہ کا کاغذ واپس بھیج دیا اور چیلنج کے طور پر مزید کہلا بھیجا کہ "بیچارے مکہ کے قریش لڑنا کیا جانیں؟ ہم قریش نہیں جو بدر میں منہ پھیر کر چلے گئے۔ مسلمانوں کو ہمارے قلعوں سے مقابلہ پڑے تو معلوم ہو کہ لڑائی اسے کہتے ہیں!"

واقعات

اس طرح جب یہود کی طرف سے معاہدے کی پروا کیے بغیر لڑائی کا اعلان ہوا تو رسولِ کریمؐ نے لڑائی کی تیاری کی۔ یہود قلعہ بند ہو گئے۔ بنو قریظہ اور بنو النضیر نے قینقاع کی کوئی مدد نہ کی (اس لیے کہ قینقاع ہمیشہ اِن دونوں کے خلاف رہے)۔ رسولِ کریمؐ نے اسلامی محلوں میں حضرت ابو لبابہؓ بن عبدالمنذر کو نائب چھوڑ کر بنو قینقاع کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ ۱۵ روز کے محاصرے کے بعد (اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کا قلعہ کافی پائدار تھا جہاں رسد وغیرہ کا کافی انتظام رہا ہو گا جو ۱۵ دن تک محاصرہ کرنا پڑا) بالآخر یہود ہار گئے اور عہد شکنی پر جو سزا بھی رسولِ کریمؐ دیں، بھگتنے کے لیے تیار تھے۔ مگر ان کے حلیف

عبداللہ بن اُبی (منافق) نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ ان کو اور کچھ نہ کہا جائے۔ صرف جلاوطن کر دیا جائے۔ چونکہ اُن کی شرارت اب بغاوت تک پہونچ گئی تھی اس لیے یہی سزا مناسب دکھائی دی اور سات سو (۷۰۰) یہودی جلاوطن ہو کر شام کی طرف چلے گئے۔

اِس اخراج کی نگرانی کے لیے آنحضرتؐ نے ایک خاص افسر (حضرت عبادہؓ بن صامت) بھی مقرر فرمایا تھا (طبری) اور یہ کام آپ نے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا!

غزوہ سویق

ذوالحجہ ۲ھ

کعب بن اشرف ایک بے باک شاعر تھا۔ اس کا باپ (اشرف) عرب کے قبیلہ طے سے تھا اور ماں بنوالنضیر کے ایک بہت بڑے تاجر یہودی کی لڑکی تھی۔ رفتہ رفتہ شاعری اور دولتمندی کی وجہ سے تمام یہودیان عرب کا رئیس بن گیا تھا۔ ننھیال (بنوالنضیر کے محلہ) سے ملحق ایک ٹیلہ پر اُس کا قصر (قلعہ) تھا (دیکھیے نقشہ نمبر 'د') اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ اُدھر بدر کی لڑائی میں سرداران قریش مارے جانے سے اسے نہایت صدمہ ہوا۔ بنو قریظہ نے محمدؐ کے خلاف جنگ بدر میں مکہ کی اسلحہ سے مدد کی تھی۔ شکست کے بعد تعزیت کے لیے کعب بن اشرف چالیس سواروں کے ساتھ مکہ گیا۔ کشتگانِ بدر کے پُر درد مرثیے (جن میں انتقام کی ترغیب تھی) لوگوں کو جمع کر کے نہایت درد سے پڑھتا اور روتا رلاتا تھا۔ اُس نے مکہ والوں کو خانہ کعبہ کے صحن میں لے جاکر (۳۶۰ بتوں کے روبرو) کعبہ کے پردے اُن کے ہاتھ میں دے کر قسمیں لیں کہ جب تک اسلام اور بانیِ اسلام کو صفحۂ دنیا سے مٹا نہ دیں گے اُس وقت تک چین نہ لیں گے۔ مکہ میں یہ آتش فشاں پیدا کر کے اس بدبخت نے دوسرے قبائلِ عرب کا رُخ کیا اور قوم بقوم پھر کر مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا (فتح الباری و زرقانی)

بدر کے بعد ابوسفیان (رسول کریمؐ کا رضاعی بھائی) قریش کا قائد بنا (یہ عمائدِ قریش میں سے تھا اور اس کے گھر میں قوم کا نشانِ جنگ یعنی جھنڈا رکھا رہتا تھا) اُس نے بھی قسم کھائی تھی کہ جب تک مقتولانِ بدر کا انتقام نہ لے لوں گا اپنے بالوں میں نہ تیل ڈالوں گا نہ اپنی بیوی کے پاس جاؤں گا۔ چنانچہ ذوالحجہ ۲ھ میں دو سو مسلح شتر سواروں

کے ساتھ مکّہ سے نکل کر غیر معروف راستوں پر چلتا ہوا مدینہ کے قریب پہنچا۔ غالباً ذوالحُلَیفہ پار کرکے جبلِ عیر کے دامن میں (دیکھیے نقشہ نمبر د) اپنے سواروں کو ٹھہرایا۔ چونکہ یہودیوں سے مدد و موافقت کی اُمید تھی اس لیے خود رات کی تاریکی میں جبلِ عیر کے دامن سے دیارِ بنی النضیر کی طرف بڑھا۔ پہلے بنی النضیر کے رئیسِ اعظم حیّ بن اخطب کے پاس گیا لیکن وہاں دروازہ نہ کھُلا تو مایوس ہوکر بنو النضیر کے سردار سلام بن مشکم کے پاس پہنچا۔ ن کے زیرِ اہتمام اُن کا خزانہ (وہ مال و سرمایہ جسے وہ مصائب اور اتفاقی ضرورتوں کے لیے جمع رکھتے تھے) رہتا تھا۔ اُس نے بڑے جوش سے استقبال کیا۔ چنانچہ اُسی کے مکان میں شب باش ہوا۔ اس طرح ابن مشکم نے آنحضرتؐ سے معاہدۂ امن کی خلاف ورزی تو کی ہی۔ ابوسفیان کے ساتھ تواضع سے پیش آنے کے علاوہ مسلمانوں کے حالات اور مدینہ کے پوشیدہ مواقع بھی بتادیے، غالباً دونوں کے مشورے سے یہ طے ہوا کہ مقابلہ کا بھی وقت نہیں ہے۔ اس لیے ابوسفیان وہاں سے آخر شب میں رخصت ہوا اور جبلِ عیر کے دامن میں واپس ہوکر اپنے سواروں سمیت وادی العقیق سے گزرتا ہوا شمال کی طرف مضافاتِ مدینہ میں (مدینہ سے ۳ میل کی دوری پر) بئرِ رُومہ کے قرب وجوار میں ایک چھوٹی سی بستی (عُریض کی چراگاہ) پر صبح صبح حملہ آور ہوا۔ یہاں چند جھونپڑے تھے اور پھل دار نخلستان کی ایک خوشنما وادی تھی جہاں مسلمانانِ مدینہ کے اکثر اونٹ چرا کرتے تھے۔ اتفاق سے اُس وقت مویشی تو موجود نہ تھے۔ صرف دو کاشتکار (ایک انصاری سعد بن عمرو اور ان کے حلیف) وہاں موجود تھے۔ سواروں نے اوّل تو ان دو بے گناہوں کو قتل کر دیا پھر کھجور کے درختوں کو آگ لگادی اور گھاس کے انبار اور چند جھونپڑے جلادیے۔ اس طرح گویا ابوسفیان نے اپنی قسم (مقتولانِ بدر کا انتقام) پوری کرلی! اور واپس مڑا۔

آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو مدینہ میں پھر حضرت ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کو نائب مقرر کیا اور دو سو مجاہدین کو لے کر آپؐ تعاقب میں نکلے۔ ابوسفیان کے پاس رَسَد کا سامان صرف 'سَوِیق' (ستو) تھا جسے گھبراہٹ میں پھینکتا گیا۔ ستو کی تھیلیوں کو مسلمان اٹھاتے گئے۔ اس 'سویق' کے نام پر یہ غزوہ 'غزوۂ سویق' کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ تعاقب میں رسولِ کریمؐ قرقرۃ الکدر' تک تشریف لے گئے تھے۔ اس غزوہ کا نام 'غزوۂ قرقرۃ الکدر' ہے۔ اُدھر ابوسفیان چلا گیا۔ اِدھر آنحضرتؐ لوٹ آئے۔

جنگِ اُحُد
سنیچر ۱۱؍ شوال ۳ھ

جنگ کے اسباب

بدر کی جنگ میں قریش کے جو آدمی مارے گئے تھے اُن میں اکثر و بیشتر افسر و سردار تھے، خصوصاً وہ ہستیاں (۱۴ میں سے ۱۱) تھیں جنہوں نے ہجرت کی رات محمدؐ کو قتل کرنے کا پلان دارالندوۃ میں تیار کیا تھا۔ اس بنا پر تمام مکہ جوشِ انتقام سے لبریز تھا۔ جنگِ بدر نے عرب کی اُن تمام طاقتوں کو چونکا دیا تھا جو اِس نئی تحریک سے عداوت رکھتی تھیں۔ یہود کے قبیلوں نے معاہدوں کا کوئی پاس و لحاظ نہ رکھا۔ ان کی ہمدردیاں ایک دم قریش و مشرکین کے ساتھ وابستہ ہوگئیں (جیسا کہ قینقاع اور سَویق کے واقعات سے بھی اندازہ ہوتا ہے) انہوں نے کھلّم کھلاّ مشرکوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے اُبھارنا شروع کر دیا خصوصاً بنوالنضیر کا سردار و شاعر کعب بن الاشرف اس معاملہ میں بڑا اہم پارٹ ادا کر رہا تھا۔ (جیسا کہ غزوۂ سویق کے حالات میں بیان ہوچکا ہے) قبائل کو ابھار کر جب مدینہ واپس آیا تو اُس نے آنحضرتؐ کی ہجو میں اشعار کہنا اور لوگوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ بدر سے پہلے بنو النّضیر کے حلیف عبداللہ بن اُبی کو لکھا تھا اُس میں ناکامی دیکھ کر قریش نے پھر بنوالنضیر بلکہ عام یہود کو لکھ بھیجا کہ تم لوگوں کے پاس اسلحۂ جنگ اور قلعے ہیں تم ہمارے حریف محمد سے لڑو ورنہ ہم خود آ کر تمہارا استیصال کردیں گے۔ اس پیغام نے ان کو اور زیادہ آمادہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ ایک بار کعب بن الاشرف نے آنحضرتؐ کو دعوت میں بلایا اور لوگوں کو متعین کر دیا کہ جب آپ تشریف لائیں تو دھوکہ سے آپؐ کو

ہلاک کردیں۔ سازش کے اِن حالات کے پیشِ نظر آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کر کے اپنی مرضی دیدی اور خزرجی محمد بن مسلمہؓ (کعب بن الاشرف کے رضاعی بھائی) نے کعب بن الاشرف کو ربیع الاول ۳ھ میں قتل کر دیا۔

قریش کو معرکۂ بدر سے مسلمانوں کی قوت و طاقت کا اندازہ ہوچکا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جنگِ بدر میں جس سامان سے وہ گئے تھے اُس سے اب کچھ زیادہ ہی درکار رہے۔ لہٰذا اس مرتبہ انہوں نے عام چندہ کیا اور آناً فاناً ڈھائی لاکھ درہم فراہم ہوگیا (سیرۃ شامی) قریش کا کاروانِ تجارت جو جنگِ بدر کے زمانہ میں نفع کثیر کے ساتھ شام سے صحیح سلامت مکہ واپس پہنچ گیا تھا اُس کا راس المال (CAPITAL) تو حصہ داروں کو تقسیم کر دیا گیا تھا لیکن زرِ منافع (PROFIT) (۵۰ ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹ) امانت کے طور پر محفوظ تھا تقسیم نہ ہوا تھا۔ اس نفع کو انتقامی جنگ پر صرف کرنے کے لیے سردارانِ قریش نے اپنی رضامندی ابو سفیان کو دیدی۔ اِس مرتبہ قریش کی ذاتی رضا کارانہ جمعیت کے ساتھ وہ جنگجو "احابیش" بھی شامل تھے جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے [اُحْبُوش کی جمع اَحابیش بمعنی قبیلے ــ چنانچہ کئی قبیلے مثلاً کنانہ قریش، خزیمہ، خزاعہ وغیرہ کے آدمی مکہ سے ۱۱ میل پر ایک پہاڑی 'جبلِ حُبیش' کے نیچے بیٹھے اور قسم کھائی تھی کہ ہم لوگ ہمیشہ متفق رہیں گے کبھی ایک دوسرے کی مخالفت نہ کریں گے اور ضرورت پر ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ دن ہو، رات ہو، صبح ہو یا شام بلکہ جب تک 'جبلِ حُبیش' قائم رہے ــ یہ احابیش زمانۂ جاہلیت میں قریش کے ساتھ اساف اور نائلہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور سوقِ عکاظ میں بھی ہر سال شرکت کرتے تھے ــــ ایک طرح کے حلیف قبائل تھے] اس کے علاوہ قریش نے عمرو بن العاص، عبداللہ بن الزبعری، ہبیرہ بن ابی وہب، مسافع بن عبد مناف اور ابو عزہ عمرو بن عبداللہ الجمحی کا وفد تمام قبائلِ عرب میں بھیجا۔ اِن لوگوں نے آتش بیانی سے دلوں میں آگ لگائی اور خطرے کی اہمیت نمایاں کر کے مدینہ پر حملہ کے لیے مدعو کیا۔ بہت سی عورتیں ایسی تھیں جن کی اولادیں جنگِ بدر میں قتل ہو چکی تھیں وہ جوشِ انتقام سے لبریز تھیں۔ غرض جب فوجیں تیار ہوئیں تو بڑے بڑے معزز گھرانوں کی عورتیں بھی فوج میں شامل ہوئیں ــــ ان اقدامات سے اتنی کامیابی ہوئی کہ سال بھر میں

۳ ہزار کی جمعیت تیار ہوگئی جس میں سات سو سپاہی زرہ پوش کے علاوہ دو سو مسلح رسالہ بھی تھا۔

حضرت عباسؓ (رسولِ کریمؐ کے چچا) گو اسلام لا چکے تھے لیکن اب تک مکہ ہی میں مقیم تھے یا قصداً ٹھہرائے گئے تھے۔ اس پوری تیاری کی اطلاع لکھ کر ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ انہوں نے رسولِ کریمؐ کے پاس بھیجی اور قاصد کو تاکید کر دی کہ دن اور رات برابر چلتا رہے تاکہ مدینہ تین ہی روز میں (بجائے دو ہفتہ کے) پہنچ جائے۔ خبر پا کر رسولِ کریمؐ نے پانچویں شوال ۳ھ کو دو خبر رساں (انسؓ و مونسؓ) مزید خبر لانے کے لیے مضافات میں بھیجے۔ قریشی لشکر کی سراغ رسانی کرتے ہوئے انہوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب بدھ ۸ شوال کو آ گیا اور مدینہ کی ایک چراگاہ (عُریض) کو ان کے گھوڑوں نے صاف کر دیا (دیکھیے نقشہ د) اس پر آپ نے پھر تجربہ کار اور ماہر جنگ حبابؓ بن المنذر کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں۔ انہوں نے آکر صحیح معلومات بہم پہنچائیں۔

۳ ہزار کے لشکر جرار کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی اطلاع پا کر مدینہ نے بھی اپنی مدافعت کی تیاری کی۔ چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا آنحضرتؐ نے فوراً ہر طرف کلیدی مقامات پر پہرے بٹھا کر جمعہ ۱۰ شوال کی صبح کو صحابہؓ سے مشورہ کیا۔

مضافاتِ مدینہ میں میدانِ اُحُد کی پوزیشن

مناسب ہوگا کہ مضافاتِ مدینہ کی جغرافیائی پوزیشن پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے تاکہ واقعات کے سمجھنے میں آسانی ہو اور میدانِ اُحُد کی وجہِ انتخاب بھی سمجھ میں آجائے۔ (دیکھیے نقشہ نمبر 'د')

اُحُد ایک سرخ پہاڑ ہے جو مدینہ سے شمال کی جانب تقریباً ۴ میل کی دوری پر شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ 'ثور' بھی ایک چھوٹا پہاڑ ہے جو جبلِ اُحُد سے بھی کچھ دور شمال میں واقع ہے۔ اور جبل عَیر (یا جبلِ عائر) مدینہ کے جنوب میں ایک بڑا پہاڑ ہے۔ جبلِ اُحُد کے دامن سے لے کر جبل عَیر کے دامن تک کا فاصلہ تقریباً ۸ میل ہے۔

عام تاریخوں اور کتبِ حدیث میں مدینہ کی چوحدی "مابین ثور و عَیر" (ثور اور عَیر کے

درمیان) اور" مابین لابتین" (دونوں لابہ کے درمیان) بیان کی گئی ہے۔ "لابۃ" اُن سنگستانوں کو کہتے ہیں جہاں آتش فشاں پہاڑوں سے نکلا ہوا لاوا (LAVA) سیاہ پتھروں کی صورت میں پھیلا ہوا ہو۔ اور 'حرّة' بغیر ریت والے اُس میدان کو کہتے ہیں جہاں کے پتھر لاوے سے جل کر سیاہ ہو گئے ہوں۔ ایسے سنگلاخ میدان شہر مدینہ کے مشرق اور مغرب دونوں طرف شمالاً جنوباً ملتے ہیں۔ ایک کو 'لابۃ شرقیہ' (حرّة واقم) اور دوسرے کو 'لابۃ غربیہ' (حرّة الوبرۃ) کہتے ہیں۔ (ان دونوں لابۃ کے درمیان تقریباً تین میل کا فاصلہ ہوگا) جنوب میں بھی اسی طرح کا حرّة ہے۔ اِس طرح مدینۃ النبیؐ کے میدان کے اطراف اونچے ہیں اور زیادہ تر متصل پہاڑیوں کے سلسلے ہیں جو بڑی دور تک چلے گئے ہیں۔ مدینہ کے جنوب میں بلند پہاڑیاں ہیں اور راستہ صرف وادیوں اور گھاٹیوں ہیں سے گزرتا ہے۔ عہدِ نبویؐ میں مدینہ ہیں جنوب سے براہِ راست داخل ہونے کے لیے قُبا کی طرف ایک سخت دُشوار گذار راستہ تھا جو لاوا کے پتھروں (BOULDERS) سے اٹا ہونے کے باعث شاذونادر ہی اختیار کیا جاتا تھا۔ ایسے سنگلاخ وعریاں میدانوں سے گزرنا آدمی اور جانور دونوں کے لیے سخت تکلیف دہ ہے اور دوپہر کو ان پتھروں کے گرم ہو جانے کے باعث وہاں پڑاؤ ڈالنا بھی ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ اور اگر بالفرض تکلیف گوارا کرکے کوئی فوج گزر بھی جائے تو ایسے سنگلاخ میدانوں میں لڑائی ہرگز آسان نہیں۔

چھ نمایاں وادیاں ہیں (دیکھیے نقشہ نمبر ۲) — وادی العقیق، وادی قناۃ، وادی بطحان، وادی مھزور، وادی مُذَینِب اور وادی رانونا۔ یہ وادیاں ندیوں کے نام پر ہیں۔ قناۃ اور بطحان مل کر عقیق میں گرتی ہیں اور بقیہ تین وادیاں بطحان میں پہلے ہی مل جاتی ہیں۔ اور ان سب کا پانی لے کر عقیق ایک جھیل میں گرتی ہے جو مدینہ کے شمالی مغرب میں واقع ہے۔ اُس جھیل کے چاروں طرف غابہ ہے (نشیبی زمین ہے) جہاں گھاس و چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں پائی جاتی ہیں۔ اور جھیل کے شمال مغرب میں جُرف کا زرخیز علاقہ ہے جہاں کاشت ہوتی تھی (وہاں عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی کاشت کے لیے ۲۰ اونٹوں سے آبپاشی ہوتی تھی) اِن ندیوں کے بہاؤ کے رُخ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ کس طرف اونچی زمینیں ہیں، کہاں کہاں ڈھلوان ہے اور کس طرف نیچی زمین ہے؛ ندیاں پہاڑی ہیں اور پھر ریگستانی خطہ کی! پہاڑی ندیوں کو

توسوار برسات کے تقریباً ہر موسم میں آدمی، اونٹ اور گھوڑے پار کر سکتے ہیں کیونکہ عموماً وہ خشک ہی رہتی ہیں اور اگر پانی کے ذخیرے کہیں کہیں ہوتے بھی ہیں تو اُن میں بہت کم پانی ہوتا ہے مگر برسات میں ایسی ندیوں میں فوراً سیلاب بھی آجایا کرتا ہے۔

عہدِ نبوی میں یہاں عرب اور یہودی قبیلے بستے تھے اور ہر قبیلہ کا محلہ یا گاؤں دوسرے سے الگ اور فرلانگ دو فرلانگ یا اس سے بھی زیادہ فاصلہ پر واقع تھا۔ اِس طرح کی بستیوں کا سلسلہ جبلِ عیر سے جبلِ ثور تک برابر پھیلا ہوا تھا۔ (دیکھیے نقشہ نمبر د) ہر بستی میں ایک یا زائد پانی کے کنویں ہوتے۔ رہائشی مکان پتھر کے بنے ہوئے عموماً دومنزلہ ہوتے۔ ہر بستی میں بُرج کی وضع کی مستحکم عمارتیں بھی ہوتیں جن کو آطام (اُطُم کی جمع بمعنی گڑھ یا قلعہ) اور آجام (اُجُم کی جمع) کہا جاتا ہے۔ (اُجُم = مُربع مسطح مکان اور اُطُم = جو قلعہ پتھروں کا بنایا گیا ہو اور مربع و مسطح مکان کو بھی۔ آئینہ عرب) جنگ کے زمانہ میں عورتیں، بچے، جانور اور دیگر اسباب کو اُن میں منتقل کر دیا جاتا۔ ان میں سے بعض بہت بڑے ہوتے تھے۔ مثلاً اُطُم الضحیان سہ منزلہ تھا جس کی سب سے نچلی منزل لاوا کے سیاہ پتھروں سے تعمیر ہوئی تھی اور اوپر کے دو درجے چاندی کی طرح سفید پتھروں سے بنائے گئے تھے۔ قبا کے بالمقابل (دیکھیے نقشہ نمبر د) اس اُطُم کے کھنڈرات اور اس کی سب سے نچلی منزل اب تک باقی ہیں اور یثرب کے دورِ جاہلیت کی حربی تعمیر کے مطالعہ کا موقعہ دیتے ہیں۔ جس طرح آج تاج محل کی سفید اونچی عمارت، فتح پور سیکری کے ٹیلہ سے (جو تاج محل سے بیس پچیس میل کے دوری پر ہے) دکھائی پڑتی ہے۔ اسی طرح بلند اُطُم الضحیان اپنی سفید بالائی منزلوں کی بدولت اونٹ کے سفر کی ایک دن کی مسافت سے دکھائی دیتا تھا۔ یہ ایک عمدہ حفاظتی چوکی کا کام دیتا رہا ہوگا اور دشمن کی نقل و حرکت دور ہی سے دیکھ کر یثرب باخبر ہو جاتا رہا ہوگا۔ ذوالحُلیفہ کے پاس سے وادی العقیق کے داخلہ پر تو اس کے ذریعہ اچھی پاسبانی ہوتی رہی ہوگی۔ اِن آطام کے اندر اکثر پانی کے کنویں بھی ہوتے تھے تاکہ محاصرے کے دوران کام دیں۔

اِن منتشر اور دور دور بسے ہوئے محلوں کے علاوہ مختلف افراد اور قبائل کے باغ تھے جن کا احاطہ عموماً پتھر کی دیوار سے بنایا جاتا تھا۔ ان بلند احاطوں کی وجہ سے خود باغیچوں کو "حائط"

کہا جانے لگا۔ ایسے باغ اب تک مدینۂ منورہ میں باقی ہیں یہ باغ آبادی کے اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں پختہ اور وسیع کنوئیں اب بھی اس قابل ہیں کہ اُن میں درجنوں لوگ اتر کر چھپ سکیں اور اُن پختہ دالانوں اور حجروں سے جو کنوؤں کے اندرونی حصے میں بنائے گئے ہیں گڑھیوں بلکہ چھوٹے قلعوں کا کام لے سکیں۔ مختلف محلّوں کے یہ باغ اور گھر باہم کچھ اس طرح متصل ہوگئے تھے کہ متعدد جگہ صرف دو اونٹ گزرنے کے قابل چوڑی گلیوں کے سوا کوئی اور گزرگاہ بھی نہیں تھی! یہ حالت خاص کر قبا کے جنوب مغربی رُخ پر اب تک نظر آتی ہے! شاید یہی وجہ ہے کہ غزوۂ سَویق کے موقعہ پر بھی جب ابوسفیان محض دو سو شتر سواروں کو لے کر مکّہ سے شمال کی جانب چلا (دیکھیے نقشہ 'ب') اور مدینہ کی جنوبی سرحد ذوالحُلَیفہ اور جبل عیر کے مابین پہنچا تو سواروں کو ٹھہرا کر خود اکیلا دیارِ بنی النضیر کی طرف اندھیری رات میں گیا۔ پھر صبح کو بھی جغرافیائی مجبوریوں نے اجازت نہ دی کہ وادی رانونا سے (دیکھیے نقشہ نمبر 'د') دو سو مسلح شتر سواروں کو نکال لے جاتا اور مدینہ پر حملہ کر دیتا۔ بلکہ اُسے وادی العقیق کی شمالی راہ اختیار کرنی پڑی۔ اس صورت حال میں ۳ ہزار کی جمعیت بھلا کیسے وادی رانونا کی راہ مدینہ میں جنوب کی طرف سے داخل ہوسکتی؟ علاوہ بریں مسکن نبوی ﷺ تک پہنچنے کے لیے قُبا اور عوالی کی آبادیاں اور گنجان باغ حائل تھے جن کے باعث لڑائی کا کوئی کھلا میدان بھی نہ تھا۔

باب العنبریہ سے مغربی حَرّہ کو کاٹ کر جو موجودہ راستہ بنایا گیا ہے یہ سترھویں صدی عیسوی کا ہے۔ (ڈاکٹر حمید اللہ صاحب — عہدِ نبوی ﷺ کے میدانِ جنگ) عہدِ نبوی ﷺ میں کاروانی راستہ وہی وادی العقیق کے اندر سیدھے شمال میں وادیوں کے سنگم تک تھا (دیکھیے نقشہ نمبر د) وہاں سے جوفِ مدینہ میں داخل ہونے کے لیے پھر جنوب مشرق کی طرف مڑنا پڑتا تھا۔ وادیوں کے ایسے راستے نرم ریت پر مشتمل ہونے کے باعث اونٹوں کو بھی پسند تھے۔ باغوں یا محلّوں کا سلسلہ جنوب مغرب اور مغرب میں بھی پھیلا ہوا تھا مگر نسبتاً کم گنجان تھا۔ شمال مغرب میں وادی العقیق کے کنارے بئر رُومہ تک بہ کثرت باغ تھے۔ شمالی حصّہ کی زمین چونا ملی ہوئی مٹی کی وجہ سے (جس کا کچھ حصّہ غالباً یہی پہاڑی ندیاں پہنچاتی ہوں گی) بنجر رہی ہے اس لیے وہاں نہ پہلے ہی زراعت ہوسکتی تھی اور نہ آج ہی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا شمال مغربی ہی گوشہ ایسا

تھا جو کھلا ہوا تھا، اور مدینۃ النبیؐ کا کشادہ اور فراخ راستہ اُدھر ہی سے پایا جا سکتا تھا۔
غرض یہ تھیں جغرافیائی دشواریاں جن کی بنا پر قریش کی ۳ ہزار کی تعداد میں تھکی ہوئی فوج اور
بارہ دن کے کوچ سے نیم مُردہ جانوروں نے بھی مذکورۂ بالا سنگم ہی کے پاس جا کر ٹھہرنا پسند
کیا۔ خیموں کے نصب کرنے کے لیے بھی وسعت تھی۔ اور اتنے بڑے لشکر کے لیے وہاں شاداب
وادیوں اور جھیل میں پانی اور چارہ کی افراط تھی۔ دوسری بات یہ کہ غزوۂ سُویق کے
تجربہ سے یہاں پڑاؤ کی سہولتوں کا اندازہ بھی ہو گیا تھا۔ آرام کر کے قریشی لشکر نے پہلے سے
جَبَلِ اُحُد کے مغربی گوشہ پر وادی قناۃ اور پہاڑی کے درمیانی خطہ پر (جو کم از کم ایک میل لمبا
اور دو سو گز چوڑا ہو گا) کیمپ ڈال دیا (دیکھیے نقشہ نمبر ' د ')

فوجی حرکت جمعہ ۱۰ ارشوال کی صبح مدینہ میں مشورہ ہوا تو مہاجرین نے عموماً اور انصار
میں سے اکابر نے رائے دی کہ عورتیں باہر قلعوں میں بھیج دی جائیں اور شہر
میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن اُبَیّ نے بھی (جو اب تک شریکِ مشورہ نہیں کیا
گیا تھا) یہی رائے دی۔ (کیونکہ دستورِ قدیمی یہی تھا کہ جب کوئی لشکر یثرب پر حملہ کرتا تھا
تو سب شہر والے متحد ہو کر اپنی عورتوں کو قلعوں میں بٹھا کر فصیلوں پر مسلح ہو کر چڑھ جاتے تھے۔
اور پتھر کے انبار بھی فراہم کر لیتے تھے۔ فصیلوں کی بلندی سے جب پتھر اور تیروں کی بارش ہوتی
تو تلوار والے کچھ نہ کر پاتے) لیکن اُن نوجوان صحابہؓ نے جو جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس
بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر میدان میں مقابلہ کیا جائے۔ بالآخر آنحضرتؐ نے یہی فیصلہ
منظور فرمایا اور جمعہ کی نماز پڑھ کر نکل پڑے اور ' آطام الشیخین ' کے پاس رُضا کاروں کو
بھرتی ہونے کا حکم دیا۔ (دیکھیے نقشہ نمبر ' د ') (غالباً شیخین ابوبکرؓ اور عمرؓ کے نام پر)
لیکن شاہنامۂ اسلام میں حفیظؔ جالندھری نے بغیر حوالہ یہ نوٹ دیا ہے کہ " روایت ہے کہ زمانۂ
جاہلیت میں یہاں ایک اندھا بوڑھا (الشیخ) اور ایک اندھی بوڑھی (الشیخة) رہا کرتے تھے
اور آپس میں باتیں کیا کرتے تھے۔ اس لیے اِن کا نام " شیخین " مشہور ہو گیا)
جوفِ مدینہ کا میدان پورا ناہموار ہے بلکہ بیچ میں سَلع کا پہاڑ اور متعدد دیگر چھوٹی چھوٹی
ٹیکریاں ہیں۔ لہٰذا موزوں میدانِ جنگ کی تلاش میں باہر نکلنا تھا۔ مسجدِ نبویؐ سے مشرق کی طرف رسولِ کریمؐ

کے وقت سے اب تک ایک ہی قبرستان (جنّة البقیع) چلا آرہا ہے۔ اُسی کے بغل سے نکلنا مناسب بھی تھا کیونکہ سامنے حرّہ واقم کے ڈھلوان اور نخلستان کے درمیان سے جبلِ اُحد کی طرف جانے کا بالائی راستہ عمدہ اور دشمن کی زد سے کوسوں دور تھا (دیکھیے نقشہ 'د') (چونکہ اِس اہم معرکے کے لیے آنحضرت ﷺ جنّة البقیع کے بغل سے جمعہ کے دن باہر نکلے تھے۔ غالبًا اسی لیے اُس دروازہ کا نام بعد میں 'باب الجمعة' رکھ دیا گیا) آبادی کے باہر میل ڈیڑھ میل دور 'آطام الشیخین' کے پاس ٹھہر کر بھرتی شدہ رضاکاروں کا تنقیدی معائنہ فرمایا اور کم عمر والے بچے واپس کر دیے گئے (بھرتی کے سلسلے میں ہر قسم کی جانچ پڑتال بھی کی گئی ہوگی مثلاً کشتی پر ایک لڑکے کو لے لیا گیا جو دوسرے کا ساتھی تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں عرفات کے میدان میں عُکاظ کے بازار میں حضرت عمرؓ اور ان کے ہمعصر پہلوانی اور کشتی کا فن دکھا چکے تھے! اسی طرح تیر اندازی کی بھی جانچ کی گئی ہوگی۔ تربیت کی خاطر اس قسم کی ورزشیں برابر جاری رہی ہوں گی) البتہ کچھ عورتیں ساتھ رکھی گئیں تاکہ زخمیوں کی مرہم پٹی اور سپاہیوں کو پانی پلانے وغیرہ کا کام انجام دیں۔ رات بھر اسی جگہ قیام رہا۔
حضرت بلالؓ نے مغرب کی اذان پکاری اور نماز ادا کی گئی۔ پھر عشاء کی اذان اور نماز بھی ادا کی گئی۔ شبخون کے اندیشہ سے رات بھر محمد بن مسلمہؓ کو (جو کعب بن الاشرف کو قتل کرنے کے لیے مقرر کیے گئے تھے) مامور کیا گیا اور وہ حفاظت کی خاطر ۵۰ سپاہیوں کے ہمراہ اسلامی پڑاؤ کے اطراف گشت کرتے رہے۔ اِن آطام کے مشرق میں بنی عبد الاشہل کا محلّہ تھا وہاں والے بھی جنگ کے میدان کے لیے گئے تھے۔ غالبًا ان آطام میں بھی کچھ عورتوں، بچوں اور معذوروں کو رکھ دیا گیا ہوگا۔

سنیچر ۱۱؍شوال کو علی الصباح تقریبًا ڈھائی تین میل چل کر سب محلوں سے بھرتی شدہ رضاکاروں سمیت ایک ہزار کی فوج کے ساتھ آنحضرت ﷺ جبلِ اُحد کی طرف بڑھے تو پہلے 'جبل عینین' سامنے آیا (دیکھیے نقشہ نمبر 'د') اور اب میدانِ جنگ آیا ہی چاہتا تھا کہ عبداللہ بن اُبی (منافق) اپنی ۳ سو کی جمعیت کے ساتھ (اُس مقام سے جس کا نام 'شوط' ہے) یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ محمدؐ نے میری رائے نہ مانی (گویا منزلِ وغایت کے قریب پہونچ کر لوٹ گیا) اس حرکت سے مسلمانوں کے دو قبیلے بنی سلمہ اور بنی حارثہ کی بھی ہمتیں ٹوٹنے لگیں مگر تسلی دینے سے ان کی ہمت بندھ گئی!

(بنی حارثہ کا محلہ جبلِ عینین ہی کے قریب تھا اس لیے اور ہچکچاہٹ محسوس ہوئی ہوگی) اُس وقت رسولِ کریمؐ نے اس طرح تسلّی دی تھی:

اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ	کیا یہ بات تمہارے لیے کافی نہیں کہ اللہ
بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ	تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری
مُنْزَلِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۲۴)	مدد کرے؟

باقی ماندہ سات سو سپاہی تھے اور دشمن سامنے تھا۔ فجر کی نماز سلاح پہنے پہنے ادا کر کے آگے بڑھے۔

بلند جبلِ اُحد کے شرقاً غرباً ۳ میل کے پھیلاؤ کے وسط میں بالکل اُسی طرح جیسے مکّہ کے قریب (دیکھیے نقشہ نمبر۱) پہاڑی سلسلہ میں عقبہ، منیٰ اور عرفات کے نیم دائرے نما میدان ہیں ایک نیم دائرہ کی شکل کا کافی وسیع میدان (تقریباً نصف میل لمبا نصف میل چوڑا) بن گیا ہے اور اس بڑے میدان کی پشت میں اندر کی طرف ایک اور محفوظ میدان ہے جہاں مختصر سا اسلامی لشکر کیمپ کر سکا۔ کیمپ کے اس محفوظ مقام پر ساری فوج جبل عَیْنَین کے مشرق سے وادی قناۃ کو پار کرتی ہوئی اُس وقت کے نخلستان اور پہاڑی دامن کے کنارے کنارے بآسانی پہنچ گئی۔ وادی قناۃ اور اُحد پہاڑ کے درمیانی وسیع میدان کے مشرقی کنارے پر دُوامی پانی کے دو چشمے (عینان) بھی موجود تھے اور آج تک جاری ہیں (جبکہ وادی قناۃ اکثر اوقات خشک ہی رہتی ہے) اُحد کے لق و دق ۳ میل کے لامتناہی سلسلہ کے علاوہ ایک چھوٹی پہاڑی یہی ہے جسے غالباً اِن چشموں کی موجودگی کے باعث "جبلِ عَیْنَین" (دو چشموں والا پہاڑ) کہا جاتا تھا!

جبلِ عَیْنَین کی ملٹری اہمیت

میدانِ جنگ کے معائنہ میں آنحضرتؐ کو "جبل عینین" کا قدرتی جغرافیائی مقام نہایت اہم اور کلیدی نظر آیا۔ حَرّۂ واقم کے شمالی مغربی ڈھلوان اور جبل اُحد کے جنوب مشرقی ڈھلوان اور نخلستانوں کے درمیان اُس وقت ایک تنگ وادی قناۃ تھی جس راہ سے اِس ہونے والے جنگ میں مشرق سے اچانک حملہ کا خطرہ ہو سکتا تھا اس طرف سے اطمینان حاصل کرنا ضروری تھا؛ قدرتاً اس داخلے کے منہ پر "جبل عَیْنَین" واقع ہے۔ لہٰذا اِس عریاں غیر محفوظ اور اہم مورچہ کی حفاظت کی طرف متوجہ

ہوئے۔ آنحضرتؐ کو حبابؓ بن المنذرؓ نے دشمن کے صحیح تخمینہ کے ساتھ ساتھ رسالہ کی طاقت کا اندازہ بھی بتادیا ہوگا۔ چنانچہ آپؐ نے عبداللہ بن جبیرؓ کی زیر قیادت پچاس تیرانداز عینین کی پہاڑی پر متعین کرکے ہدایات اس انداز میں دیں: اے اللہ کے بندو! یہ گھاٹی بہت ہی سخت ہے لہٰذا پہاڑ کی طرح ڈٹ جاؤ۔ مجھے دشمن کے اُن سواروں سے اندیشہ ہے جو غفلت دیکھ کر اس طرف سے مسلمانوں پر نہ آپڑیں۔ اس لیے تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ تم یہیں قائم رہنا۔ چاہے مسلمان جنگ میں غالب ہوں یا مغلوب تمہیں اس ٹیلہ کو چھوڑنے کی مناہی ہے۔ تم یہاں ایسی دربانی کرو اور اس پشتہ کے ایسے پشتیبان بن جاؤ کہ اگر قریش کے سوار اس راہ سے آئیں تو اُن پر تم سب مل کر چوڑے پھال والے تیر (مشاقص) برساؤ (جنگلی باشندے آج کل بھی مختلف شکاروں کے لیے مختلف پھال کے تیر استعمال کرتے ہیں) اس لیے کہ بہادر سپاہی تو لڑنے مرنے سے نہیں ڈرتے مگر گھوڑے تیروں کے مقابل رُخ نہ کریں گے۔ شکست و فتح کی اچھی بُری کوئی صورت ہو یہاں تک کہ اگر تم دیکھو کہ ہماری بوٹیاں پرندے نوچے لیے جارہے ہیں اور تم یہ سمجھو کہ تمہاری مدد کی ہمیں ضرورت ہے تب بھی تم اس جگہ سے نہ ٹلنا۔ تم پر صرف عقب سے آنے والوں کی نگرانی ہی فرض ہے!—— ہدایات کے بعد آپ نے یہاں تک فرمایا کہ میں تم کو خدا پر گواہ کرتا ہوں کہ میں نے تم کو اس ٹیلہ پر قائم رہنے کی تبلیغ کی (ارشاد الحکمۃ)، تیراندازوں (رُماۃ) کے متعین کیے جانے کے باعث اس جنگ کے بعد سے اس پہاڑی کا نام ہی "جبل الرماۃ" پڑ گیا۔

اس اہم مورچہ کے متعلق ایک غلط فہمی اور دور کرنی ہے —— اسے اگر اس وقت (۳ھ میں) مشرقی داخلہ سے کھڑے ہوکر دیکھا جاتا تا (نقشہ 'د' کے داہنی رُخ پر دیکھیے اس کا سائڈ منظر (SIDE-VIEW) جبلِ اُحُد کے مشرق میں دیا ہوا ہے)، تو ایک طرف جبلِ اُحُد کی بلند دیوار کھڑی تھی پھر اس کے ڈھلوان پر نخلستان موجود تھا جس کی شہادت شریکِ جنگ اور رسولِ کریمؐ کی تلوار پانے والے ابودجانہ کے ایک شعر سے ملتی ہے جو طبری اور ابن ہشام میں اس طرح محفوظ ہے:-

أَنَا الَّذِي عَاهَدَنِي خَلِيلِي ۔۔۔ وَنَحْنُ بِالسَّفْحِ لَدَى النَّخِيلِ

(میں وہ ہوں جس سے میرے دوست نے عہد لیا جبکہ ہم نخلستان کے پاس پہاڑ کے دامن میں تھے)
وہ چشمے آج تک جاری ہیں۔ جبلِ اُحد کے لق ودق عُریاں پہاڑ میں جاذب چٹانوں کے نیچے پانی کی

سطح غیر جاذب چٹان پر سے گزرتی ہوئی اِن چشموں کے پاس اُس وقت سے موجود ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے کھجور کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاؤں پانی میں اور سر کڑکتی ہوئی دھوپ میں ہو۔ یہ موزونیت اِس مقام پر موجود تھی اور آج تک یہ چشمے بھی شہادت دے رہے ہیں۔

دوسری جانب حرۃ واقم (لابۃ) کا ڈھلوان اور نخلستان جبل الرّماۃ سے مل جاتا تھا۔ ان دونوں قدرتی دیواروں کے بیچ سے وادی قناۃ گزرتی ہوئی آگے میدان جنگ کی طرف بڑھتی تھی ایک تنگ راستہ تھا جس میں زیادہ سواروں کا بیک وقت گزرنا محال تھا کوئی دوسری راہ نہ تھی۔ لہٰذا سو ڈیڑھ سو سواروں کو (جو بیک وقت گذر بھی نہ سکتے) روکنے کے لیے جبل الرماۃ کے صرف پچاس تیر انداز کافی تھے جیسا آگے خود واضح ہو جائے گا۔ یہ تھی اُس وقت (۳ھ) کی صورت حال۔ مگر آج اسی موقع پر یہ داخلہ اتنا زیادہ چوڑا ہو گیا ہے کہ کئی سو گھوڑ سوار با آسانی پچاس تیر اندازوں کی زد سے بچ کر اندر کی طرف داخل ہو سکتے ہیں ـــ توجیہ کی صورت یوں ہے کہ ۴۶ برس بعد ہی امیر معاویہ کے زمانہ میں سیلاب آیا تھا (غالباً وادی قناۃ میں) اور شہداءِ اُحد کی قبریں کھل گئی تھیں (جیسا کہ حضرت حمزہ رضی کی نعش کو قبر سے نکال کر موجودہ قبر میں دفن کرنا پڑا (دیکھیے نقشہ نمبر 'د') مورخین کے مطابق تو وادی قناۃ میں بارہا شدید طغیانی آتی رہی ہے (جوفِ مدینہ کی بقیہ دوسری وادیوں کی طغیانیاں بھی وادی قناۃ پر اثر انداز ہوتی رہی ہوں گی ـــ پوزیشن سمجھنے کے لیے نقشہ نمبر 'د' دیکھیے) اِن طغیانیوں نے جبل اُحد کے نخلستانی ڈھلوان کو آہستہ آہستہ مسطح کر دیا۔ نیز وادی قناۃ کا پانی جبل الرّماۃ سے (جہاں حضرت حمزہ رضی کا سابق مدفن تھا) ٹکرا ٹکرا کر جبل الرماۃ کے ڈھلوان کو بھی ایک حد تک دھو ڈالا۔ دوسرا سبب یہ ہوا کہ جبل الرماۃ پر زمانۂ حال میں کچھ مکان تعمیر کیے گئے۔ ان کے علاوہ حضرت حمزہ رضی کے لیے موجودہ مقبرہ اور عظیم الشان مسجد اور اس مسجد کے مشرق میں کئی درجن مکان تعمیر ہوئے اور ان سب میں لاکھوں مکعب فیٹ (CUBIC FEET) پتھر صرف ہوئے۔ قدرتی طور پر نخلستان بھی صاف کیا گیا اور پتھروں کے حاصل کرنے میں مٹی ڈھیلی ہوتی چلی گئی۔ بالآخر بارشوں سے زمین مسطح ہو گئی!

میدان جنگ میں اسلامی فوج کی ترتیب

غرضکہ اس اہم مورچہ کے بندوبست سے

فارغ ہوکر باقی ساڑھے چھ سو سپاہیوں سے قریش کی ۳ ہزار کی جمعیت کے مقابلہ کے لیے آنحضرتؐ اسلامی کیمپ کی طرف بڑھے (جس کا محض اشارہ قرآن کریم میں یوں آیا ہے:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (آل عمران: ۱۲۱) (جب تم صبح اپنے اہل سے رخصت ہوکر نکلے تھے اور میدان میں مومنین کو جنگ کے لیے جا بجا مامور کر رہے تھے۔)

(دیکھیے نقشہ نمبر 'د' اور پھر نمبر 'ز') اور اس طرح فوج کی ترتیب دی:

مقدمۃ الجیش پر سعدؓ بن ابی وقاص اور ابو عبیدہؓ بن الجراح کو جما یا (اوّل الذکر تیر بازی کے ماہر، تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے اور بدر کا معرکہ بھی دیکھے ہوئے تھے۔ اپنے متعلق خود فرماتے ہیں: "میں عرب میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے خدا کی راہ میں تیر اندازی کی ہے۔"

میمنہ پر عکاشہؓ بن محصن اسدی کو رکھا (غزوۂ بدر میں یہ اس جوش سے لڑے تھے کہ آپ کی شمشیر کے ٹکڑے اڑ گئے تو رسول اللہؐ نے آپ کو کھجور کی ایک چھڑی دے دی۔ ماہر شمشیر باز تھے اُسی سے آپ نے تلوار کا کام لیا تھا جس کے پڑ جاتی وہیں بلبلا کر رہ جاتا تھا)

میسرہ پر ابو سلمہؓ بن عبد الاسد کو رکھا (رسول کریمؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور بدر میں شریک تھے)

قلب فوج پر علیؓ اور زبیرؓ کو رکھا اور دونوں کے وسط میں غیر زرہ پوشوں کو حمزہؓ کی کمان میں دیا۔

تیر انداز بھی مناسب مقاموں پر رکھے گئے۔

ساقہ پر مقدادؓ بن عمرو کو جما یا (یہ وہی مقدادؓ ہیں جنہوں نے بدر میں جانے سے پہلے زبردست اخلاص کا مظاہرہ کیا تھا جس سے سب کے قلوب میں ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ اور رسول کریمؐ اس مظاہرہ سے بے حد مسرور ہوئے تھے۔ یہ نیزہ بازی، تیر اندازی و شہسواری میں یکتا تھے۔

مصعبؓ ابن عمیر کو علم عنایت کیا (بدر میں بھی مہاجرین کے علمبردار یہی تھے۔ بڑے

جیّد عالم و مبلّغ بھی تھے)

- ان سب کے ساتھ ابوبکرؓ، عمرؓ، عبدالرحمنؓ بن عوف، ابودجانہؓ، طلحہؓ بن عبیداللہ جیسے نامور بہادر بھی ہر وقت پیارے نبی کے ساتھ تھے۔
- بہادر عورتیں بھی ہمراہ آگئی تھیں (جو دونوں چشموں سے پانی بھر بھر کر سپاہیوں کو پلاتی رہی ہوں گی اور وقت ضرورت انہوں نے مرہم پٹی بھی کی ہوگی، اور زخمیوں کو مدینہ پہنچانے میں بھی مدد کی ہوگی۔
- پشت پناہی کے لیے جبلِ اُحد کی مستحکم دیوار تھی اور ایک نخلستان۔

بدر کی جنگ کے قیدیوں میں سے ایک ہتھیار فروش کو ایک ہزار نیزہ وصول کر کے چھوڑا گیا تھا۔ وہ نیزے تو رہے ہی ہوں گے پھر بھی اسلامی فوج میں اسلحہ کی کمی تھی۔ آنحضرتؐ نے تاکید فرما دی تھی کہ اپنی طرف سے پہل نہ ہو۔ سنگ باری کے لیے پتھر کا قدرتی خزانہ تینوں طرف موجود تھا اور بوقت ضرورت درختوں کی شاخیں بھی!

فوجی ترتیب کے بعد خود آنحضرتؐ نے وظائف سے فارغ ہو کر اوّل صف میں جگہ لی۔

قریش کی فوجی ترتیب

قریش کو بدر میں عدم صف بندی کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا اس لیے اِس مرتبہ انہوں نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔

(دیکھیے نقشہ نمبر "ز")

- میمنہ پر خالد کا رسالہ رکھا جو سَو مسلّح سواروں پر مشتمل تھا
- میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل کا رسالہ رکھا وہ بھی سَو مسلّح سواروں پر مشتمل تھا۔
- دونوں کے درمیان خود ابوسفیان سپہ سالار کی حیثیت سے تھا۔
- اُن کا علمبردار طلحہ تھا اور اس کے بعد اس کے بھائی عثمان پھر ابوشیبہ، صواب اور عمرہ بنت علقمہ
- ابوسفیان نے اپنے پاس ہی ابوعامر راہب کو رکھا (جس کے ہمراہ ڈیڑھ سَو آدمی آئے تھے)
- پیدل فوج میں بڑے عَلَم کے علاوہ ۳ اور جھنڈے تھے (احابیش، ثقیف اور کنانہ کے)
- تیر اندازوں کے دستے عبداللہ بن ابی ربیعہ کی کمان میں دیے گئے۔

ان کے علاوہ پیدل فوج بھی تھی۔

سب سے پیچھے ممکن ہے کہ ایک آدھ ہزار اونٹوں کو بھی لا کر صف بندی کر دی ہو تاکہ پیچھے ایک مضبوط دیوار سی رہے اور فوج آگے ثابت قدمی دکھا سکے۔ (جاہل عرب لڑائیوں میں اکثر ایسا کرتے تھے۔) (بحوالہ آئینہ عرب)

اِن سب کے پیچھے قریشی کیمپ میں کثیر تعداد میں باسبانی غلام، کم از کم ۱½ ہزار اونٹ اور رسد وغیرہ کی موجودگی بھی تھی۔ جہاں تین دن سے مشرکین آکر خیمہ زن تھے اور دورانِ جنگ مال ومتاع واسباب متفرقہ کی حفاظت کر رہے تھے۔ (اونٹوں کی تعداد کا اندازہ اس طرح ہوتا ہے کہ آدمیوں کی تعداد ۳ ہزار تھی۔ پھر خیموں اور ان کے چوبوں طنابوں ورسد اسلحہ جات اور دیگر مال متاع کے لادنے کے لیے بھی درکار تھے۔ اس حساب سے اگر ایک اونٹ پر دو آدمی ہوں تب بھی صرف آدمیوں کے لیے ۱½ ہزار اونٹ چاہیے۔ بقیہ سامان کے لیے مزید درکار ہوں گے؟ گھوڑے کوتل تھے کہ وقتِ ضرورت کام آئیں —— دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ چندہ کرتے وقت منافع کے مال میں ایک ہزار اونٹ اِس جنگی امداد میں داخل کر دیا گیا تھا۔ ممکن ہے دیگر اشخاص نے بھی دیے ہوں گے!)

قریشی فوج پوری طرح مسلح تھی۔ اُن کے پاس جنگ بدر کے سے سارے ہتھیار تھے۔ ڈھالیں، تلواریں، زرہ، خود (سر پر) چلمہ (چہرہ پر) نیزے، گرز (شانوں پر) تیر و کمان (دوش پر) خنجر و گوپھن (SLING) وغیرہ کسی چیز کی کمی نہ تھی۔

میدان کارزار کا ڈرامہ اور بدلتے ہوئے سین

سب سے پہلے قریش کی چودہ عورتیں ابو سفیان کی بیوی ہندہ کے ساتھ علمبردار کے بھائی عثمان کے پیچھے پیچھے دف پر یہ اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں اور سچے ڈرامہ کا پردہ اٹھ گیا:

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِق نَمْشِی عَلَی النَّمَارِق

ہم آسمانوں کے تاروں کی بیٹیاں ہیں ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں

اِنْ تُقْبِلُوا نُعَانِق اَوْ تُدْبِرُوا نُفَارِق

اگر تم بڑھ کر لڑوگے تو ہم تم سے گلے ملیں گے اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے

عنوان ڈرامہ کے آغاز سے پہلے ابو عامر راہب کا تعارف ضروری ہے۔ یہ مدینہ ہی کے قبیلہ اوس

کا غدار فرد تھا۔ مسلمانوں کا سخت مخالف تھا۔ مشرکوں سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ تمام قبیلوں کو محمدؐ کے خلاف کر دوں گا۔ یہ اندھیری رات میں اپنے ڈیڑھ سَو شاگردوں کے ساتھ مدینہ سے نکل کر مکہ پہنچا اور مشرکین کی فوج میں شامل ہو گیا۔ غالباً ۱۰ شوال کو (آنحضرتؐ کے فیصلہ کی خبر پاکر کہ مقابلہ شہر سے نکل کر کسی میدان میں کیا جائے گا) اس نے میدانِ اُحُد میں بہت سے گڑھے راتوں رات کُھدوائے تھے اور اُن کے منہ پر گھاس وغیرہ رکھ دی تھی تاکہ مسلمان اُن گڑھوں میں گریں اور اُن کا زور کم ہو جائے اُحُد میں ابو سفیان کو ابو عامر راہب پر بڑا بھروسہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس راہب کے بہکانے سے انصارِ مدینہ رسول اللہؐ اور مہاجرین صحابہؓ سے الگ کیے جا سکیں گے۔ کیونکہ اسلام سے پہلے زُہد و پارسائی کی بنا پر تمام مدینہ اس کی عزت کرتا تھا۔

(۱) مسلمانوں کی ابتدائی کامیابی

اس قیاس آرائی کے مطابق سب سے پہلے ابو سفیان نے ابو عامر کو آگے بڑھایا۔ اُس نے انصارِ مدینہ کے سامنے ڈرامائی انداز میں ایک پُر فریب تقریر کی۔ مگر پختہ ایمان لوگ جب اس کے جال میں نہ پھنسے تو کھسیا کر خود بھی اُس نے پتھر مارا اور اس کے شاگردوں نے بھی پتھر مارنا ہی حرب و ضرب کی بنا تھی۔ چنانچہ مسلم جانبازوں نے بھی پتھر کا جواب پتھر سے دیا اور یہ 'کرایہ کے ٹٹو' (MERCENARY AGENTS) ناکام بھاگے۔ کیا یہ سپہ سالار کی پہلی بھول تھی؟ ان کے پیچھے ہٹنے سے کتنے لوگوں میں پست ہمتی آگئی ہوگی!

اس کے بعد قریش کا علمبردار طلحہ غصہ اور جوش میں آگے بڑھا اُس کی للکار پر حضرت علیؓ تلوار لے کر آگے آئے اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی! اُس کا بھائی عثمان علَم سنبھالتا ہوا حملہ آور ہوا جس کا کام حمزہؓ نے تمام کر دیا۔ علَم کو ابو شیبہ نے سنبھالا اور انہیں بھی حمزہؓ نے قتل کر دیا۔ اس پر قریشی فوج کی صفوں میں ربط و ضبط کی صورت قائم نہ رہ سکی اور عام جنگ شروع ہو گئی۔ امدادی پیدل اور رسالے بھی بڑھے۔ اس طرح قریش نے گویا عام دھاوا بول دیا۔ رسالوں کو اس طرح سامنے بڑھا دینا ابو سفیان کی دوسری غلطی تھی! جس کا فائدہ رسولِ کریمؐ نے بروقت اٹھایا:

آپؐ نے فوراً حکم دیا کہ تیر انداز آگے بڑھ کر تیر برسائیں ــــ جس کا اثر یہ ہوا کہ پیادے

بیچ کر اور گھوڑ سوار لہرا کے گرتے۔ گھوڑے تیروں کی بارش سے زخمی ہو کر رُخ پھیر لیتے اور سواروں کو گراتے ہوئے خود بھی پیر کے بَل گرتے اور پیدلوں کو کچل دیتے (بالکل اسی طرح نو سَو برس بعد ۱۵۲۶ء میں پانی پت کی پہلی لڑائی میں بابر نے تیروں کی بارش سے ابراہیم لودھی کے ایک ہزار ہاتھیوں اور ایک لاکھ سواروں کا رُخ پھیر دیا تھا؛) حضرت حمزہؓ کو نرغہ میں دیکھ کر حضرت ابودُجانہ رضؓ دستِ رسالتؐ کی تلوار پا کر آگے بڑھے۔ اسلامی جھنڈے کی داہنی طرف علیؓ رضؓ اور بائیں طرف زبیر رضؓ بڑھ رہے تھے۔ یہ جانباز بہادر فوجوں میں گھس گئے اور صفوں کو چیرتے لاشوں پر لاشیں گراتے چلے جاتے تھے۔ سر پر سُرخ پٹی کی وجہ سے ابودجانہ رضؓ بہت نمایاں تھے اور تھے بھی نامور بہادروں میں۔ آخر دَم تک حضورؐ کی سپر بنے رہے۔ اور زبیر رضؓ کو تو اُن کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب نے تربیت ہی اس نہج پر دی تھی کہ آپ لازماً ایک اولوالعزم مستقل المزاج اور حوصلہ مند بہادر کی حیثیت سے اپنے کارنامے پیش کر رہے تھے۔ اور علیؓ رضؓ کا کیا کہنا۔ وہ تو نضے ہی مشہور و معروف بہادر! قریشی پیدل کا بھاری اسلحہ مصیبت کا سامان تھا۔ پاؤں اکھڑ گیا تو نہ شمشیریں کام آ رہی تھیں نہ دوسرے اسلحہ!

خالد مکہ کے رئیس گھرانے کا فرد، لڑائی کے فن میں ماہر تھا۔ جنگ کے اس نقشہ کو دیکھ کر خالد اپنا رسالے کر کبھی بائیں آ جاتا اور کبھی دائیں چلا جاتا کہ کسی صورت سے بھی اپنی فوج کو مدد پہنچا سکے۔ مگر ناکامی کا منہ دیکھتے دیکھتے اُسے یہ جنگی چال سوجھی۔ (ان کی پوزیشن میدان میں داہنی طرف 'میمنہ' پر تھی اس لیے وہیں سے وہ مقام نظر آ رہا تھا جس کے لیے تیرانداز جبلِ رُماۃ پر متعین کیے گئے تھے) کہ ۸ میل کا چکر کاٹ کر کیوں نہ اُس راہ سے حملہ کیا جائے؛ اور اس غرض سے غالباً زخمی سواروں اور رسالے کے کچھ حصّہ کو عکرمہ بن ابوجہل کی سپردگی میں چھوڑ کر خود ہی سَو ڈیڑھ سو کا رسالہ لے کر ۸ میل کا چکر لگایا (دیکھیے نقشہ نمبر 'د' اور 'ز')

خالد کے رسالہ کی آہٹ پاتے ہی عبداللہ بن جُبیر جبلِ عینین پر چوکنے ہو گئے۔ اور بارہا خالد کوشش کرتے کہ وادی سے داخل ہو جائے مگر رسولِ کریمؐ کی ہدایت کے مطابق تیروں کی بارش سے ہر بار نامرادی کا منہ دیکھنا پڑتا (نقشہ نمبر 'د' کے سائڈ منظر کو دیکھیے) اور وہ مغلوب لوٹ کر عام راستہ سے ہٹ کر دامن اُحُد اور نخلستان کی آڑ میں مایوس کھڑا ہو جاتا۔

چوڑے پہاڑ والے تیروں کی مار ایسی بُری تھی کہ گھوڑے آگے قدم بڑھانے میں لرزتے اور ڈرتے۔ بلکہ خوف سے ٹیلہ کی جانب رُخ نہ کرتے تھے۔ کیونکہ ٹیلہ ہی پر سے انہیں مار پڑتی تھی!

اُدھر میدان کا یہ حال تھا کہ قریش شکست کھا کر ہٹتے گئے یہاں تک کہ اصحابِ محمدؐ ان کے لشکر گاہ میں داخل ہو گئے (کامل۔ ابن اثیر) کہاں میدان جنگ اور کہاں کیمپ! (دیکھیے نقشہ 'د') مسلمانوں کا ابتداءً پلّہ بھاری رہا! دُشمن کی فوج میں ابتری پھیل چکی تھی وہ سراسیمہ و ہراساں ہو کر جنگ سے تقریباً منھ موڑ چکے تھے۔ اپنی جانیں لے کر ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اِس ابتدائی کامیابی کو کامل فتح کی حد تک پہنچانے کے بجائے مسلمانوں نے بہت بڑی غلطی کی! لڑنے والوں میں کچھ ایسے ناآزمودہ سپاہی بھی تھے جو تازہ تازہ ایمان لائے تھے اور پہلے کسی اسلامی جنگ میں شریک بھی نہ ہوئے تھے۔ سب سے پہلے ان ہی لوگوں نے غنیمت کی لوٹ شروع کر دی اور یہ فتنۂ مالِ غنیمت بڑھتا گیا۔

(۲) خالد کا عقب سے حملہ

جبلِ عینین پر سے تیر انداز بھی جنگ کا نظارہ دیکھ رہے تھے انہوں نے تقریباً ایک میل دور سے دیکھا (نقشہ 'د' اور 'ز' دیکھیے) کہ دُشمنوں کا سارا لشکر پسپا ہو کر بھاگ اُٹھا اور اُن کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ مسلمان مالِ غنیمت لوٹنے میں محو ہیں۔ اِس فتنہ نے اُن کے دِل میں بھی گھر کیا اور وہ حصولِ غنیمت کے شوق میں بے تاب ہونے لگے۔ ہر چند عبداللہ بن جبیر نے سمجھایا اور رسول کریمؐ کی اہم ہدایات کی یاد دہانی کرائی اور کسی حال میں جگہ نہ چھوڑنے کی تلقین کی مگر اکثریت نے ان کی ایک نہ سُنی۔ اطاعتِ اَمر اور ڈیوٹی سے مُنھ موڑ کر کمان و ترکش اپنی پشت پر ڈالے اور غنیمت کی طرف لپکے!

خالد اپنا رسالہ لیے منڈلا رہا تھا (نقشہ نمبر 'د' کے سائڈ منظر کو دیکھیے) پھر اُس نے سامنے آ کر ٹیلہ کی طرف ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی تو ٹیلہ کو خالی پایا۔ اب تو گنتی کے سات آٹھ تیر انداز رہ گئے تھے جو اُس کا حملہ روکنے پر کسی طرح قادر نہیں ہو سکتے تھے۔ لہٰذا ایک ساعت بھی گنوائے بغیر خالد نے مسلمانوں پر پشت سے یلغار کر دی۔ عبداللہ بن جبیر اور اُن کے چند ساتھیوں کے ترکش میں جب تک تیر رہے برساتے رہے۔ ترکش خالی ہو گئے تو پتھر لڑھکانے لگے اور سواروں پر سنگ اندازی کرنے لگے۔ مگر ایک نہ کام آیا۔ بالآخر رسالہ کے سواروں نے ان کو آ گھیرا اور

سب کو شہید کر ڈالا۔

رسولِ کریمؐ کی اس پشتہ بندی کو توڑنے کے بعد خالد نے ٹیلہ پر چڑھ کر میدان کی طرف نظر دوڑائی تو کیا دیکھتا ہے کہ قریشی کیمپ پر ایک میلہ سا لگا ہے۔ صفیں ٹوٹ چکی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا قبضہ ہے کیونکہ مجاہدین اپنی تیغیں اور خنجر میان میں کیے ہوئے، ڈھالیں پشت پر لیے، ترکش بغل میں لٹکائے اور کمانیں دوش پر لیے ہوئے نہایت اطمینان سے لوٹ مار میں مشغول اور غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر نیچے اترا۔ اور سواروں کے دستہ کو لے کر وادیِ قناۃ کو پار کرتا ہوا بجلی کی طرح لپکا (دیکھیے نقشہ نمبر د، اور ز) اور نہایت بے دردی کے ساتھ مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ یہ حملہ کچھ ایسا تھا کہ سنبھلنا اور بچ نکلنا سخت مشکل تھا۔ سوارانِ خالد جب بھالے تان کر آ گرے تو سب سے پہلے ٹیلہ چھوڑنے والے تیر انداز ہی مقتول ہوئے۔ اُن کی لاشیں روندتے ہوئے گھوڑے آگے بڑھے۔ غنیمت لوٹنے والے گھیر اکر مڑے اور خالد کے رسالہ کا حملہ دیکھ کر بھاگی ہوئی قریشی فوج پلٹ کر حملہ آور ہوئی اور دونوں طرف کے حملے سے مٹھی بھر مسلمان بیچ میں پس گئے۔ لڑائی کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا۔ مسلمان اس غیر متوقع صورت حال سے اس قدر سراسیمہ ہوئے کہ ان کا ایک بڑا حصّہ پراگندہ ہو کر گھاٹیوں کی طرف بھاگ نکلا (غالبًا یہ بھی منافقین ہی کی ایک پارٹی تھی جو اس خطرناک پوزیشن کو دیکھ کر بھاگ نکلی) اور بقیہ افراد لڑتے لڑتے پھر مقابلہ کے ابتدائی مقام کی طرف آنے لگے بلکہ اُس سے بھی پار ہو گئے!

(۳) رسولِ کریمؐ کی شہادت کی افواہ اور حمزہؓ کی حقیقی ٹریجڈی

اسی اثناء میں مسلمانوں کے علمبردار مصعبؓ بن عمیرؓ کو (جو آنحضرتؐ سے صورت شکل میں مشابہ تھے) قریشی فوج کے ابن قمیہ نے شہید کر دیا اور یہ سمجھا کہ رسول اللہؐ کو شہید کیا ہے! بس اُس کے مشہور کرنے سے یکایک میدانِ جنگ میں یہ خبر اڑ گئی کہ جناب رسالت مآبؐ شہید ہو گئے۔ اِس افواہ سے عام بدحواسی چھا گئی۔ صحابہؓ نے صبر و قرار کا دامن چھوڑ دیا (جس کی ایسے موقع پر ازحد ضرورت تھی) اور ان کے دِل و دماغ میں انتشار پیدا ہو گیا۔ فاروقِ اعظمؓ بھی بے حد

پراگندہ خاطر ہوگئے۔ نہ اب بازو میں بل تھا اور نہ پیروں میں سکت تھی (ایسے آڑے وقت میں اَنس بن نضرؓ نے پژمردہ دلوں میں جوش پیدا کرکے خود ستر زخم کھانے کے بعد جامِ شہادت نوش کرلیا تھا) یہ خبر اور یہ افواہ جب مدینہ پہنچی تو ہر فرد کا دل ہل گیا۔ عورتیں اور بچے اس خبر کو سُن کر بے تاب ہوگئے اور مخلصین اُحد کی طرف دوڑے۔ گھاٹیوں میں چھپنے والے بھی میدان کی طرف پھر پلٹے۔ قلعوں میں عورتیں اور بچوں کی حفاظت کے لیے یمانؓ اور ثابتؓ چھوڑ دیے گئے تھے۔ یہ دونوں بھی اُحد پہنچ گئے۔ اور غزوہ میں شامل ہوگئے ثابت نے کہا کہ "اِنْ کَانَ مُحَمَّدٌ قُتِلَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ" (اگر محمدؐ قتل کردیے گئے تو اللہ زندہ ہے وہ نہ مرے گا) لڑے مشرکوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ بدحواسی میں دونوں فوجیں اس طرح باہم مل گئی تھیں کہ اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی۔ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اسی زد میں یمانؓ بھی آگئے۔ اُن کے صاحبزادے حذیفہؓ چلاتے ہی رہے کہ یہ میرے باپ ہیں مگر کون سنتا تھا؛ اور وہ شہید ہوگئے!

اللہ کا رسولؐ اس نازک موقعہ پر بھی پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر جما ہوا تھا اور بھاگنے والوں کو پکار رہا تھا "اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ" (اللہ کے بندو میری طرف آؤ، اللہ کے بندو میری طرف آؤ) رسول اللہؐ نے مڑکر دیکھا تو صرف گیارہ جاں نثار پہلو میں تھے جن میں علیؓ، ابوبکرؓ، سعد بن ابی وقاص، زبیرؓ بن العوام، ابودجانہؓ، طلحہؓ کا نام خاص طور پر معلوم ہے۔ ایک نام اور شماسؓ بن عثمان کا آتا ہے کہ جب تک آپ کی قوت نے کام دیا آپ نے حضورؐ پر آنچ نہ آنے دی حضورؐ خود فرمایا کرتے تھے کہ "شماس کے لیے اسپر کے علاوہ اور کوئی تشبیہ مجھے خوب نہیں معلوم ہوتی" ایک نام اور سعدؓ بن معاذ کا آتا ہے!

اسی گھمسان میں لڑنے والے وادی قناۃ اور جبل الرماۃ کے بیچ تک نکل آئے (دیکھیے نقشہ نمبر ۲) اور حضرت حمزہؓ (جو دو دستی تلوار چلا رہے تھے اور کفار کی پوری جماعت میں ایک سردار بھی ایسا نہ تھا جو آپ کے سامنے ٹھہر سکے) ایک قریشی جوان (سباع) کو ہلاک کرنے میں مصروف تھے کہ جبلِ عینین کے شمال مشرقی ڈھلوان پر ایک چٹان کی آڑ سے حبشی وحشی نے (جو حمزہؓ ہی کی تاک میں بیٹھا تھا) چھپا کر۔ روایت میں اُسی کی زبان سے سنا جاتا ہے:

"وَکُنْتُ لِحَمْزَةَ تَحْتَ صَخْرَةٍ" (اور حمزہ کے لیے ایک پتھر کی آڑ میں میں نے اپنی کمین گاہ بنا رکھی تھی) حربہ (چھوٹا نیزہ جو حبشیوں کا خاص ہتھیار ہے (JAVELIN) تول کر ایسا مارا کہ حمزہ رضؓ کے مثانہ پر (ناف کے نیچے) لگا اور پار ہو گیا ــــ انہوں نے ناہنجار وحشی کو ٹیلہ پر دوڑایا اور یہ جنوبی ڈھلوان پر چھپنے کی خاطر بھاگا مگر شرقی موڑ پر جب حمزہ رضؓ اس کے پیچھے مڑے تو اتفاقاً اُن کا قدم پھسلا اور اچانک نیچے ایک گڑھے میں لڑکھڑا کر جا گرے اور روح پرواز کر گئی ــــ حضرت حمزہ رضؓ نے بدر کے موقعہ پر دیگر ناموران قریش کے علاوہ قریش کے سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ کو (جو ہند کا باپ تھا) اور جُبیر بن مطعم کے چچا کو مارا تھا انکی شجاعت و دلیری نے قریش کے حوصلے پست کر رکھے تھے اس بنا پر موجودہ قریشی لشکر کے سپہ سالار کی بیوی ہند (امیر معاویہ رضؓ کی ماں) نے جُبیر کے حبشی غلام وحشی کو جو حربہ اندازی (JAVELIN THROW) میں کمال رکھتا تھا حضرت حمزہ رضؓ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ اقرار ہوا کہ اِس کارگزاری کے صلہ میں وہ آزاد کر دیا جائے گا۔ لہٰذا وہ انہی کی تاک میں تھا اور آخر کار ایک بزدلانہ حملہ کے ذریعہ "قاتلِ حمزہ رضؓ" ہو ہی گیا۔ (پھر ان کی نعش وحشی اور ہند کے ہاتھوں اور بھی بگاڑ دی گئی تھی!)

کفار کے علمبردار لڑ لڑ کر گرتے جاتے مگر ایک علمبردار کی جگہ دوسرا حاضر ہوتا جاتا! اس طرح ابو شیبہ کے بعد صوآب نے اور صواب کے بعد ایک بہادر عورت عمرۃ بنت علقمہ نے سنبھال لیا تو اور بھی قریشیوں کی ہمت بندھ گئی۔

(۴) رسول کریمؐ نظر آگئے! اتنے میں اُدھر کعب بن مالک رضؓ کی نظر رسول اللہؐ پر پڑتی ہے کہ وہ حملہ آوروں کے بیچ میں لڑ رہے ہیں چاروں طرف سے نا امید صحابہ رضؓ جو جنوبی تیہ بن کر منتشر تھے اب پلٹ کر غصہ میں جل بھُن کر آنے لگے! ابو سفیان بے تاب پھر رہا تھا۔ رسول کریمؐ پر حملہ کرتا مگر ناکام رہ جاتا۔ اسی اثناء میں دور سے حنظلہ رضؓ نے تاکا۔ تاک کر بجلی کی طرح ابو سفیان کی طرف لپکا۔ اس کے گھوڑے کی گردن اڑا کر ابو سفیان پر چڑھ بیٹھا اور اس کا گلا کاٹنے ہی جا رہا تھا کہ قریشی نیزوں نے حنظلہ رضؓ کو چھلنی کر ڈالا۔ ابو سفیان جھٹ ایک دوسرے گھوڑے پر جان بچا کر بھاگا ــــ یہ حنظلہ رضؓ (غسیل الملائکہ)

ابو عامر راہب کا بیٹا تھا جس کی شادی ایک روز قبل ہوئی تھی!

جب صحابہؓ رسولِ کریمؐ کی طرف پلٹے تو قریشی فوج کو بھی اُس نقطہ کا پتہ مل گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب دشمن کے پیدلوں، سواروں اور تیر اندازوں نے سخت دھاوا کیا۔ آپؐ پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ، زبیرؓ اور طلحہؓ وغیرہ سپر بنے ہوئے تھے۔ حضرت ابو طلحہؓ اور سعدؓ بن ابی وقاص جیسے ماہر تیر اندازوں نے تیروں کی بارش بھی کی اور رسولِ کریمؐ کی حفاظت بھی۔ حضورؐ کی حفاظت کرتے کرتے ابو طلحہؓ کا ہاتھ شل ہو گیا تھا مگر منہ سے "اُف" تک نہ نکلتی تھی۔ اس جانبازی سے خوش ہو کر حضورؐ نے فرمایا تھا: "فوج میں ایک ابو طلحہؓ کی آواز سَو آدمیوں سے بہتر ہے"۔

(۵) حملہ کی نئی ترکیب اور رسولِ کریمؐ مجروح

سہ پہر کا وقت تھا۔ ابو سفیان نے دیکھا کہ مسلمانوں کا استقلال اب تک باقی ہے! میدان میں بات کوئی بنتی نظر نہیں آتی اگر یہی صورت قائم رہی تو رات آ پہنچے گی اور ہماری موت خود ہی ہو جائے گی ۔۔۔ لہٰذا اُس نے اپنے افسروں کو یہ حکم دیا کہ فلاں طرف محمدؐ لڑ رہے ہیں۔ ان کو ان کے ساتھیوں سے الگ کرنے کی کوشش کرو اور ساتھیوں کو بھی دوڑ دوڑ کر الگ الگ دائروں (CIRCLE S OR TRAPS) میں لے لو اور کھودے ہوئے گڑھوں سے بھی کام لو۔ پھر تنہا ان پر حملہ کر بیٹھو ۔۔۔ چنانچہ اب یہ نئی ترکیب عمل میں لائی گئی۔ مسلمان بے سر و سامانی کے ساتھ ساتھ تعداد میں بھی تھوڑے تھے جبکہ مقابل میں سینکڑوں گھوڑ سوار امڈ ہزاروں کا ہجوم! دائرے اور حلقے بننے لگے۔ گویا دریا کی بساط پر بہت سے بھنور پیدا ہو گئے۔ اِس طرح ذاتِ اقدسؐ پر شدید حملے ہوئے۔ جھولیوں میں پتھر بھر کر گوپھن (SLING) کے ذریعہ سنگباری ہوئی۔ ابن شہاب نے آپؐ کی پیشانی خون آلود کر دی۔ عتبہ بن ابی وقاص نے (جو بھائی تھے سعدؓ بن ابی وقاص کے جو مسلم فوج کے مقدمۃ الجیش میں رکھے گئے تھے) تابڑ توڑ چار پتھر کھینچ کھینچ کر مارے جن سے آپؐ کے نیچے والے دو دانتوں کے بغل کا پوگھڑ ٹوٹ گیا اور نیچے کا ہونٹ پھٹ گیا۔ اتنے میں ابن قمیۃ (جس نے مصعب بن عمیرؓ کو شبیہ کیا تھا اور افواہ محمدؐ کے بارے میں اڑ گئی تھی) دندناتا ہوا آنحضرتؐ کے قریب پہنچ گیا اور تلوار کا وار کیا تو بیچ میں اُمِّ عمارہؓ نے بڑھ کر وار کو روک لیا اور زخم کھانے پر بھی تلوار سے وار کیا مگر وہ دوہری زرہ پہنے ہوا تھا اس لیے کارگر نہ ہوا۔ ابن قمیہ کے ایک وار سے مغفر کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں

اتفاق سے اُسی مقام پر ابو عامر راہب کا کھدوایا ہوا خس پوش گڑھا تھا جس میں آپ کا قدم مبارک چلا گیا۔ گڑھے کے اندر بھی پوشیدہ طور پر سنانیں اور خنجر کھڑی کر دی گئی تھیں جن سے آپ کچھ مزید مجروح ہوئے۔ آپ کے جاں نثاروں نے آپ کو گڑھے سے نکال کر دائرے میں لیے ہوئے (خصوصاً حضرت طلحہؓ) نرغۂ اعداء سے بچاتے ہوئے، سینہ و بازو پر زخم کھاتے ہوئے عسکر اسلامی (کیمپ) کے دہانے کی طرف ایک پہاڑی غار تک لے گئے (نقشہ نمبر 'د' اور 'ز' دیکھیے) طلحہؓ کی انگلیاں شہید ہو گئیں مگر کسی کو قریب نہ آنے دیا۔ چونکہ یہ غار سطح زمین سے چار فٹ بلندی پر تھا اور آپؐ دُہری زرہ پہنے ہوئے تھے۔ اس لیے بوجھ کے باعث اُچھل کر خود نہ پہنچ سکتے تھے تو طلحہؓ نے گھٹنے ٹیک دیے اور آپؐ پشت کا سہارا لے کر پہنچ گئے۔ (آپ کے نمایاں کاموں کی بدولت حضرت عمرؓ زندگی بھر طلحہؓ کو "صاحبِ اُحد" کہتے رہے۔ یہ محفوظ غار اتنا بڑا ہے کہ جس میں ایک آدمی آرام سے لیٹ سکتا اور متعدد لوگ اس کے بازو بیٹھ سکتے ہیں۔ اُسی حالت میں آپ کی زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ "وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جو اپنے نبی کو زخمی کرے؟" جس پر بعد میں اللہ نے تنبیہ کی تھی کہ فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ اِس کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے! (آلِ عمران)

(۶) گوشۂ تیمارداری

زخمی حالت میں مغفر کی کڑیاں چبھی ہوئی تھیں اور آپؐ پہاڑی کی طرف چلے جا رہے تھے کہ اُبی ابن خلف گھوڑے پر سوار بھالا تانے ہوئے نبیؐ کا نام لے لے کر پکارتا ہوا آیا اور اُس نے وار کر دیا۔ آپ اس وقت نہتے تھے مگر آپ نے کسی پینترے سے نیزہ اس کے ہاتھ سے چھین کر ایسا مارا کہ وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اس وقت تو نہ مرا مگر زخم ایسا کاری تھا کہ واپس جاتے وقت راستے میں مر گیا۔ اِسی طرح ایک اور قریشی پہلوان عبداللہ بن حُمید جو اپنی شجاعت کی وجہ سے 'اَسدِ قریش' کہلاتا تھا۔ پہاڑی کی طرف رسول اللہؐ کو قتل کرنے کے لیے للکارتا ہوا گھوڑے پر آیا۔ سننا تھا کہ فوراً ابودجانہؓ اُس پر جا پڑے۔ گھوڑے کی پیٹھ ہی پر سے اُسے دبوچ کر پچھاڑا اور بکری کی طرح ذبح کر ڈالا۔ اب اُسی غار میں مغفر کی دونوں چبھی ہوئی کڑیاں ابو عبیدہؓ ابن الجراح نے (جو مقدمۃ الجیش میں تھے) اپنے دانتوں سے نکالیں مگر اپنے دونوں سامنے والے دانت

کھو بیٹھے۔ رسولِ کریمؐ کو پیاس کی شدت تھی۔ پہاڑ ہی کے اوپر کسی چٹانی گڑھے سے جہاں تھوڑا پانی جمع تھا (مگر صاف نہ تھا) حضرت علیؓ اپنی سپر میں بھر کر لائے۔ اتنے میں آنحضرتؐ کے متعلق افواہ سن کر فاطمہؓ (آپؐ کی دختر) مدینہ سے بے تابی کے ساتھ آ پہنچیں۔ دیکھا کہ ابھی تک چہرۂ مُبارک سے خون جاری ہے۔ اُس پانی کو رسولِ کریمؐ پی تو نہ سکے لیکن اُس سے آپؐ نے کُلّی کی اور لب کے خون کو صاف کیا۔ حضرت فاطمہؓ چہرۂ مبارک دھو رہی تھیں۔ جب خون نہ تھما تو بالآخر کھجور کی ایک چٹائی جلائی گئی اور آپ کا زخم اُس سے بھر دیا گیا (اُخِذَ حَصِیْرٌ فَاُحْرِقَ فَحُشِیَ بِہٖ جُرْحُہٗ) جس سے خون فوراً تھم گیا۔ معلوم ہوتا ہے اُس غار کی پشت پر عسکرِ اسلامی کے ایک محفوظ گوشہ میں زخمی سپاہیوں کو بھی لا کر رکھا گیا تھا کیونکہ تواریخی بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ عورتیں (حضرت عائشہؓ، اُمِّ سلیمؓ، اُمِّ سُلیطؓ وغیرہا) دُور سے پانی بھر بھر کر لا رہی تھیں۔ اور قریب ترین پانی کے ذخیرے وہی دو چشمے تھے جو نخلستان کے قدموں میں تھے جن میں قدرتاً صاف پانی بھرا رہتا تھا۔ یہ بھی کم از کم نصف میل کی دوری پر تھے (دیکھیے نقشہ نمبر 'د' اور 'ن') چنانچہ صاف پانی کی تلاش میں پہلے محمدؓ ابن مسلمہ (کعب ابن اشرف کے قاتل) اُن خواتین کے پاس گئے جو زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ مگر اتفاقاً ان کے مشکیزے بھی خالی ہو گئے تھے (مشکیزوں کا رواج تو حضرت حاجرہ ہی کے وقت سے معروف تھا) اس لیے ایک مشکیزہ لے کر خود ہی چشموں تک گئے اور بھر کر صاف پانی لائے تو آنحضرتؐ نے نوش فرمایا!

(۷) خالد و ابوسفیان متاثر

خالد نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ جو جنگی چال چلی تھی وہ ایک حد تک کامیابی کا باعث بنی۔ بلکہ اسی نے لڑائی کے پانسہ کو بھی پلٹ دیا تھا مگر مسلمان جانبازوں خصوصاً محمدؐ کا یہ ضبط، یہ اطمینان، اور یہ صبر دیکھ کر اُس کا دل پکار اُٹھا کہ "تو کس ہستی سے معرکہ آرا ہوا ہے! یہ ضبط و اطمینان پیمبر کے سوا کسی اور سے ناممکن ہے! بشر کتنا ہی صابر ہو اس میں یہ شان کہاں!" اِن ہی خیالوں میں وہ اُلجھ کر رہ گیا اور اس زبردست عملی نمونے کو میدانِ جنگ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ اِسی تاثر سے اُس کے دل کی گہرائیوں میں اِسلام نے گھر کر لیا۔ پھر کچھ دنوں بعد اسے اِسلامی کیمپ میں کھینچ لایا۔

پراگندگی کی صورت میں مسلمانوں کا پھر مجتمع ہو کر باقاعدہ جنگ کرنا مشکل تھا مگر پھر بھی جب حق نے میدان میں دوبارہ استقلال و استقامت کا نمونہ پیش کیا تو ابوسفیان کے دل پر بھی خوف کا سکہ جم گیا اور عارضی غلبہ کی صورت کو غنیمت جان کر اپنی فوج معرکہ کارزار سے ہٹا لی۔

(۸) ابوسفیان کا چیلنج

سلامتی کی خبر پا کر مسلمان سپاہی غار کی طرف چڑھنے لگے۔ غار والی پہاڑی پر مسلمانوں کے ہجوم کو دیکھ کر ابوسفیان سے نہ رہا گیا۔ وہ چند سپاہیوں کے ساتھ پھر اس پہاڑی کی طرف بڑھا اور چڑھنا چاہا۔ مگر صحابہؓ نے مل کر وہ سنگ باری کی کہ وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اتر کر غالباً مغربی جانب مقابل پہاڑی پر چڑھ گیا (دیکھیے نقشہ نمبر 'ز') اور پکارا "یہاں محمد ہیں؟" جواب نہ پاکر ابوبکرؓ اور عمرؓ کو نام لے لے کر پکارا۔ جب آواز نہ آئی تو بولا "سب مارے گئے!" حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ بول اٹھے، "او دشمنِ خدا ہم سب زندہ ہیں!" اس کے بعد ابوسفیان نے ہُبل و عُزّیٰ بتوں کا نام لے لے کر اظہارِ تفاخر کیا جس پر رسولِ خدا کے حکم سے صحابہؓ نے خدائے تعالیٰ کے نام کو سربلند کیا۔ ابوسفیان نے چیلنج دیا کہ آئندہ سال پھر بدر ہی میں تم سے ہمارا مقابلہ ہوگا۔ صحابہؓ نے جواب دیا کہ یہ دعوتِ جنگ منظور ہے۔ —— ابوسفیان مع چند سپاہیوں کے اب پہاڑی موڑ کے ایک ایسے مقام پر تھا (دیکھیے نقشہ نمبر 'د' اور 'ز') جہاں سے اس کا کیمپ بھی آڑ میں ہونے کی وجہ سے نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اور تقریباً ۱½ میل کی دوری پر تھا۔ اسی لیے میدان بھی خالی نظر آنے لگا۔ سب ساتھی کیمپ کی طرف چلے گئے تھے شام ہونے والی تھی (جس کا ڈر اس کے دل میں پہلے سے تھا) لہٰذا اب وہ میدان خالی کر کے اپنے کیمپ کی طرف چلا گیا اور خیموں کے اکھاڑنے کا حکم دے دیا۔

(ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب 'عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ' سے بھی استفادہ کیا گیا)

قتال کے بعد شہادت گاہ کا منظر

(۱۱ شوال ۳ھ) کی شام کو اُحد کی وادی ایک ناقابلِ فراموش ٹریجک سین پیش کر رہی تھی —— (استفادہ از شاہنامہ اسلام۔ حفیظ جالندھری) کہیں بازو، کہیں سر، کہیں خون آلودہ تن، کہیں تیر و کمان کے ٹکڑے، کہیں شمشیر کے قبضے، کہیں میانیں، کہیں ٹوٹے ہوئے نیزے، کہیں ٹوٹی ہوئی

ڈھالیں، کہیں چھوٹے ہوئے مِغفر، کہیں زرہیں، عجیب منظر تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اُس ریگ و سنگ کے خطّہ میں جَبلِ اُحُد کے خشک پہاڑ کے دامن میں تیغ و خنجر کا کھیت پھلا پھولا ہے جس میں کہیں کہیں مقتول گھوڑے بھوری بھوری ریت کے ٹیلے سے نظر آ رہے تھے جہاں ابھی چند گھنٹے پیشتر ایک ہنگامۂ محشر بپا تھا۔ وہاں اب ایک عالم خاموشی اور عبرت کی مدہوشی مسلط تھی! اِسی خاموش وادی میں اُن ستّر شہداء کے خون آلود لاشے بھی پڑے تھے جو اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر یہاں آئے تھے۔ گو اس وقت فرشِ خاک پر وہ سو رہے تھے مگر ان کا مقدر جاگ اُٹھا تھا! کچھ لاشے جَبلِ رُماۃ کے قرب و جوار میں پڑے ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک حمزہ رضؓ کی لاش شہادت گاہ کی نہ صرف نگہبانی کر رہی تھی بلکہ جبل الرماۃ کے دامن میں تیر اندازوں کی غلطی کی شہادت بھی خاموشی کے ساتھ دے رہی تھی! اِس شہادت گاہ میں زیادؓ بن مسکن بھی پڑے ہوئے تھے جنہوں نے جان دیتے دیتے اپنے رُخسار رسولِ کریمؐ کے تلوؤں سے لگا دیے تھے۔ اِسی شہادت گاہ میں سعدؓ بن ربیع کی ہستی بھی تھی جنہوں نے جان توڑتے توڑتے رسولِ کریمؐ کی خدمت میں اپنا آخری سلام بھیجا اور اہلِ اسلام کو یہ پیغام کہ ”جب تک ایک جھپکنے والی آنکھ بھی تم میں سے باقی رہے اُس وقت تک اگر دشمن نبیؐ تک پہنچ گیا تو خدا کے حضور میں تم کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے۔“ (طبری)

آنحضرتؐ کی پھوپھی صفیہؓ بنت عبدالمطلب (حمزہؓ کی بہن اور زبیرؓ کی ماں) جب مدینہ سے اس شہادت گاہ کی طرف آئیں تو آنحضرتؐ کے اشارہ پر زبیرؓ نے حمزہؓ کی نعش دیکھنے سے روکا۔ لیکن پر استقلال مومنہ نے کہا: ”مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کی لاش بگاڑ دی گئی اور اُس کی بے حرمتی کی گئی ہے۔ لیکن یہ تو ہمارے لیے فخر کا مقام ہے۔ خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔ بیٹا! میں نہ روؤں گی، نہ چلاؤں گی۔ صرف دُعا پڑھ کر لوٹ جاؤں گی۔“ چنانچہ لاش دیکھ کر ”اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ“ کہہ کر چپ ہو رہیں اور مغفرت کی دُعا کی (طبری)

بنو دینار کی ایک عورت کے باپ، بھائی اور شوہر سب کے سب اس شہادت گاہ میں خاموش سو رہے تھے۔ جب محمدؐ کے متعلق افواہ سن کر وہ مدینہ سے آئی اور باری باری تین مذکورہ حادثوں کی خبر اس کے کانوں میں پڑی تو وہ ہر بار صرف یہی پوچھتی کہ ”رسول اللہؐ کیسے ہیں؟“

لوگوں نے کہا "بحمد اللہ وہ تو بخیریت ہیں"۔ جب اُس کی نگاہ چہرۂ مبارک پر پڑی تو بے اختیار پکار اُٹھی۔ "کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ" (آپ زندہ ہیں تو اب ہر مصیبت ہیچ ہے) (طبری)

ہر خاندان اپنے اپنے شہداء کی تلاش و شناخت میں تھا کہ خاندان عبد الاشہل کے لوگ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جگہ اُصیرم رضی اللہ عنہ بن ثابت ہچکیاں لے رہے ہیں۔ دریافت پر پتہ چلا کہ بالکل آخر میں اسلام لا کر شامل ہو گئے تھے! لوگ انہیں گھر اُٹھا لے گئے (وہاں انتقال فرما گئے۔ جسے سُن کر آنحضرت ؐ نے فرمایا تھا؛

عَمِلَ قَلِیْلًا وَّ اَجْرًا کَثِیْرًا فَاِنَّہٗ لَمَنْ وَصَلَ اَلْجَنَّۃَ۔ — انہوں نے عمل تھوڑا کیا مگر اجر بہت پایا اور وہ یقیناً جنت میں داخل ہوں گے۔

شام ہو رہی تھی ابھی تدفین باقی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تو جبل الرّماۃ کے دامن ہی میں سپردِ خاک کر دیا گیا (دیکھیے سابق مدفن حمزہ رضی اللہ عنہ — نقشہ نمبر "د") یہ ایک خاص مقام تھا۔ رسولِ کریم ؐ نے انہیں "سیّد الشہداء" کا خطاب عطا فرمایا تھا (سیلاب کے بعد بھی ان کا موجودہ مقبرہ باقی شہداء کے مقبروں سے علیحدہ رکھا گیا ہے) (دیکھیے نقشہ نمبر "د") رہ گئے بقیہ ۶۹ تو ان کے لیے قبریں کھودی گئیں اور ایک ایک قبر میں دو دو رشتہ داروں کو دفن کیا گیا۔ اُن بیش قیمتی خزانوں کو دفن کر کے رسولِ کریم ؐ نے دُعائے مغفرت کی اور مدینہ کا رُخ کیا۔ نمازیں تو میدان ہی میں ادا ہوتی رہیں۔ عشاء کی نماز مدینہ کی مسجد میں پڑھی گئی۔ آنحضرت ؐ اُحد سے پلٹے تو سیدھے مسجد ہی میں داخل ہوئے اور بہت سے زخمی صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ساتھ ہی داخل ہوئے۔ نماز کے بعد آگ جلا کر ایک دوسرے کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے۔ دوسرے مجاہدین مثلاً بنی عبد الاشہل و بنی حارثہ وغیرہ کو گھر جا کر تیمارداری کی اجازت دے دی تھی (بنی عبد الاشہل کے لوگ زیادہ شہید بھی ہوئے تھے اور زیادہ مجروح بھی) یہ لوگ جب مدینہ میں داخل ہوئے تھے تو تمام مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ اور نوحہ کی رسمِ بد کے مطابق عورتیں زور زور سے چیختی چلّاتی تھیں۔ آپ ؐ نے اُسی دن سے یہ رسمِ بد بند کر دی اور فرمایا کہ آج سے کسی مُردہ پر نوحہ نہ کیا جائے۔

مسلمان تو غم زدہ تھے۔ لیکن یہود و منافق شاد و خنداں تھا! منافقین طرح طرح کے طعن و تمسخر اُڑا رہے تھے۔ مثلاً یہ کہ "ہماری صائب رائے کسی نے نہ مانی"! "یہ مہاجرین تو

ایک بھاری مصیبت ساتھ لائے ہیں"۔ "اِن مجرموں کو ہم نے خواہ مخواہ اپنے اوپر مسلط کر لیا" اور "آثار بتا رہے ہیں کہ اور بھی بھاری مصیبت آنے والی ہے"۔ مگر اِن ساری نفاق کی باتوں نے مخلصین کو ذرا بھی قنوطیت کا شکار نہ ہونے دیا۔

یہ ہے داستانِ اُحُد! جسے ۳ سال بعد جنگِ خیبر سے واپس ہوتے ہوئے دیکھ کر رسولِ کریمؐ نے فرمایا:

هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ — یہ ایک پہاڑ ہے جس کو ہم سے محبت ہے اور ہمیں اُس سے محبت ہے۔

رسولِ کریمؐ ہر سال شہدائے اُحُد کی قبروں کی زیارت فرمایا کرتے تھے۔ جب وہاں داخل ہوتے تو شعب (گھاٹی یا وادی) کی طرف رُخ کر کے فرماتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ — تم لوگوں پر سلام۔ تمہارے صبر واستقامت کے صلہ میں کیا خوب ہے دار الآخرت۔

آپؐ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین بھی اسی طرح ہر سال ان قبور کی زیارت کرتے تھے۔

نتائج واسباق

واقعاتِ میدان کے مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ جنگ دراصل ایک نا تمام جنگ رہی۔ اس میں کسی کو نہ صاف صاف فتحمند کہا جا سکتا ہے نہ مکمل شکست خوردہ۔ نہ کسی فریق کا کوئی آدمی دوسری طرف قید ہوا البتہ دونوں طرف نقصانات ضرور ہوئے۔ اور مسلمانوں کے ستر شہداء میں سے زیادہ تو جبل الرماۃ کی غلطی کرنے والوں ہی کی تھی! اگر وہ غلطی نہ کرتے تو شاید جنگِ بدر سے بھی کم شہداء نظر آتے (حالانکہ معرکہ زیادہ زبردست تھا) اور جنگ کا اختتام صاف صاف فتح کی شکل میں ہوتا! دوسری حیثیت سے دیکھا جائے تو پہلے رسولِ کریمؐ ہی کی مختصر جمعیت کا پلّہ بھاری رہا۔ یہاں تک کہ ابوسفیان کیمپ تک دبا دیا گیا۔ مگر رسولِ کریمؐ بھی اس کے لشکر پر اس وقت مکمل قابو نہ پا سکے کیونکہ جبل الرماۃ والوں نے حکم عدولی کی اور خالد کے رسالہ نے عقب سے حملہ کر کے میدان کا نقشہ بدل دیا۔ دونوں طرف سے پس جانے کے بعد بھی رسولِ کریمؐ نے صبر واستقامت کا دامن نہ چھوڑا یہاں تک کہ جب ابوسفیان آپؐ کے کیمپ تک پہونچ گیا تب بھی وہ آپؐ پر مکمل قابو نہ پا سکا اور بلا کسی ظاہری سبب کے اپنے آپ میدان چھوڑ کر قریشی کیمپ کی طرف لوٹ گیا اور کوچ کی تیاری

کردی۔ اس جنگ سے اندرونی فائدہ کیسے پہنچا اور کون ہارا کون جیتا؟ اس کا انکشاف ذیل کی سطور سے خود بخود ہو جائے گا۔

ایک خاص طرزِ فکر پر جو جماعت ابھی تازہ تازہ بنی تھی اُس کی تربیت بھی مکمل طور پر نہ ہو سکی تھی کہ یہ جنگِ مدافعت سر پر آ پڑی۔ لازماً بعض کمزوریوں کا بھی ظہور ہوا۔ لہٰذا اس جنگ کے بعد ہی قرآن کریم کی جو آیات نازل ہوئیں (سورہ آل عمران میں تیرھویں رکوع سے ختم سورۃ تک) اُن میں اللہ تعالیٰ نے خود اِس جنگ پر ایک مفصل تبصرہ کیا ہے اور اسلامی نقطہ نظر سے ساری کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اصلاح کی ہدایت کی ہے۔ اُس ہدایت کی روشنی میں مندرجہ ذیل حقائق پر خصوصاً غور کرنے کی ضرورت ہے:

(۱) اس جنگ نے تطہیر کی ایک پُرامن راہ نکالی —— عبداللہ بن اُبی کے رویہ نے میدانِ جنگ کے عین دروازے پر پہلی ضرب کاری لگائی۔ پھر بقیہ جماعت میں بھی منافقین کی ایک چھوٹی سی پارٹی شامل رہی جس نے دورانِ جنگ میں مسلمانوں کے درمیان فتنہ برپا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اِس جنگ نے یہ معلوم کرنے کا پہلا موقعہ دیا کہ اپنے گھر میں اتنے مارِ آستین موجود ہیں جو باہر کے دشمنوں سے مل کر اپنے بھائی بندوں کو نقصان پہنچانے پر تُلے ہوئے ہیں۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (آل عمران: ۱۶۶-۱۶۷)	اور جو نقصان لڑائی کے دن تمہیں پہنچا وہ اللہ کے اذن سے تھا۔ اور اس لیے تھا کہ اللہ دیکھ لے کہ تم میں سے مومن کون ہیں اور منافق کون۔
وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ (آل عمران: ۱۵۴)	یہ تو اس لیے تھا کہ جو کچھ تھا تمہارے سینوں میں پوشیدہ اُسے آزمالے اور جو کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اُسے چھانٹ دے۔
وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ (آل عمران: ۱۴۰)	یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لیے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ (آل عمران: ۱۷۹)

سچے مومن کون ہیں اور اُن لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی شہداء ہیں (یعنی شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ) اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ چھوڑ رکھے گا جس میں تم اس وقت پائے جاتے ہو۔ وہ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کرکے رہے گا

لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۳۹)

دل شکستہ نہ ہو۔ غم نہ کرو۔ تم ہی غالب رہوگے اگر تم مومن ہو۔

(۲) شہادت کے متمنی لوگوں کے لیے (جن کے اصرار پر رسولِ کریمؐ نے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا) امتحان، آزمائش و تجربہ کا موقع بہم پہنچا۔ وہ اللہ کی راہ میں مرنے کو سعادت سمجھتے تھے۔ عقیدہ کا یہ ہتھیار کامیابی کا اصل سبب تھا۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ آل عمران: ۱۴۳)

تم توموت کی تمنائیں کررہے تھے! مگر یہ اس وقت کی بات تھی جب موت سامنے نہ آئی تھی۔ لو اب وہ تمہارے سامنے آگئی اور تم نے اسے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا)

(۳) ذمّہ دار کے احکام کی نافرمانی فوجی ڈسپلن کی خلاف ورزی تھی ـــ رسول اللہؐ نے اپنی کم تعداد والی فوج کو جمع کرنے کے لیے نہایت عمدہ جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ پشت میں اُحُد کا سلسلہ خود ایک قدرتی دیوار تھا جو فوج کو گھیرے ہوئے تھا۔ بالائی سطح سے آنحضرتؐ کو نیچے کی طرف دُشمن کی نقل و حرکت صاف صاف دکھائی پڑتی تھی اور حملہ کرنے میں بھی آسانی تھی۔ اِس پوزیشن کی وجہ سے مسلمانوں کا کم نقصان ہوا۔ اگر جبل الرُّماۃ والوں کی غلطی نہ ہوتی تو شاید یہ نقصان صِفر کے برابر ہوتا ـــ بھگدڑ میں تیر اندازوں ہی کی زیادہ تعداد موت کا شکار ہوئی! پہاڑی پر وحشی کو گھات لگانے کا موقعہ ملا اور ایک اولوالعزم جانباز (حمزہؓ) کی جان گئی اور رسولِ کریم مجروح ہوئے۔ جس کا احساس خود شکا یہ جنگ کو ہوا۔" اللہ نے

جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اُس نے پورا کر دیا۔ ابتدا میں اس کے اذن سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے۔ مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا اور جونہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ تب اللہ نے تمہیں ان کے مقابلہ میں پسپا کر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے ـــ یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہ تھا اور رسول تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا۔ اُس وقت تمہاری اِس روش کے بدلے میں اللہ نے تمہیں رنج پر رنج دیے تاکہ آئندہ کے لیے تمہیں سبق ملے۔ اور جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر ملول نہ ہو۔ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔" (آلِ عمران)

(۴) **توکل علی اللہ کا سبق** ـــ سامان بھی کم اور فوج کی تعداد بھی بے حد کم۔ صرف اللہ پر توکل دشمن کے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کو کھینچ لے گیا۔ اور آخر معرکہ تک رسولِ کریم ؐ نے اس کا مظاہرہ کیا۔ بلکہ اپنے صحابیوں ؓ کو بھی ابو سفیان کے جواب میں اللہ ہی کی بڑائی بیان کرنے پر اُکسایا۔" اور دین کے کام میں ان کو بھی شریکِ مشورہ رکھو۔ البتہ جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کے بھروسہ پر کام کرتے ہیں۔ اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو۔ پس جو سچے مومن ہیں ان کو اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔" (آلِ عمران)

" لہٰذا آئندہ تم اُن سے نہ ڈرنا۔ مجھ سے ڈرنا۔ اگر تم حقیقت میں صاحبِ ایمان ہو۔ اے پیغمبر ؐ جو لوگ کفر کی راہ میں بڑی دَوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ اُن کی سرگرمیاں تمہیں آزردہ نہ کریں۔ یہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اُن کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہ رکھے۔ بالآخر ان کو سخت سزا ملنے والی ہے۔" (آلِ عمران)

(۵) صبر اور خدا ترسی کی کمی تھی جس کی بنا پر ڈیوٹی چھوڑ کر تیر انداز غنیمت کی طرف دوڑے تھے۔ مگر جن صحابیوں میں یہ صفات موجود تھیں انہوں نے ان کا مظاہرہ کیا اور رسولِ کریم ؐ تو آخر دم تک اپنے عمل سے ثبوت دیتے رہے!

وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ
(آل عمران: ۱۸۶)

اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے

(۶) موت کا ڈر کمزوری کی جڑ ہے۔ اسلامی تحریک کی بقا کا مدار کسی شخصیت سے وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے خالص اصولوں پر ہے۔ جب یہ غلط خبر مشہور ہوگئی کہ آنحضرت ؐ شہید ہوگئے تو جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ یہ بالکل غلط رویہ تھا۔ موت کے خوف سے بھاگنا فضول ہے۔ موت تو اٹل ہے اور اپنے وقت ہی سے آئے گی۔ اس حالت میں دی ہوئی مہلت کے ایک ایک سکنڈ کو اللہ کی ہی راہ میں لگا دینا چاہیے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا
(آل عمران: ۱۴۴-۱۴۵)

محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا۔ البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا۔ کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا۔ موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔

(۷) مذکورہ بالا حیثیتوں سے اعتراف کرنا پڑے گا کہ اُحد کی وادی اس تازہ جماعت کی تربیت کا نہ صرف پیش خیمہ بنی بلکہ ایک انوکھی عملی تجربہ گاہ (UNIQUE PRACTICAL LABORATORY) ثابت ہوئی۔ پھر کیوں نہ رسولِ خدا کو اس تربیت گاہ سے محبت ہوتی؟

(۸) خالد بن ولید متاثر ہوتا ہے ــــ مقابل فریق کے ایک ذہین افسر (خالد بن ولید) نے اسلامی جماعت کے مظاہرہ میں خصوصاً اس کے بلند سیرت اور عالی ظرف رہنما کے استقلال کا بغور مطالعہ کیا جو اپنی شخصیت کا پورا سرمایہ آج اس وادی میں نگار ہا تھا اور اس کے طرزِ عمل سے یہ حقیقت پوری طرح نمایاں ہو چکی کہ وہ اس جنگ کو انتہائی کامیابی کی منزل تک

پہنچانے کے لیے پختہ عزم رکھتا ہے اور اسی لیے مقصد کی راہ میں ہر خطرے کو انگیز کرنے اور ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس سے وہ بے حد متاثر ہو کر واپس ہوا! اسی طرح ابو سفیان بھی کچھ کم متاثر نہ ہوا ہوگا؟

یہ ہیں وہ سبق آموز حقائق جن پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ ان سے سبق لے کر عمل کی ضرورت ہے۔ اللہ نے تو خود وعدہ فرمایا ہے:

"میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے۔ ان سب کے قصور میں معاف کردوں گا اور انہیں ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے تحت نہریں جاری ہوں گی۔ یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا تو اللہ ہی کے پاس ہے"۔
(آل عمران)

سریّہ حمراء الاسد (اتوار ۱۲ شوال ۳ھ)
(ضمیمۂ اُحد)

یہ کوئی علیحدہ جنگ نہ تھی بلکہ تجسس کے لیے دشمن کا ایک تعاقب تھا جو اُحد کے بعد فوراً ہی کیا گیا۔ اس لیے اسے "ضمیمۂ اُحد" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

میدانِ اُحد سے سنیچر ہی کو ابو سفیان اور اس کا لشکر تقریباً سہ پہر کو نکلا اور ۷/۸ میل لمبی وادی العقیق کو پار کرتے ہوئے ذوالحلیفہ تک پہونچ کر (دیکھیے نقشہ نمبر "د") اُس نے کاروانی راستہ اختیار کیا (دیکھیے نقشہ نمبر "ب")۔ جس کے منازل میں حمراء الاسد کی منزل (مدینہ کے جنوبی حد، جبلِ عیر سے تقریباً ۸ میل کی دوری پر) آئی مگر وہاں نہ رُکا۔ بلکہ چلتے چلتے کچھ رات گئے آگے رَوحاء میں ٹھہرا۔ لشکر کے لوگ تھک کر بہت ہی خستہ حال ہو چکے تھے رات بھر آرام کیا۔

قریشی تبصرہ

جنگِ اُحد پر اللہ نے تو بعد میں تبصرہ والی آیات نازل کیں مگر کوچ کرتے ہی قریش کا سپہ سالار طرح طرح کے خیالات میں غلطاں و پیچاں چلا جا رہا تھا۔ اسی کش مکش اور الجھن میں رات تو کسی طرح کاٹ دی مگر صبح آگے نہ بڑھا۔ ایک طرف تو سب کھانے پینے کے انتظام میں مصروف ہو گئے۔ دوسری طرف قائدین نے اس "ناتمام جنگ" پر تبصرہ شروع کر دیا۔ آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے یہ کیا حرکت کی کہ محمدؐ کی طاقت کو توڑ دینے کا جو سنہرا موقع ہاتھ آیا تھا اُسے کھو کر چلے آئے۔ قریشِ مکّہ کے ساتھ دوسرے قبائل بھی تو شریک تھے۔ سارے قبائل ایک دوسرے پر الزام رکھنے لگے کہ محمدؐ کو قتل کیوں نہ کیا؟ لوگ مختلف افسرں

کے بھی شاکی تھے۔ بہتوں کو سپہ سالار ابوسفیان ہی کے متعلق شکایت تھی۔ معلوم نہیں قبائل کے سربراہوں نے کس کس طور پر لوگوں کو اُحد کے محاذ پر لا دھکیلا تھا۔ وہ الزام دے رہے تھے کہ تم نے تو ہمیں بڑی بڑی امیدیں دلائی تھیں۔ اب کیوں واپس پلٹا دیا؟ (طبری)

مسلمانوں کی جمعیت قائم ہے۔ ان کے عمائدین باقی ہیں (خصوصاً علیؓ کی سلامتی کا مدتوں رنج رہا۔ کیونکہ علیؓ نے بدر کے موقعہ پر ابوسفیان کے بیٹے اور عتبہ کے بیٹے ولید کو قتل کیا تھا اسی لیے ہندہ نے حمزہؓ کے علاوہ محمدؐ اور علیؓ کے قتل پر بھی وحشیؔ کو آمادہ کر رکھا تھا!) اور ہم گھر چلے جا رہے ہیں۔ غلبہ تو حاصل ہو چکا تھا لیکن ہم نے اس سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ چلو مدینہ کو لوٹیں اور محمدؐ کو قتل کریں (ابن سعد) اندرونی طور پر ابوسفیان بذاتِ خود حنظلہؓ کی ضرب کاری کے تصور اور اصحابِ محمدؐ کی جانبازی و سرفروشی سے بے حد مرعوب ہو چکا تھا۔ صرف ظاہراً طور پر کہہ رہا تھا کہ اگر سب کی یہی مرضی ہے تو میں بھی منہ نہ موڑوں گا۔ حالانکہ ہم نے بدر کا پورا پورا انتقام لے لیا ہے (محض دو ایک نعشوں کے اعضاء کاٹے جانے، محمدؐ کے زخمی ہو جانے اور دو تین عمائدین کے شہید ہو جانے پر لوگوں کو مطمئن کرنا چاہتا تھا) مدینہ سامنے ہے۔ ابھی ہم کچھ دور نہیں ہیں۔ مگر ہمارے بھی بہت سے آدمی زخمی ہیں۔ اگر جنگ میں پھر کوئی اُلجھاؤ پیدا ہو گیا تو بڑی مشکل ہو جائے گی اتنے میں مربّی صفوان ابن اُمیّہ نے قریش کو دوبارہ مدینہ کی طرف پلٹنے سے منع کیا اور اس طرح سمجھایا کہ اسی غلبہ کو غنیمت جانو۔ اندیشہ ہے کہ اوس اور خزرج کے وہ لوگ جو پیچھے رہ گئے تھے اب پھر نہ مجتمع ہوں۔ (طبری) ایک ہی دن کی بات تو تھی۔ میدانِ جنگ کا نقشہ بھی انہیں نہیں بھولا تھا کہ محمدؐ کی قلیل جمعیت نے پہلے ہی دھاوے میں قریش کے لشکرِ جرّار کو تتر بتر کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اصحابِ محمدؐ ان کے کیمپ تک جا گھسے تھے۔ یہ تو تیر اندازوں کی غلطی تھی کہ غنیمت کے چکر میں ٹیلہ خالی کر دیا اور خالد نے قریش کی عزت رکھ لی۔ اِس غلبہ کو غنیمت جاننے کی طرف صفوانؔ نے بھی نشاندہی کر دی تھی! اسی تذبذب میں قریش کا لشکر تھا اور اب تک فیصلہ نہ کر سکا تھا کہ مکہ واپس جائیں یا پلٹ کر مدینہ پر حملہ آور ہوں! ـــــ کیا یہ سارا تبصرہ اعترافِ شکست کا رنگ نہیں رکھتا؟

محمدؐ کے نزدیک تعاقب کی اہمیت دونوں فوجیں جس وقت میدانِ جنگ سے الگ

ہوئیں تو اصحاب محمدؐ بھی زخموں سے چور تھے۔ سنیچر کے روز اُحد کا اہم واقعہ پیش آیا تھا۔ دوسرے ہی دن (اتوار کی صبح) آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ کفار کے تعاقب میں چلنا ہے۔ یہ معلوم نہ تھا کہ کہاں تک اور کتنے دنوں کے لیے جانا پڑے؟ آپؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ صرف وہی لوگ نکلیں جو معرکہ اُحد میں شامل تھے۔ جسے توفیق ہو زادِ سفر بھی لے لے۔ حالانکہ بہت سے صحابہؓ کے پاس نہ تو سواریاں تھیں نہ اسلحہ۔ زخم خوردہ ہونے پر بھی سچے مومن 'لبیک' کہتے ہوئے خندہ پیشانی کے ساتھ نکلے۔ گو اُن میں سے بعض کو لنگڑاتے ہوئے ہی چلنا پڑا یا بمشکل تمام اونٹوں یا اپنے ساتھیوں کی پیٹھ پر لٹکنا پڑا۔

بظاہر جنگ اُحد کے بعد یہ فوری تعاقب بے موقع اور فضول سا معلوم ہوتا ہے! مگر ہادیٔ اسلام کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت تھی۔ کیونکہ آپؐ دیکھ رہے تھے کہ اُحد سے واپسی پر مدینہ میں منافقین اور یہود مسلمانوں کے نقصانات پر خوش ہو رہے تھے اور انہیں مغلوب سمجھتے ہوئے شیر ہوئے جا رہے تھے اور آئندہ ان کی طرف سے خطرہ بڑھ سکتا تھا۔ دوسرا اندیشہ یہ تھا کہ دشمن کی ۳ ہزار کی تعداد مدینہ کی مجموعی آبادی سے بھی زیادہ تھی۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ آور ہوں۔ اور مختصر سی فوج کو روندتے ہوئے قصبہ میں آگھسیں، آتش زنی و لوٹ مار کریں اور عام تباہی آجائے! لہٰذا آپؐ نے تعاقب میں عجلت فرمائی۔ اِس عجلت کا راز یہ تھا کہ قریش کو یہ احساس ہو جائے کہ محمدؐ مع اپنے اصحابؓ کے پھر مقابلے کے میدان میں نکل چکے ہیں اور وہ مدینہ پر دوبارہ حملہ کے پلان سے باز آجائیں۔ اور وہ یہ قطعی نہ معلوم کر سکیں کہ مسلمانوں کا حوصلہ پست ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی خود مسلمانوں کو ڈھارس ہو جائے کہ اِس تھوڑی سی مصیبت اور نقصان نے ہماری اولوالعزمی میں کوئی فرق نہیں ڈالا۔ تیسری اہمیت یہ تھی کہ اندرونِ شہر اور مضافات میں ہنسی اڑانے والوں پر دھاک جم جائے۔ چنانچہ جب زخمی مسلمان مدینہ سے قریش کے تعاقب میں چلے تو سارا مدینہ ان کی جرأت پر حیران تھا! کیونکہ یہ ایسی صورت حال تھی جس کی کوئی بھی توقع نہ رکھتا تھا ـــــ مختصر یہ کہ ہادیٔ اسلام کو اپنی اقلیت سے ایک بڑی اکثریت کے مقابلہ میں اِس انوکھے انداز سے کام لینا تھا جتنا بڑے سے بڑے انتظام سے بھی حاصل نہ ہو سکتا تھا! (جیسا کہ آگے معلوم ہوگا)

مَعبد خزاعی کا جاسوسانہ رول

بدر اور مکہ کے درمیان ساحلی علاقہ میں بنو خزاعہ رہتے تھے۔ اس قبیلہ نے اب تک اسلام نہیں قبول کیا تھا۔ لیکن اسلام کے حلیف اور راز دار تھے۔ جنگِ بدر کی اسلامی فتح سے بھی متاثر ہو چکے ہونگے۔ قریش اور عام کفار جو منصوبے اسلام کے خلاف بنایا کرتے تھے اس سے آنحضرتؐ کو وہ ہمیشہ باخبر کر دیا کرتے تھے۔ جنگ اُحد سے قبل جس وقت قریش کا لشکرِ جرار کاروانی جنکشن سے گزر کر مدینہ کی طرف مڑا ہوگا (دیکھیے نقشہ 'ب') آس پاس کے قبیلوں کو فوراً اس کی خبر ہو گئی ہوگی چنانچہ اِس قبیلہ خزاعہ کا رئیس معبد بھی چوکنا ہو کر جنکشن کے پاس کسی ساتھی کے ہمراہ مختلف خبروں کی ٹوہ میں رہا ہوگا اور تصدیق کے بعد مدینہ کی طرف بڑھا ہوگا۔ سنیچر کی سہ پہر کو میدان چھوڑتے ہی ابوسفیان نے آگے آگے کسی قاصد کو مکّہ کی طرف محمدؐ کی شکست کی خبر دے کر روانہ کیا ہوگا راستے میں سنتے ہی (ممکن ہے روحاء میں سنیچر کی رات ہی ملاقات ہوئی ہو جبکہ قریشی لشکر نے پڑاؤ ڈال دیا تھا) معبد غالباً قبا کی راہ سے جلد جلد مدینہ پہنچا اور ہمدردی میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ محمدؐ تیار ہو کر تعاقب میں اتوار کو نکلے (ممکن ہے معبد سے روحاء کی رپورٹ سننے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہو) اور ادھر پھر معبد کو قبا کی راہ سے واپس کر دیا ہو تاکہ وہ قریشی لشکر کی نقل و حرکت کی مزید خبر بہم پہنچائے۔

معبد واپس ہو کر جب اتوار کی سہ پہر کے قریب روحاء پہنچا تو قریشی عمائدین جنگِ اُحد پر تبصرہ کے بعد سے مدینہ پر دوبارہ حملہ کے متعلق مذبذب بیٹھے تھے۔ معبد کو مدینہ کی طرف سے جاتے ہوئے دیکھ کر مدینہ کے متعلق مزید خبروں کا اشتیاق پیدا ہوا۔ چنانچہ ابوسفیان نے اس سانڈنی سوار سے مدینہ کی خبریں دریافت کیں اور اپنا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ معبد کو بڑا اچھا موقعہ ہاتھ آیا اور اُس نے ابوسفیان کو اس طرح خوفزدہ کیا کہ —— "محمدؐ اِس سروسامان سے آرہے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے (بخاری) جب میں نکلا تو وہ لوگ چل چکے تھے۔ مدینہ والے کل کا بدلہ لینے کے لیے تم پر دانت پیس رہے ہیں اور جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ سب جمع ہو گئے ہیں اور ان لوگوں نے باہم قسم کھائی ہے کہ تمہارا پیچھا کریں گے اور بغیر تم سے دوچار ہوئے واپس نہیں پلٹیں گے (طبقات ابن سعد) میں سیدھا وہیں سے آرہا ہوں یثرب

طیش میں ہے۔ میں نے کسی کو نہ روتے دیکھا نہ سر پیٹتے (طبری) اب تمھارے لیے پلٹنے کا کوئی امکان نہیں بلکہ اس میں تباہی ہوگی! دیکھو اور سنو کہ گھوڑوں کی ٹاپیں تک سنائی دے رہی ہیں!" — یہ خبریں بیان کر کے مَعبد خزاعی بدر کے جنکشن کی طرف بڑھ گیا تاکہ ان کی آئندہ نقل و حرکت کی تفتیش کرے اور اپنے جاسوسانہ رول سے ہادیٔ اسلام کو نفع پہنچائے معبد خزاعی کی یہ باتیں ابوسفیان کے دل میں اس لیے اور بیٹھ گئیں کہ وہ اس کے قیاس اور صفوان ابن اُمیّہ کی رائے کے عین مطابق تھیں۔ چنانچہ سب کے سب سراسیمہ ہوئے اور ابوسفیان نے حکم دیا کہ خیمے گراؤ اور جلد یہ جگہ خالی کرو۔ سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے اونٹوں اور گھوڑوں کو ساتھ لے کر بھاگے۔

حمراء الاسد کی کیموفلاجنگ

دن بھر چل کر سہ پہر کے وقت جب آنحضرتؐ حمراء الاسد پہنچے (دیکھیے نقشہ نمبر ب) تو یہیں رُک جانا اس لیے مناسب سمجھا کہ مَعبد کے ذریعہ انہیں خبر رہی ہوگی کہ قریش کا لشکر تھوڑی دور آگے روحاء کے مقام پر خیمہ زن ہے۔ آپؐ نے یہیں پڑاؤ ڈال دیا اور سعدؓ بن معاذ، حضرت علیؓ اور ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ آگے جا کر قریش کے متعلق خبر لائیں کہ وہ کہاں ہیں اور ان کے ارادے کیا ہیں؛ خصوصاً اس بات کا پتہ لگائیں کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر اونٹ ساتھ لیے جا رہے ہیں یا اونٹوں پر سوار ہیں اور خالی گھوڑے ساتھ ہیں؛ یہ مخبرین تفتیش میں نکل گئے تو آپؐ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ جنگل سے لکڑیاں جمع کر کے مغرب بعد فوج کا ہر فرد پہاڑیوں پر اور میدان میں الاؤ روشن کرے۔ حکم کے مطابق ہر طرف آگ روشن کی گئی اور یہ ہدایت ملی کہ زخمی اس آگ سے زخموں کو اطمینان کے ساتھ سینکیں اور دوسرے لوگ کھانے پینے کا نظم کریں۔

یہ دونوں کام تو ایسی مشترکہ آگ سے بھی بآسانی لیا جا سکتا تھا جسے آٹھ آٹھ دس دس مل کر جلا لیتے مگر فرداً فرداً روشن کرنے کی ہدایت ہی میں راز مضمر تھا! ان دونوں کاموں کے علاوہ ایک عظیم تر حربی مقصد سامنے تھا یعنی "کیموفلاجنگ" (CAMOUFLAGING) دشمن کے مشاہدے اور اندازے کو شکل بدل کر دھوکا دینا) آج دنیا کی جنگوں میں محض کیموفلاجنگ (CAMOUFLAGING) کی مد پر ملیٹری بجٹ کا لاکھوں روپیہ طرح طرح کی شکلوں میں

صرف کیا جاتا ہے۔ مگر حمراء الاسد کے مقام پر اس کام کو ہادیِ اسلامؐ نے بلا خرچ کیا! تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اُس رات پانچ سو الاؤ روشن کیے گئے تھے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم جمعیت ۵۰۰ رہی ہوگی ـــــ جنگِ اُحد کے میدان میں ۷۰۰ میں سے ۷۰ شہید ہو چکے تھے۔ زیادہ زخم خوردہ ناقابلِ سفر مدینہ ہی میں چھوڑ دیے گئے اور کم از کم اِس فوری مہم میں منافقوں کی وہ پارٹی بھی شامل نہ ہوگی جو میدان سے لڑتے لڑتے گھاٹیوں میں بھاگ گئی تھی۔ اِس حساب سے اصحابِ محمدؐ کی تعداد کا پانچ سو کے لگ بھگ ہونا بعید نہیں ـــــ حمراء الاسد کا مقام بلندی پر ہے اور روحاء نشیب کی طرف ہے۔ چونکہ قریش روحاء کو خالی کر کے جنگل ہوتے ہوئے نشیب کی طرف جا رہے تھے اس لیے ان کو حمراء الاسد کے ٹیلوں اور میدان پر روشن الاؤ بڑی تعداد میں نظر آئے۔ چونکہ رات کا وقت تھا تاریکی کے سبب سے درمیانی خطہ نظر سے اوجھل رہا مگر ۱۵/۱۶ میل کی دوری سے بھی (حالانکہ گھاٹیوں کا چکردار فاصلہ حمراء الاسد سے روحاء تک تقریباً ۲۸ میل تھا) صاف معلوم ہوتا رہا ہوگا کہ لاتعداد روشنی پہاڑیوں سے نشیب کی طرف اتر کر ان کے پیچھے چلی آ رہی ہے ـــ آج کی جنگوں میں رات کے وقت 'بلیک آؤٹ' (BLACK OUT) کیا جاتا ہے کہ دشمن مخالف کیمپ کو بم کا ہدف نہ بنا سکے۔ حمراء الاسد کے مقام پر آنحضرتؐ نے 'لائٹ آن' (LIGHT ON) یعنی منور کر کے یہ اثر ڈالنا چاہا کہ دشمن کو ہدف (حمراء الاسد کا کیمپ) نظر آ جائے اور وہ خود ہدف سے مرعوب ہو۔ کیا یہ عجیب 'کیموفلاجنگ' (CAMOUFLAGING) نہ تھی؟ چنانچہ یہی ہوا کہ اتنی تعداد میں روشنی دیکھ کر ابوسفیان کو معبد کی باتوں کی تصدیق ہوگئی۔ سارے لشکر کی ہمت پست ہوگئی اور وہ بے تحاشہ گھر کی طرف بھاگنے لگے ـــ حمراء الاسد کے تعاقب اور قریش کے بھگدڑ کو جن جن قبائل نے دیکھا ہوگا وہ تو یقیناً یہی سمجھے ہوں گے کہ یہ اُحد سے ہار کر بھاگے جا رہے ہیں اور محمدؐ اور اُن کے اصحابؓ پیچھا کرتے ہوئے آ رہے ہیں۔

تفتیش کے ذریعہ اطمینان اور واپسی

اُدھر تین مخبر بن روحاء پہنچے اور آگے بڑھ کر مضافات سے خبریں حاصل کر کے لوٹنے میں انہیں کافی دیر ہوگئی۔ پھر بھی دوشنبہ کی صبح سے پیشتر ہی حمراء الاسد پہونچ کر آنحضرتؐ کو اطلاع دی کہ قریش کا لشکر روحاء میں سہ پہر تک تھا۔ مگر شائد ہمارے تعاقب سے آگاہ ہو کر

یہ لوگ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ وہ اونٹوں پر سوار جا رہے ہیں اور گھوڑے کوتل ہیں (جنیبہ' پہلو میں چل رہے ہیں) اس خبر سے آنحضرتؐ نے یہ نتیجہ نکالا کہ دشمن لمبے کوچ کا ارادہ رکھتا ہے مدینہ پر دھاوے کا نہیں (ابن ہشام) پھر بھی آپؐ مطمئن نہیں ہوئے اور وہیں ٹھہرے رہے۔ کاروانی جنکشن سے پار مکہ کی سمت موڑ لے کر دشمن کے گھر کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھنے کے بعد (دیکھیے نقشہ نمبر ب) خبر رسانی میں معبد خزاعی کو وقت لگا۔ اس کے پیغام آنے تک آنحضرتؐ کو ٹھہرنا ضروری تھا۔ چنانچہ وہ حمراء الاسد میں ۳ دن تک ٹھہرے رہے۔ اور جب پیغام آگیا کہ قریش اب دور چلے گئے ہیں اور مکہ سے پہلے دم نہ لیں گے تو آپؐ کو مکمل طور پر اطمینان ہو گیا اور آپؐ مدینہ واپس لوٹ گئے۔

اثرات و نتائج اُحد کی جنگ تو قریش جیتے نہیں بلکہ یہ ناتمام ہی رہ گئی تھی تو پھر اپنا فوجی دستہ مدینہ میں کیسے چھوڑ جاتے؛ اسی طرح اپنے شامی کاروانی راستہ کی مستقل حفاظت کی طرف بھی کوئی توجہ نہ دے سکے۔ لہٰذا جیسے ہی قریش اور ان کے ہمراہی مدینہ سے دور نکل گئے محمدؐ اپنے اصحابؓ کو لے کر اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ ایک ماہ میں ان کے زخم بھی سب مندمل ہو گئے۔ اور جلد ہی انہوں نے اپنا کھویا ہوا وقار نہ صرف حاصل کر لیا بلکہ اپنے اثرات مشرق میں نجد تک اور شمال میں کاروانی جنکشن دومۃ الجندل کے قریب تک پھیلا دیے۔ اور قریش کا نہ صرف شام و مصر کا راستہ مؤثر طور سے بند کر دیا بلکہ عراق کا بھی۔ خود شہر مدینہ میں بھی وہاں کے یہودیوں کی بتدریج جلا وطنی اور نومسلم عرب قبائل کی آبادکاری سے مدینہ کی حالت مستحکم کرنے میں بھی اس وقار کا بڑا دخل تھا۔ اس جنگ (تعاقب) کی طرف قرآن کریم۔ نے اس طرح اشارہ کیا ہے:

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ	جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہا اُن میں جو شخص نیکوکار اور پرہیزگار ہیں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

(آل عمران: ۱۷۲)

بنو النضیر کے ساتھ جنگ

(ربیع الاول سنہ ۴ھ)

جنگ کے اسباب (۱) عبد اللہ بن اُبَی (رئیس المنافقین) پہلے سے بنو النضیر کا حلیف اور ہم پیمان تھا۔ چونکہ حقیقتاً وہ اسلام کا سخت دشمن تھا (جیسا کہ ہمیشہ اس کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا رہا)، یہودیوں نے اس کو نہایت آسانی سے ملا لیا تھا اور اس کے ذریعہ سازش اور خفیہ کارروائیوں میں آسانی تھی۔ عبد اللہ بن اُبَی نے کہلا بھیجا تھا کہ تم اطاعت نہ کرنا۔ میں دو ہزار آدمیوں کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا اور بنو قریظہ بھی تمہارا ساتھ دیں گے۔ یہود بنو النضیر کے حشر پر بطور تبصرہ قرآن کریم میں ایک مستقل سورۃ (الحشر) ہے جس میں اس امداد کا وعدہ کا بھی تذکرہ ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ" (الحشر: ۱۱)	کیا تم نے منافقوں پر نظر نہیں کی جو اپنے بھائیوں کفارِ اہلِ کتاب سے کہا کرتے ہیں کہ اگر تم نکالے جاؤ گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہونگے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی کسی کی ماننے ہی کے نہیں اور تم سے لڑائی ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے؟

(۲) بنو النضیر اور اہلِ قریش سے شروع ہی سے ساز باز اور خفیہ خط و کتابت چل رہی تھی۔ چنانچہ جنگ بدر کے بعد ہمدردی میں کعب بن الاشرف مع چالیس سواروں کے مکہ تک گیا

اور قریش کے علاوہ تمام قبائل کو ابھارا۔ ان سرگرمیوں میں اُسے اپنے ننھیال بنو النضیر سے پوری مالی امداد پہنچی ہوگی۔ غزوۂ سویق کے سلسلہ میں ابوسفیان کو بنو النضیر کے سردار مہتمم خزانہ ہی نے نہ صرف پناہ دی تھی بلکہ مدینہ کے مخفی اور رکز در مواقع سے با خبر کر دیا تھا۔

(۳) بدر کے بعد قریش نے یہودیوں کو خط لکھا تھا کہ:-

اِنَّكُمْ اَهْلُ الْحَلْقَةِ وَالْحُصُوْنِ وَ اِنَّكُمْ تُقَاتِلُنَّ صَاحِبَنَا اَوْ لَنَفْعَلَنَّ كَذَا وَكَذَا۔ وَلَا يَحُوْلُ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ خَدَمِ نِسَاءِكُمْ شَيْئٌ "

"تم لوگ اسلحۂ جنگ اور قلعوں کے مالک ہو۔ تم ہمارے حریف محمدؐ سے لڑو۔ ورنہ ہم تمہارے ساتھ ایسا اور ایسا کریں گے۔ تمہاری عورتوں کے کڑوں تک پہنچنے سے ہمیں کوئی شے نہ روک سکے گی"

اس خط کے ملنے پر بنو النضیر نے عہد شکنی اور آنحضرتؐ کے ساتھ فریب کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ان کے قلعے واقعی مضبوط تھے جن پر انہیں ناز تھا اور جن کا ظاہراً طور پر فتح ہونا بھی آسان نہ تھا اب حالت یہ ہوگئی تھی کہ آنحضرتؐ راتوں کو گھر سے نکلتے تو یہودیوں کی وجہ سے جان خطرہ رہتا تھا۔

(۴) کعب بن الاشرف نے بھی دھوکہ سے محمدؐ کو ہلاک کرنے کی سازش کی تھی اور اس سازش میں ضرور بنو النضیر کا ہاتھ رہا ہوگا پھر ایک خونبہا کے سلسلے میں (جو اب تک معاہدہ کی رو سے بنو النضیر پر واجب الادا تھا) آنحضرتؐ بنو النضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؐ بالاخانہ کی دیوار کے سایہ میں کھڑے تھے کہ ایک یہودی عمرو بن حجاش کوٹھے پر چڑھ کر ایک بھاری پتھر آپ کے سر پر گرانا ہی چاہتا تھا کہ آپؐ کو معلوم ہوگیا اور فوراً آپؐ واپس چلے گئے۔

(۵) بنو النضیر نے مشورہ سے یہ فیصلہ کیا کہ کسی حکمت عملی سے محمدؐ کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ تجویز ٹھہری کہ مذہبی علماء کے مباحثہ میں تیس آدمیوں کے ساتھ آپؐ کو مدعو کیا جائے۔ پہلے آپؐ راضی نہ ہوئے۔ جب صرف تین آدمیوں کے ساتھ آنے کی شرط لگائی گئی تو راضی ہو گئے۔ لیکن سازش کی گئی تھی کہ یہود تلواریں باندھ کر تیار رہیں اور آتے ہی آپؐ کو قتل کر دیں۔ اتفاقاً بنو النضیر کی ایک عورت نے اپنے ایک منہ بولے انصاری بھائی پر یہ راز ظاہر کر دیا اور خفیہ پروجیکٹ (SECRET PROJECT) کی اطلاع آپؐ کو راستہ ہی میں ہوگئی اور آپؐ واپس ہو گئے۔

(۶) اِن ساری سازشوں کی موجودگی میں بھلا ایسے خطرناک عُنصر کو مدینہ کے قلب میں کیسے گوارہ کیا جا سکتا تھا؟ بنو قینقاع تو پہلے ہی جلا وطن کیے جا چکے تھے۔ رہ گئے بنو قریظہ اور بنو النضیر اس لیے پُر امن روابط کو برقرار رکھنے کے لیے یا تو یہ دونوں قبیلے اپنے اپنے معاہدہ کی تجدید کریں یا پھر اور کہیں جا کر بس جائیں۔ یہ دو تجویزیں سامنے رکھی گئیں۔ بنو قریظہ نے چالاکی سے اپنے معاہدہ کی تجدید کرلی۔ لیکن بنو النضیر شرارت پر تُلے ہوئے تھے انہیں چونکہ دوسری طرف سے شہ مل رہی تھی۔ اس لیے بھلا وہ کیسے راضی ہوتے؛ چنانچہ انہوں نے تجدیدِ معاہدہ سے انکار کر دیا اور اپنا سامان لے کر کہیں جانے پر بھی تیار نہ ہوئے بلکہ کھلم کھلا اسلام کے دشمن ہو گئے۔ دوسرے الفاظ میں گویا بنو النضیر نے اعلانِ جنگ کر دیا اور محمدؐ کو انہیں دشمن تصور کرنا پڑا!

واقعات

جب بنو النضیر قلعہ بند ہو گئے تو رسولِ کریمؐ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ بنو قینقاع کے ۱۵ روزہ محاصرہ سے کچھ تجربہ ہو چکا تھا۔ اِس مرتبہ پورے نظم کے ساتھ تیاری کی گئی شہر اور اسلامی محلوں کے علاوہ کلیدی مقامات پر چوکیاں بٹھا دی گئیں۔ مثلاً قُبا و اُطُم الضحیان کی جانب: تلفہ مارع (اُطُم حسان بن ثابت) کی جنوب مشرقی جانب۔ چونکہ عبد اللہ بن اُبَیّ اور بنو قریظہ سے بنو النضیر کو مدد پہنچنے کا اندیشہ تھا اس لیے بنو قریظہ کے محلّے کے مغربی رُخ پر بھی (جہاں وادی مھزور حرّۂ واقم کو چھوڑ کر عوالی کے باغوں میں داخل ہوتی ہے) نگرانی ضروری تھی۔ چوکیاں بٹھانے کے بعد آنحضرتؐ نے محاصرہ کے لیے اپنا پڑاؤ ایک مناسب مقام 'م' پر ڈال دیا (دیکھیے نقشہ نمبر 'ح')

محاصرہ آپؐ کو بنو النضیر کے محلہ کا کرنا تھا۔ اس لیے محلّے سے تقریباً سو گز دور کیمپ ڈالا اور یہ مرکزی نقطۂ عمل ایسی جگہ رکھا جہاں سے دیارِ بنی قریظہ پر بھی نگرانی کر سکتے تھے اور مشرقی سمت سے ہو کر آنے والی ساری کمک کو روک سکتے تھے۔ یہ نقطہ دیارِ بنی قریظہ سے دور تھا مگر دیارِ بنی النضیر سے قریب۔ یہ دونوں یہودی محلّے حرّہ (لاوا کے چٹان) کی بلندی پر بسے ہوئے تھے۔ بنو قریظہ وادی مھزور سے پانی لیتے تھے۔ بنو النضیر کے محلّے کے درمیان ہی سے مُذینب بہتی تھی اور کعب بن الاشرف کے قصر کے بغل میں سنگین حوض تھا جس میں غالباً مُذینب سے پانی کا ذخیرہ مہیا کر کے مختلف کاموں میں اسے استعمال کرتے تھے۔ قصر کے اندر بھی کنواں تھا۔ بنی النضیر کی آبادی تقریباً

دو ڈھائی ہزار تھی اور یہ سب اپنے محلّہ اور قصر کعب بن الاشرف میں (جو پہلے ہی قتل ہو چکا تھا) قلعہ بند ہو چکے تھے ۔ اِن دونوں یہودی محلّوں کے درمیان عوالی کے گھنے باغ تھے جن کا سلسلہ دُور تک چلا گیا تھا ۔ اُن کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ بات یہ ہے کہ تین طرف بلندی پر حرّہ کے چٹان ہیں اور ان کے درمیان کا خطّہ کچھ نشیب میں ہے جس میں وادیوں کی مٹی پھیلی ہوئی ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ حرّہ کے جاذب چٹانوں سے بارش کا پانی جذب ہو کر ایسی سطح پر پہنچ جاتا ہے جس کا لیول (LEVEL) اس نشیبی خطّہ کے قریب ہے (بیئر اُریس اور بیئر رُومہ کا ذواحی پانی آج تک اس کی شہادت دے رہا ہے) لہٰذا یہ خطّہ ہمیشہ سے نخلستان اور بساتین کے لیے موزوں رہا ہے چٹانوں پر تو درخت ہوتے نہیں ۔ البتہ زمین سے ملحق ڈھلوان پر کچھ دور تک درخت اُگتے ہیں مگر ان درختوں کی طرح عمدہ نہیں ہوتے جو نشیبی خطوں میں اگتے ہیں ۔

پوری تیاری کر کے آنحضرت ؐ اس مقام پر (مدینہ سے تقریباً ۳ میل دور) تشریف لائے ۔ کھانے پینے اور رسد کا انتظام شہر ہی سے رکھا اس میں آسانی تھی ۔ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں شرقی جانب کی کمان تھی (یعنی میسرہ) حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں غربی جانب کی کمان تھی (یعنی میمنہ) اور حضرت علیؓ کے ہاتھ میں وسطی کمان تھی (یعنی قلب یا مقدمۃ الجیش) بنو النضیر کے پورے محلّہ کو گھیرنے اور دن رات کے پہرہ کے لیے آپؐ نے سپاہیوں کی ٹولیاں مقرر کر دی تاکہ باری باری ڈیوٹی دے سکیں ۔ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر آرام کرنے اور کھانے پینے کے لیے معقول جگہ کی ضرورت تھی ۔ اپنے اسلحہ جات اور دیگر سامان کے لیے بھی اسٹور کی ضرورت تھی اس کے لیے سایہ دار کھجوروں کے گھنے درختوں کا جھنڈ کافی تھا ۔ مزید حفاظت کے لیے آپؐ نے لکڑی کا کمرہ بنا کر پڑاؤ ڈال دیا (دیکھیے نقشہ نمبر ص ۔ (۱۱) پڑاؤ ڈالنے کے بعد بنو النضیر کے پورے محلّہ کو اس طرح گھیر لیا کہ کسی طرف سے نہ کوئی نکل کر باہر جا سکے اور نہ باہر سے کسی قسم کی مدد محلّہ میں پہنچ سکے ۔ مرکزی نقطۂ رحل کے اِردگرد معائنہ میں ایک بات یہ سامنے آئی کہ دورانِ محاصرہ اسلامی کیمپ سے دیار بنی النضیر اور دیار بنی قریظہ کا مسلسل مشاہدہ ضروری ہے تاکہ ان کی نقل وحرکت پر کڑی نگرانی رکھی جا سکے ۔ اور اس کے مطابق فوری احکام جاری ہوتے رہیں ۔ مگر جب کیمپ سے دونوں محلّوں کی طرف نگاہ دوڑائی جاتی تو (دیکھیے نقشہ نمبر ح) 'رم د' اور 'ام ب' زاویوں کے درمیان کھجور کے درخت یہودیوں کے قلعوں کو آڑ کر لیتے تھے جیسا کہ ——

(دیکھیے نقشہ نمبر 'ص - ۲') 'ع م ف' اور 'ع م ق' زاویوں سے ظاہر ہے۔ غرضکہ 'ر م د' اور 'ا م ب' (نقشہ نمبر 'ح') زاویوں کے درمیان کے درختوں کو بغیر کاٹے کام چلنا مشکل نظر آیا۔ حسنِ اتفاق سے اِن زاویوں کے درمیان جو کھجور کے درخت حائل تھے۔ گھٹیا قسم کے تھے جن کے کاٹے جانے سے کم نقصان تھا (سہیلی کا تو بیان ہے بنو النضیر اس کھجور کو غذا کے کام میں بھی نہ لاتے تھے۔ وہ صرف عمدہ کھجور 'عجوۃ' ہی استعمال کرتے تھے) اور جنگی ضرورت بھی درپیش تھی۔ چنانچہ وہ کاٹ دیئے گئے۔

" ابن عباس نے اس طرح تصریح کی ہے کہ مسلمانوں نے محاصرہ کی ضروریات سے کاٹنا اور جلانا شروع کر دیا تھا۔ پھر اُن کو خیال آیا کہ معلوم نہیں اس فعل کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جا کر رسول اللہ ﷺ سے استفتاء کیا اور اُس پر مندرجہ ذیل آیت اُتری۔ جابر نے بھی یہی روایت کی ہے کہ درخت کاٹنے کے بعد لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پوچھتے ہوئے آئے کہ :

یا رسول اللہ هَلْ عَلَيْنَا إِثْمٌ فِيمَا قَطَعْنَا أَوْ عَلَيْنَا وِزْرٌ فِيمَا تَرَكْنَا ؟ — یا رسول اللہ ﷺ ہم نے جو کچھ کاٹ دیا یا چھوڑ دیا ہے اس کا کوئی گناہ یا بوجھ تو ہم پر نہیں ہے ؟

اس پر مندرجہ آیت اُتری۔ محمد بن اسحٰق کی تحقیق یہ ہے کہ غزوۂ بنی النضیر میں جب اس طرح درختوں کو کاٹا جانے لگا تو بنو قریظہ نے آپ ﷺ کو کہلا بھیجا (غالباً انہوں نے 'زاویہ' 'ش'۔ نقشہ نمبر 'ح' کے درختوں کے کاٹے جانے پر اعتراض کیا ہوگا) کہ اے محمد ﷺ! تم تو فساد کو منع کرتے ہو اور کہتے ہو کہ میں اصلاح کرنے آیا ہوں۔ پھر یہ درخت کیوں کاٹ رہے ہو ؟ کیا یہ اصلاح ہے ؟ آپ کے اور مسلمانوں کے متفکر ہونے پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی" (الجہاد فی الاسلام)

بہرصورت واقعات کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ درختوں کو کاٹنا محض محاصرہ کی ضرورت کے تقاضا کی بنا پر تھا۔ البتہ پورے درختوں کو جڑ سے کاٹے بغیر بھی کام چل سکتا تھا جیسا کہ (نقشہ نمبر 'ص - ۱') 'ع م ف' اور 'ع م ق' زاویوں سے ظاہر ہے قیاس بھی یہی کہتا ہے۔ ان درختوں کے کاٹ دینے کے بعد دونوں طرف مطلع صاف تھا جیسا کہ نقشہ نمبر 'ص - ۲' سے نمایاں ہے۔

آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے اس عمل کی طرف سورۃ الحشر میں اشارہ اور تائید اس طرح موجود ہے :

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوْهَا — تم نے لینہ کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جس قدر

قَآئِمَۃً عَلٰٓی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ وَلِیُخْزِیَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ (الحشر۔ ۵)

اُن کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تو یہ سب خدا کے اِذن سے ہوا اور اس لیے کہ وہ فاسقوں کو رسوا کرے۔

یہاں قرآن کریم کے چند جامع اور محتاط الفاظ تشریح طلب ہیں جو واقعہ کی حقیقت کو بے نقاب کرتے ہیں۔ کھجور کے درخت کے لیے عموماً 'نخل' کا لفظ آتا ہے جس میں ہر قسم کی کھجور کے درخت آسکتے ہیں۔ 'عجوۃ' عمدہ قسم کی کھجور کو کہتے ہیں۔ اور 'لینۃ' عجوہ کھجور کے علاوہ ہر ایک قسم کے کھجور کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے گھٹیا قسم ہوئی۔ لہٰذا یہاں پر 'عجوۃ' کھجور کے درخت تو چھوئے تک نہیں گئے۔ جو بھی کاٹے گئے وہ 'لینۃ' قسم کے تھے۔ پھر یہ کہ ان گھٹیا درختوں کے بعض اوپری حصہ کو کاٹا گیا۔ تنے جڑوں پر قائم رہ گئے یا اگر پورے کاٹے گئے ہوں گے تو کم ہی تعداد میں۔ 'لِیُخْزِیَ الْفٰسِقِیْنَ' کے الفاظ سے درختوں کے کاٹے جانے کا جواز بھی نکل آتا ہے۔ کہ بنو النضیر فاسق تھے اور اللہ کی مرضی بھی تھی کہ وہ رُسوا ہوں اور اُن کو رسوا کرنے کے سلسلہ میں ضرورتاً اُن کے درخت کاٹے گئے۔

کٹ جانے کے بعد کٹے ہوئے درختوں کو بھی بیکار ضائع نہ کیا گیا۔ ان سے مختلف کام لیا گیا فرش کے طور پر بچھانے، کھانے پینے اور سامان وغیرہ رکھنے کے لیے پتیوں سے چٹائیاں بنالی گئیں۔ جنگِ بدر میں تو ایک صحابہؓ کو ایک شاخ دے کر کامیابی کے ساتھ رسولِ کریمؐ نے تلوار کا کام لے لیا تھا۔ یہاں شاخوں سے تیر و کمان بھی بنا لیا گیا ہوگا۔ ریشہ سے گوپھن کے لیے رسّی اور پاکٹ بھی بنا لیے گئے ہوں گے کہ کسی وقت خود بھی پتھراؤ کرسکیں۔ کٹے ہوئے درختوں کے اُن تنوں سے جو جڑوں پر قائم تھے اور قلعہ کے زیادہ نزدیک پڑتے تھے (دیکھیے نقشہ نمبر ص-۲) مسلم تیر اندازوں نے کمین گاہوں کا کام لے لیا ہوگا۔ جس طرح یہودی "مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ" (دھس کے پیچھے سے) لڑنے کے عادی تھے ویسے یہاں تیر انداز و سنگ انداز "مِنْ وَّرَآءِ جُذُوْعٍ" (تنوں کے آڑ سے) تیر اندازی و سنگ اندازی باطمینان کرسکتے تھے ـــــ یہ اور اسی قسم کا سارا انتظام اس لیے بڑے پیمانے پر کیا گیا کہ بنو قریظہ اور عبداللہ بن اُبی کی طرف سے بنو النضیر کو مدد پہنچنے کی خبر اور اندیشہ بھی تھا!

بنو النضیر کا حشر | اپنی پوری قوت کے علاوہ بنو النضیر کو عبداللہ بن اُبی کے وعدہ پر پورا

اعتماد تھا اور اس کے ذریعہ سے بنو قریظہ کی طرف سے بھی کچھ توقعات تھیں۔ چنانچہ اسی بھروسہ پر پہلے ہفتہ خوب جوش و خروش اور اطمینان کے ساتھ قلعہ بند رہے۔ مگر بنو قریظہ کو اپنے معاہدہ کی تجدید کا لحاظ تھا اور اُن پر کڑی نگرانی بھی رکھی گئی تھی کہ کسی طرف سے کمک نہ پہنچا سکیں۔ چنانچہ یہ بنوالنضیر کو کسی طرح کی مدد نہ دے سکے! رہ گیا عبداللہ بن اُبی اور اس کا دو ہزار آدمیوں سے مدد پہنچانا تو یہ بھی ممکن نہ ہو سکا۔ کیونکہ یہ تو تھا منافق۔ نہ کھُل کر مدد کر سکتا تھا نہ چھپ کر کرنے کی ہمت تھی۔ اس لیے کہ سارے راستے تو مسدود کر دیے گئے تھے۔ دوسرے ہفتہ میں جب کسی طرف سے مدد نہ آئی تو یہ یہود ڈھیلے پڑنے لگے۔ عموماً کھانے پینے کا سارا انتظام شہر ہی سے ہوتا تھا۔ راشن بھی کب تک چلتا؟ رسد آنے کے سارے وسائل و ذرائع منقطع تھے۔ کمزوری آنی لازمی تھی۔ رات بھر چوکتا رہتے رہتے نیند بھی حرام ہو گئی۔ جبکہ مسلمان کی ٹولی باری باری سے آرام کر کے ہر صبح تازہ دم اٹھتی رہی۔

گو ان کے پاس خود اسلحہ و روپیہ پیسہ کافی تھا۔ یہاں تک کہ ان سب کے لیے ایک خصوصی افسر (سلام بن مشکم) ہی محافظِ خزانہ تھا۔ مگر یہ سارا اسلحہ اور خزانہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔ کھل کر نہ مقابلہ کر سکتے تھے اور نہ اب ان میں دو ہفتہ بعد ہمت و سکت ہی باقی رہ گئی تھی۔ یہ ساری وجوہات تھیں جن کے باعث محاصرہ سے تنگ آ کر بنوالنضیر نے ۱۵ دن کے بعد ہی خود ہتھیار ڈال دیے! اور جنگ کی نوبت نہ آئی جس کا اشارہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ (الحشر: ۶)	اور جو خدا نے اپنے رسول کو مفت میں ان سے دلوا دیا تو تم نے اس کے لیے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے۔

مسلمانوں نے ان قلعوں کا حال دیکھ لیا جن پر یہودیوں کو اتنا ناز تھا!

ہتھیار ڈال دینے کے بعد انہوں نے آنحضرت ؐ سے درخواست کی کہ انہیں اپنا ساز و سامان لے کر امن و امان کے ساتھ چلے جانے دیا جائے۔ گو رسول اللہ ؐ انہیں زیر کر چکے تھے مگر آپ ؐ نے بنوالنضیر کا کوئی سامان لوٹا نہیں۔ آپ ؐ نے ان کو اجازت دے دی کہ جس قدر

مال واسباب اونٹوں پر لے جاسکیں لے جائیں۔ مگر مدینہ سے باہر نکل جائیں۔ چنانچہ چھ سو اونٹوں پر اسباب لادا۔ مکانوں کے دروازے، چوکھٹ اور تختے تک لادلیے۔ ان کی جلاوطنی کے آخری نظارہ پر تبصرہ کرتے ہوئے سورہ الحشر میں قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں:

مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ... ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○	تم کو گمان بھی نہ تھا کہ یہ نکلیں گے اور وہ بھی اس گمان میں تھے کہ ان کے قلعے اُن کو خدا سے بچالیں گے تو جدھر سے اُن کو گمان بھی نہ تھا خدا نے ان کو آلیا۔ اور ان کے دلوں میں دھاک ڈال دی کہ لگے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں خالی کرنے اور اُجاڑ کرنے۔ پس اے لوگو! جن کی آنکھیں ہیں عبرت پکڑو۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ انہوں نے خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو خدا کی مخالفت کرے تو خدا کی مار سخت ہے!

(الحشر: ۲-۴)

قصر کعب بن الاشرف کے کنویں اور حوض کے آثار آج تک دیار بنی النضیر کے ٹیلہ پر باقی ہیں اور دیواریں بھی ۳/۴ فیٹ اونچی اب تک کھڑی ہیں جن کے کھنڈرات سے مجموعی طور پر کعب بن الاشرف کے قلعہ کا تصور بھی ہوسکتا ہے۔ سارا خزانہ بھی اثاثہ کی شکل میں تبدیل کرکے اونٹوں پر لاد دیا ہوگا۔۔۔ وہ ڈھائی ہزار کی آبادی تھی۔ چھ سو اونٹوں پر سامان لاد کر گاتے بجاتے اس طرح خوش خوش نکلے (خوش اس لیے رہے ہوں گے کہ اُن کو سارا سامان لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ خصوصاً اس شکل میں وہ اپنا خزانہ پوری حفاظت میں لے کر جا رہے تھے) کہ دیکھنے والوں کو جشن کا دھوکا ہوتا تھا۔ بلکہ اہلِ مدینہ کا بیان ہے کہ اس سروسامان کی سواری کبھی ان کی نظر سے نہیں گزری تھی۔ (طبری) صرف وہی سامان پیچھے چھوڑا جسے وہ نہ لے جاسکے۔ ہتھیاروں کا جو ذخیرہ انہوں نے چھوڑا اس میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور ۳۴۰ تلواریں تھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بے کار (REJECTED) اور گھٹیا قسم کے فرسودہ ہتھیار ہی رہے ہونگے۔

البتہ بنو النضیر کے چھوڑے ہوئے باغ جو آبادکاری کے بعد مستحقین میں تقسیم ہوئے عمدہ رہے ہونگے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ "آنحضرتؐ بنی النضیر کی کھجوریں بیچ کر اپنے اہل وعیال کے لیے سال بھر کا سامان جمع کر لیتے تھے"۔ ان میں سے تھوڑے لوگ تو شام کی طرف چلے گئے مگر اکثریت خیبر کی طرف گئی (مدینہ سے شمال کی جانب تقریباً اسی میل دور) جن میں معززرؤسا مثلاً سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع اور حی بن اخطب بھی شامل تھے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ جب جلاوطن ہو کر حی بن اخطب خیبر جا رہا تھا تو اُس نے معاہدہ کیا کہ آنحضرتؐ کی مخالفت پر کسی کو مدد نہ دے گا۔ اور اُس معاہدہ پر خدا کو ضامن کیا! بنو النضیر کے قلعے خالی ہو گئے۔ بڑے بول کا سر نیچا ہوا۔ ان کی عداوت بے نقاب ہو گئی۔ سرکش یہودیوں کی رسوائی ہوئی اور اُن کا سر کچلا گیا۔

یہود بنو النضیر کے نکل جانے کے بعد سے ہی قرضِ حسنہ کا رواج مدینہ میں جاری ہو گیا۔ سودخواروں اور سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ سے نجات پا کر لوگ خوشحال ہو گئے!

جس طرح بیعتِ عقبہ کی یادگار میں 'مسجد عقبیہ' تعمیر ہوئی، بدر کے میدان میں عریش کی یادگار میں 'مسجد عریش' بنی، گھوڑدوڑ میں سبقت کے نتائج دیکھنے کے مقام پر 'مسجد السبق' تعمیر ہوئی اُسی طرح آج تک اس واقعہ کی یادگار میں 'مسجد شمس' (شمس، بمعنی عداوت ظاہر ہونا۔ اور چھپانے پر قادر نہ ہونا) یا 'مسجد الفضیخ' یا 'مسجد الفضیخ' (فضخ، بمعنی کھوکھلی چیز کو توڑنا۔ کچلنا) موجود ہے جس سے اِن سارے واقعات کی روشنی میں آنحضرتؐ کے اس تاریخی کیمپ کی تعیین ہوتی ہے۔ (دیکھیے نقشہ نمبر 'ح')
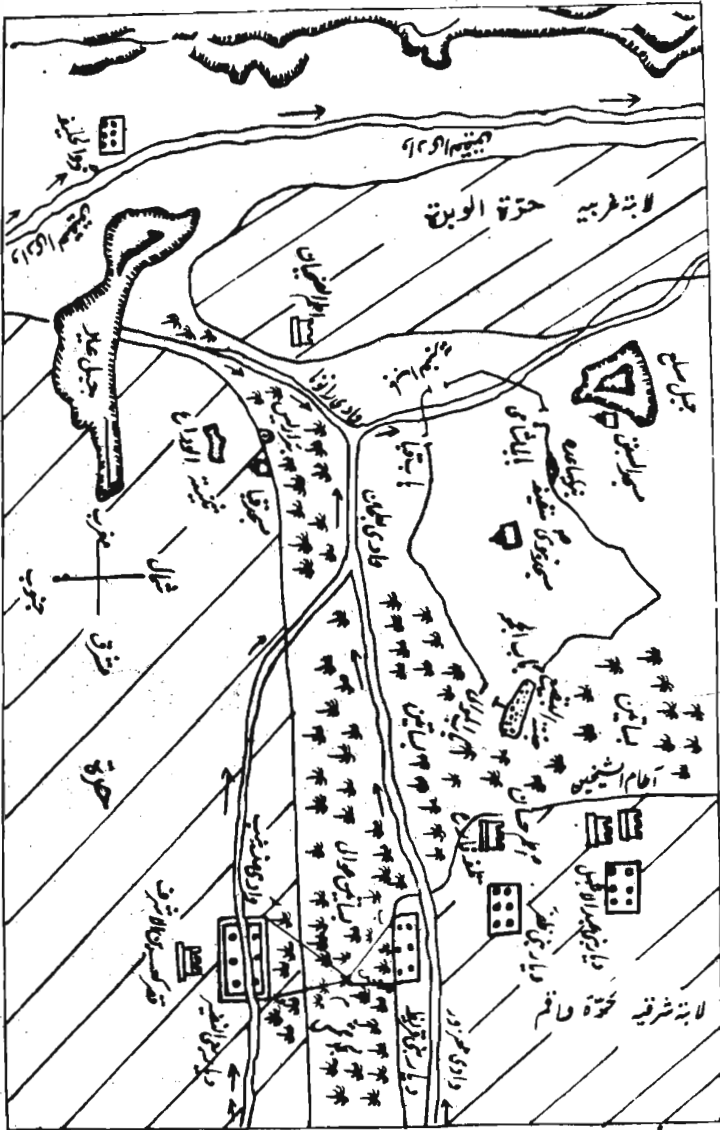
نقشہ نمبر ۲،

شہر مدینہ اور دیار بنو النضیر کا محاصرہ در ربیع الاول ۴ھ

نقشہ نمبر "ص" — (۱) کس طرح کھجور کے درخت دونوں محلوں کو آڑ کر رہے ہیں
محلہ بنو قریظہ
محلہ بنو النضیر
قصر کعب بن الاشرف
وادی مذینب
کیمپ رسول اللہ ﷺ
نقشہ نمبر "ص" — (۲) درختوں کے کٹنے کے بعد کس طرح نشانہ صاف نظر آنے لگا
محلہ بنو قریظہ
ق
ع
محلہ بنو النضیر
ف
ع
قصر کعب بن الاشرف
وادی مذینب
کیمپ رسول اللہ ﷺ

بدر الصغریٰ کی مہم

ذیقعدۃ ۴ھ

مہم کے اسباب میدانِ اُحد سے پلٹتے وقت ابوسفیان محمدؐ اور آپؐ کے اصحابؓ کو چیلنج دے گیا تھا کہ آئندہ سال بدر میں پھر مقابلہ ہوگا اور قسمت آزمائی ہوگی۔ اِس چیلنج اور اِس دعوتِ جنگ کو منظور بھی کر لیا گیا تھا ـــ اس لیے اگر اب نہ جایا جاتا تو یہ وقار کے خلاف بات ہوتی اور پھر آئندہ بھی اس وقار کو ضرر پہنچتا!

اُس سال (۴ھ میں) مکہ میں قحط تھا۔ لہٰذا پہلو بچانے کے لیے ابوسفیان نے الٹی یہ تدبیر کی کہ ایک جاسوس کو مدینہ کی طرف روانہ کیا جس نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا (جس میں بنو قریظہ کے یہود اور منافقین بھی مدد دیتے رہے) کہ اس سال تو قریش نے بڑی زبردست تیاری کی ہے اور ایسا بھاری لشکر جمع کر رہے ہیں جس کا مقابلہ تمام عرب میں کوئی نہ کر سکے گا۔ اِن حالات میں اگر نہ جایا جاتا تو اس کے معنی اندرونِ مدینہ اور مضافات میں یہود و منافقین اور دیگر قبائل یہ تصور کرتے کہ محمدؐ اور ان کے اصحابؓ ڈر گئے اور مقابلہ کی جرأت نہ کر سکے۔ اس طرح قائم شدہ وقار پر اور بھی ٹھیس آ رہی تھی!

واقعات ابوسفیان کی حربی چال (پروپیگنڈا) نے حسبِ منشا یہ اثر ڈالا کہ جب آنحضرتؐ نے بدر کی طرف چلنے کے لیے مسلمانوں سے اپیل کی تو اس کا کوئی ہمت افزا جواب نہ ملا۔ (معلوم ہوتا ہے لوگ بنو النضیر کی جلا وطنی کے مظاہرے سے مرعوب تھے۔ جیسا کہ خود اہلِ مدینہ کا بیان ہے کہ اس سر و سامان کی سواری کبھی اُن کی نظر سے نہیں گزری تھی اور جب

ابوسفیان کا پروپیگنڈا شروع ہوا تو انہوں نے یہ قیاس کیا ہوگا کہ نہ ور بنو النّضیر اپنا بدلہ لینے کے لیے قریش کے ساتھ ساتھ بدر میں پہونچیں گے! (حالانکہ بنو النّضیر خیبر جا کر اپنی آبادکاری میں مصروف ہوگئے انہیں اتنی فرصت کہاں تھی کہ بدر جا سکتے) آخر کار آنحضرت ؐ نے بھرے مجمع میں اعلان کردیا کہ اگر کوئی نہ جائے گا تو میں اکیلا جاؤں گا۔ اس پر سچے مومن اور فداکار تیار ہوگئے اور آپؐ ان ہی کو لے کر ٹھیک وقت پر بدر تشریف لے گئے۔

مکّے سے بدر کی طرف اونٹوں کی ۳ دن کی مسافت کی حد تک محمدؐ کے رازدار بنو خزاعہ پھیلے ہوئے تھے۔ یہ ابوسفیان کی نقل و حرکت دیکھتے رہے۔ بدر میں پہنچ کر آنحضرتؐ بھی خبروں کے منتظر رہے۔ ہوا یہ کہ جنگ کے وعدے کا وقت قریب آیا۔ ابوسفیان کی ہمت تو جواب دے رہی تھی (کچھ بدر کی پہلی جنگ اور اُحد و ضمیمہ اُحد کا رُعب بھی طاری رہا) مگر چونکہ پروپیگنڈا مدینہ میں کرا چکا تھا سوچا کم از کم ایک مظاہرہ ہی کیوں نہ کردوں، لہٰذا دو ہزار کی جمعیت لے کر مکّے سے نکل پڑا اور دو روز کی مسافت ہی تک (عسفان میں) جا کر ٹھہر گیا (دیکھیے نقشہ نمبر ' ب ') وہاں اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اِس سال قحط وغیرہ کی وجہ سے لڑنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اس پر سب کے سب مکہ واپس چلے گئے۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ بدر میں سالانہ میلہ لگ رہا تھا۔ اِس طرح گویا اِس سال مکّے والے نہ تو میلہ ہی میں شریک ہو سکے نہ تجارت سے نفع اٹھا سکے۔

قریش کے انتظار میں آنحضرتؐ کو آٹھ روز بدر میں قیام کرنا پڑا۔ اور اِس اثنا میں میلہ کی تجارت سے خوب نفع اٹھانے کا موقع ملا۔ اِس سال زیادہ نفع اس لیے ہوا کہ مکّے کے تُجّار (جن کی کثیر تعداد تھی) نہ جا سکے اور جو مال شمالی راہ سے شام کے تجارتی قافلے لائے وہ سستے داموں مل گیا۔ دوسری طرف جو تھوڑا بہت مال محمدؐ اور اُن کے اصحابؓ تجارت ہی کی غرض سے ہمراہ لے کر گئے تھے اچھے داموں فروخت ہوا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھیوں نے ایک تجارتی قافلہ سے کاروبار کرکے خوب مالی فائدہ اٹھایا۔ اتنے میں خبر آئی (غالباً بنو خزاعہ کے ذریعہ) کہ کفارِ مکہ واپس چلے گئے۔ اطمینان ہوگیا تو آنحضرتؐ اپنی جمعیت لے کر مدینہ واپس تشریف لے گئے۔

اثرات و نتائج

(۱) جب ابوسفیان نے سُنا کہ محمدؐ مع اپنے اصحابؓ ٹھیک وعدے

کے وقت بدر پہونچ کر مقابلہ کے لیے موجود تھے تو وہ خود ہی دل میں نہ صرف شرمندہ ہوا بلکہ محمدؐ کے پختہ عزم سے بھی مرعوب ہوگیا۔

(۲) بدر کے سالانہ میلہ میں اطراف کے تمام قبائل جمع ہوتے تھے۔ تجارتی قافلے دور دور سے آتے تھے۔ خصوصاً شام و مصر کی سرحد تک کے اس بڑے اجتماع میں یہ خبر ضرور اڑی ہوگی کہ مدینہ میں قریش کی تیاری کی زبردست تشہیر ہوئی تھی اور پھر اپنی آنکھوں سے جب سبھوں نے دیکھ لیا کہ ابوسفیان اپنا لشکرِ جرّار لے کر نہ پہنچا اور محمدؐ اپنے اصحابؓ کے ساتھ موجود تھے تو سبھوں کے دل میں یہ بات اتر گئی کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی کمزور ہیں برخلاف اس کے محمدؐ اور ان کے ساتھی مضبوط اور عزم کے پکے ہیں۔ اس بات کی تائید پچھلے واقعات سے بھی ہوتی ہے ــــ اگر آنحضرتؐ اس موقعہ پر کمزوری دکھا جاتے اور پیچھے رہ گئے ہوتے تو یہ کام جو ایک ہفتہ میں یہاں آنے سے ہوگیا وہ مدینہ سے شاید سالوں میں بھی نہ ہو پاتا۔

(۳) شمالی راہ سے آنے والے کاروانوں اور قبائل نے جا جا کر ان باتوں کو پھیلا دیا جس کا اثر محمدؐ اور آپؐ کے اصحابؓ کے لیے سود مند ہوا۔ چنانچہ دو مہینہ بعد ہی سے جب شمالی کاروانی جنکشن کی طرف ابوسفیان کی طرح جھوٹے ہی پروپیگنڈے کی نقل کی جاتی (جس میں جلا وطن بنو النضیر یہود کا بھی ہاتھ رہا ہوگا) تو محمدؐ اور آپؐ کے اصحاب کی خبر پاتے ہی صرف منظا ہرہ ہی دیکھ کر سب مرعوب ہو جاتے!

(۴) سلامتی کے ساتھ واپس ہونے پر مدینہ کے بقیہ لوگوں کے سامنے (جو اس مہم پر جانے سے قاصر رہے) سنہ فداکاروں کی اطاعتِ امر کا اچھا نمونہ پیش ہوا کیونکہ کامیابی یا ناکامی کو نظرانداز کر کے صرف رضاءِ الٰہی و طاعتِ امر پر یہ فداکار نکل پڑے تھے!

اس مہم کی طرف قرآنِ کریم میں اس طرح اشارہ موجود ہے:۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ	اور وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے مقابلہ
اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ	کے لیے بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں اُن سے ڈرو۔
فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖ	تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور
وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ	انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ

الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝

(آل عمران: ۱۷۳، ۱۷۴)

کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ آخر کار وہ اللہ کی عنایت سے اس طرح پلٹ آئے کہ ان کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انہیں حاصل ہو گیا۔ اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

غزوۂ مُریسیع یا بنی مصطلق

(۲ر شعبان ۵ھ)

غزوہ کا سبب مدینہ سے یہودیوں کی جلاوطنی کے بعد سے قریش اور یہود کی متفقہ سازشوں کا آغاز ہوا۔ مکہ سے مدینہ تک تمام قبائل کو ابھارنا شروع کیا ــــ مدینہ پر ہر طرف سے حملہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ لیکن جب آنحضرتؐ کو کسی سازش و تیاری کی خبر ملتی فوراً آپ اس کی طرف متوجہ ہوتے خواہ پورا سامان ہوتا یا نہ ہوتا۔ چنانچہ ۱۰ر محرم ۵ھ کو آپ ذات الرقاع کی مہم پر مدینہ سے چار سو صحابہؓ لے کر نکلے اور مدینہ سے شمال کی طرف بنو غطفان کی سرحد تک تشریف لے گئے۔ ابو موسیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ "ہم نبیؐ کے ہمراہ لڑائی میں نکلے جبکہ ہم چھ چھ آدمیوں کو صرف ایک ایک اونٹ ملا ہوا تھا۔ ہم آگے پیچھے (نوبت بہ نوبت) اس پر سوار ہو لیتے تھے۔ اور ہمارے قدم چھلنی ہو گئے تھے اور میرے تو دونوں پاؤں میں چھید پڑ گئے تھے بلکہ ناخن بھی گر پڑے اور ہم اپنے پیروں پر دھجیاں (رقاع ــــ جمع ہے رقعہ کی) باندھ لیے تھے۔ اسی وجہ سے اس لڑائی کا نام ذات الرقاع رکھا گیا" لیکن کئی قبیلے فقط ہیبت سے منتشر ہو کر پہاڑوں میں بھاگ گئے۔

پھر ربیع الاول ۵ھ میں یہ خبر آئی کہ دومۃ الجندل میں (شمال کا کاروانی جنکشن ــــ تبوک سے شمال مشرق کی جانب) کفار کی ایک عظیم الشان فوج جمع ہو رہی ہے اور مدینہ پر حملہ کرنے کو تیار ہے۔ بدر الصغریٰ کی واپسی کے بعد سے مدینہ کے مومنین کی ہمت پھر بندھنے لگی تھی چنانچہ اس بار آنحضرتؐ ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ سے نکلے تو ان کو خبر ہو گئی اور وہ بھاگ گئے۔

آنحضرتؐ بھی واپس تشریف لے آئے۔

اسی قسم کی خبر پر مُریسیع کی مہم بھی پیش آئی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بدر اور مکّہ کے درمیان ساحلی علاقہ میں بنوخزاعہ رہتے تھے اور اب تک اسلام نہ لائے تھے مگر در پردہ اسلام کے حلیف اور رازدار تھے۔ بلکہ حمراءالاسد کے سلسلہ میں معبد خزاعی کا جاسوسانہ رول بھی اچھی طرح دیکھا جا چکا ہے۔ یہ قبیلہ ظاہراً طور پر قریش کا حلیف اور ہم عہد تھا۔ اسی قبیلہ کا ایک خاندان بنومصطلق مُریسیع میں آباد تھا جو مکّہ سے ۴ منزل پر تھا اور مدینہ سے ۹ منزل پر (دیکھیے نقشہ نمبر 'ب') ـــ غالباً قریش کے اشارے پر اسی خاندان کے رئیس حارثؓ بن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کی تیاری شروع کی۔ آنحضرتؐ نے یہ سُن کر کہ حارث نے مسلمانوں سے جنگ کے لیے جمعیت فراہم کی ہے (جبکہ بنوخزاعہ پوشیدہ طور پر آپؐ کے حلیف و رازدار تھے) مزید تحقیق کے لیے ایک صحابیؓ کو بھیجا اور انہوں نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی۔

واقعات اس پر آنحضرتؐ نے صحابہؓ کو تیاری کا حکم دیا۔ ۲ر شعبان ۵ھ کو فوجیں لے کر آنحضرتؐ مدینہ سے روانہ ہوئے مُریسیع میں خبر پہنچی تو حارثؓ بھاگ کھڑا ہوا۔ اور اس کی فوج بھی منتشر ہو گئی۔ لیکن آنحضرتؐ کی فوج پہنچنے پر مُریسیع کے باشندے صف آراء ہو کر مقابلے میں آئے اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے۔ لیکن ایسے موقع پر آنحضرتؐ نے دفعۃً ایک ساتھ اپنی صفوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس ترکیب سے مُریسیع کے لڑنے والوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دس مارے گئے۔ تقریباً چھ سو افراد گرفتار ہوئے۔ غنیمت میں ۲ ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرتؐ نے بنومصطلق پر جس وقت حملہ کیا تھا وہ بالکل بے خبر اور غافل تھے اور اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ جانور اکٹھا مل گئے اور انہیں گھیر لیا گیا اسی لیے غنیمت میں جانوروں کی تعداد اتنی کثیر ہے!

چونکہ یہ واقعہ مقام مُریسیع پر ہوا اس لیے اسے 'غزوۂ مُریسیع' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور چونکہ خاندان بنومصطلق کے رئیس نے حملہ کی تیاری شروع کی تھی جس پر یہ واقعہ پیش آیا اس لیے اسے 'غزوۂ بنی مصطلق' بھی کہا جاتا ہے۔

قابلِ ذکر دو واقعات حالانکہ یہ ایک معمولی سا غزوہ تھا مگر دو مخصوص واقعات

کی بنا پر اسے تاریخی اہمیت حاصل ہو گئی۔

(۱) ایک یہ کہ لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے اُن میں جویریہ بھی تھیں جو رئیس حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں۔ جویریہ کی خواہش پر کہ وہ آپؐ کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہیں آنحضرتؐ نے اُن سے شادی کر لی۔ جب آپؐ نے نکاح کر لیا تو تمام اسیرانِ جنگ رہا کر دیے گئے کیونکہ فوج نے کہا جس خاندان میں رسول اللہؐ نے شادی کر لی وہ غلام نہیں ہو سکتا۔

(۲) دوسرا واقعۂ اِفک (کِذب) یعنی حضرت عائشہؓ پر تہمت کا واقعہ ہے جو اسی مہم سے واپسی کے وقت پیش آیا تھا کہ حضرت عائشہؓ کسی حاجت کے لیے گئی ہوئی تھیں، اِدھر کوچ کا حکم ہو گیا اور یہ جب لوٹیں تو دیکھا کہ آپ کے گلے کا ہار غائب ہے۔ لہٰذا تلاش کرنے کے لیے واپس چلی گئیں۔ اتنے میں (جبکہ اندھیرا ہی تھا) شتربان نے سمجھا کہ وہ ہودے پر بیٹھ چکی ہیں، اونٹ لے کر روانہ ہو گیا۔ جب وہ پلٹ کر آئیں تو دیکھا کہ اونٹ اور آدمی سب جا چکے ہیں۔ وہ وہیں بیٹھ گئیں اور نیند آ گئی۔ صبح صفوانؓ وہاں سے گزرے اور پہچان گئے۔ اونٹ روک دیا۔ حضرت عائشہ چڑھ گئیں یہ نکیل پکڑے ہوئے چلے۔ اِس طرح ان کے ہمراہ مدینہ لوٹیں۔

اِس حادثہ سے فائدہ اُٹھا کر رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی نے حضرت عائشہ کے خلاف بہتان تراشنا شروع کر دیا اِس جھوٹی و بیہودہ خبر سے بعض مسلمان بھی دھوکہ میں آ گئے۔ اِسی واقعہ کی نسبت قرآنِ کریم میں مذکور ہے:

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ (النور: ۱۱)	جن لوگوں نے کِذب گھڑا کیا وہ تمہارے ہی اندر کا ایک گروہ ہے۔ اِس کذب کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو۔ بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوا۔

غزوۂ احزاب یا جنگ خندق

(شوال و ذیقعدۃ ۵ھ)

اسبابِ جنگ یثرب (مدینہ کا قدیم نام) میں بہت قدیم زمانہ سے یہودیوں کے آباد ہونے کا سراغ ملتا ہے جن کی نسلیں پھیل کر مدینہ کے اطراف پر قابض ہوئیں انہی میں سے تین قبیلے بنو قینقاع، بنو النضیر اور بنو قریظہ تھے جنہوں نے چھوٹے چھوٹے مضبوط قلعے بنا لیے تھے۔ ان کی نسب کے متعلق مورخ یعقوبی، مسعودی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو النضیر اور بنو قریظہ جذام قبیلہ کے خاندان تھے جو یہودی ہو گئے تھے۔ تیسری روایت آئینۂ عرب، میں یہ ملتی ہے کہ موسیٰؑ نے جس لشکر کو عمالقہ کے مقابلہ میں بھیجا تھا انہوں نے تمام عمالقہ کو تو ختم کر دیا تھا مگر ان کے شاہزادے کو زندہ چھوڑ دیا تھا۔ اس نافرمانی پر اپنی قوم ہی نے جب اس لشکر کو اپنے ملک میں داخل نہ ہونے دیا تو یہ منتقل ہو کر یثرب میں آباد ہو گئے۔ کچھ یہودی دوسری صدی عیسوی میں شام و فلسطین سے ہٹ کر قلب حجاز میں موافق فضا پا کر بس گئے۔

یثرب کے اوس و خزرج (جنہیں محمدؐ کی اعانت کی بنا پر 'انصار' کا لقب ملا) دراصل یمن کے رہنے والے اور قحطان کے خاندان سے تھے (دیکھیے نقشہ نمبر (خ)، یمن کا مشہور پشتۂ مارب (سبا) جب عذاب الہیٰ کی شکل میں پہلی یا دوسری صدی عیسوی میں یا ۱۲۰ء سے ۱۵۰ء تک کے عرصہ میں (مطابق تاریخ اقوام عالم حصہ اوّل) ٹوٹ گیا تو عرب کے

بہت سے قبیلے منتشر ہو گئے۔ چنانچہ دو بھائی اوس اور خزرج بھی یمن سے نکل کر یثرب میں آباد ہوئے۔ انصار اِن ہی دو کے خاندان سے ہیں۔ یہ خاندان جس وقت یثرب میں آیا تو یہود دولت و تجارت میں ایک نمایاں اقتدار و اثر رکھتے تھے۔ کچھ زمانہ تک تو اوس و خزرج کے لوگ اُن سے الگ تھلگ رہے۔ پھر اُن سے تعلقات پیدا کر کے رفتہ رفتہ حریفانہ اقتدار حاصل کر لیا۔

ایک مدت تک اوس اور خزرج باہم متحد رہے۔ پھر خانہ جنگیاں ہونے لگیں۔ اور یہود ہمیشہ اوس اور خزرج کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ عرب قبائل کے زعماء کو پیسہ کے ذریعہ خرید لیتے تھے۔ سب سے اخیر لڑائی 'بعاث' نے تو اوس اور خزرج کی پوری قوت توڑ دی اور اب وہ اس قابل نہ رہ گئے تھے کہ یہود سے ہمسری کا دعویٰ کر سکتے۔ یہودیوں کی سرمایہ داری کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ ملکی اور تجارتی برتری کے علاوہ یہودیوں کے پاس مذہبی روایات اور علم و فضل کا اثر بھی تھا۔ جنہوں نے یثرب میں 'بیت المدارس' قائم کیے تھے وہاں توراۃ کی تعلیم ہوتی تھی۔ اوس اور خزرج کے کسان و مزدور عموماً بت پرست اور جاہل تھے اِسی بنا پر وہ یہود کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ جن لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے وہ منت مانتے تھے کہ ہمارا بیٹا زندہ رہے گا تو ہم اسے یہودی بنا دیں گے۔ چنانچہ اس قسم کے بھی جدید یہودی یثرب میں تھے۔

یہودیوں کو مدتوں سے یثرب میں جو وقار حاصل تھا آنحضرتؐ کے پہونچتے ہی اس پر ٹھیس لگنے لگی۔ قرآن کریم کی آیات کے نزول کے ذریعہ اُن کے اخلاقِ ذمیمہ اور افعالِ قبیحہ کا پردہ فاش ہونے لگا تو وہ اسلام سے ناراض ہو گئے اور آنحضرتؐ کے خلاف سازشیں بھی کرنے لگے جن کی بدولت بالآخر اُن کی جلاوطنی کی نوبت آئی۔

رسولِ کریمؐ سے دشمنی کے اسباب تفصیل سے بتائے جا چکے ہیں۔ اِسلام اور رسولِ کریمؐ کے مخالفین میں ۳ بڑے عناصر تھے۔ قریش، یہود اور منافقین۔ قریش تو کھل کر سامنے آ گئے تھے یہود و منافقین خفیہ طور پر اُن کے حلیف تھے یہاں تک کہ یہود کے ۳ خاندانوں میں سے دو (بنو قینقاع اور بنو النضیر) نے جب معاہدوں کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے کھل کر اعلانِ جنگ

کر دیا اور اپنی دشمنی کو چھپا نہ سکے تو شکست کے بعد مدینہ سے جلاوطنی پر مجبور کر دیے گئے۔ ان کا ایک خاندان بنو قریظہ رہ گیا تھا جو منافقین کے ساتھ درپردہ اسلام کی مخالفت کر سکتا تھا۔ اس امکان کو رسولِ کریمؐ اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔

جلاوطنی کے بعد بنو قینقاع (تقریباً ۷۰۰ افراد پر مشتمل) اور بنو النضیر (تقریباً ۲½ ہزار افراد پر مشتمل) مدینہ کے شمال میں شام و خیبر کے علاقوں میں آباد ہو گئے (دیکھیے نقشہ نمبر خ) مدینہ سے دور یہ ۳ ہزار سے زائد افراد کی مجموعی آبادی اسلام کے خلاف کھل کر آواز اٹھانے کے لیے کافی تھی (حالانکہ بنو النضیر کی جلاوطنی کے وقت ان کے رئیس حیی بن اخطب نے آنحضرتؐ سے معاہدہ کرتے ہوئے خدا کو ضامن ٹھہرا کر کہا تھا کہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے) اس طرح مخالفت کے قدیم مرکز مکہ کے علاوہ (جو مدینہ سے جنوب میں تھا جہاں کفارِ قریش سرگرمِ عمل تھے) اب شمال میں بھی ایک نئے مرکز کا آغاز ہوا جس کے روحِ رواں یہی جلاوطن یہود تھے۔

یہودیوں کی جلاوطنی تازہ مشکلات کا باعث بنی۔ جلاوطن یہود اپنے پورے سامان کے ساتھ آزادی پا کر بھلا کیسے چین سے بیٹھ سکتے تھے؟ یہ یہود ایسے خطوں میں آباد ہوئے تھے جو شمالی کاروانی راستوں سے ملحق تھے۔ اس طرح یہ شام و عراق کے قبیلوں، بازاروں اور میلوں تک خود بھی باآسانی پہونچ سکتے (دیکھیے نقشہ نمبر خ) اور مختلف قبیلوں کی آمد و رفت سے بھی باخبر رہتے چنانچہ آبادکاری کے بعد ہی انہوں نے قول و قرار توڑ کر عظیم پیمانہ پر ایک سازش کا آغاز کیا جس کے لیے ۲۰ سردار بھی مامور کیے کہ وہ عرب کے تمام قبیلوں کو مدینہ پر حملہ کے لیے آمادہ کریں۔ بلکہ مورخ مسعودی نے 'کتاب الاشراف والتنبیہ' میں تو یہاں تک ذکر کیا ہے کہ شمال سے دومۃ الجندل سے ہو کر مدینہ آنے والے کاروانوں کو واقعتہً چھیڑا جانے لگا۔
(بحوالہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب 'عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ')

اُس وقت تک جتنی جنگیں ہو چکی تھیں وہ سب غزوہ احزاب ہی کی پیش خیمہ تھیں! بدر کے موقعہ پر ساز و سامان سے آراستہ جمعیت نے قوت آزمائی کی۔ پھر جنگِ اُحد میں تقریباً ۳ ہزار کے لشکر نے چڑھائی کی لیکن جیسے جیسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا دشمن اپنی جتھابندی میں کوشاں ہوتے گئے۔ جہاں اور جب ساری قوتیں اکٹھا نہ ہو سکیں، صرف

چھیڑ چھاڑ پر اکتفا کیا اور جم کر مقابلہ کی جرأت نہ کر سکے۔ جیسا کہ غزوہ سویق، حمراء الاسد، بئر معونہ، ذات الرقاع، بدر الصغریٰ، دومۃ الجندل اور مُریسیع وغیرہ کے مواقع پر دیکھا گیا۔ لیکن اُن کی اِن ساری حرکتوں سے کم از کم ہوا کے رُخ کا پتہ لگتا گیا اور آنحضرت ؐ بھی اپنے ذاتی تجربات اور اپنی حربی تدابیر سے اُن کی قوت کا صحیح جائزہ لے کر اقدام کرتے رہے۔

شمال میں (دیکھیے نقشہ نمبر ۶) یہودی سرداروں نے بنو غطفان کو لالچ دیا کہ خیبر کی نصف پیداوار اُن کو ہمیشہ دیا کریں گے وہ تیار ہو گئے (بئر معونہ کے وقت سے ہی وہ عامر رئیس کے حامی بن کر مخالفت پر تیار تھے بلکہ ذات الرقاع کے مظاہرہ میں بھی ان کا ہاتھ تھا) بنو اسد غطفان کے حلیف تھے غطفان نے اُن کو لکھ دیا کہ فوجیں لے کر آئیں، لہٰذا وہ بھی تیار تھے۔ بنو سعد بھی حلیف ہونے کی حیثیت سے فوراً تیار ہو گئے۔ اسی طرح بنو اشجع، بنو مُرّہ اور بنو فزارہ وغیرہ نے بھی ساتھ دینے میں آمادگی ظاہر کی۔ بنو غطفان کے زیر اثر بنو عبس، بنو ذُو بیان، بنو العشراء، بنو حشراء، بنو شبیع اور بنو جاش بھی تھے۔ جو اس اتحاد میں شرکت کے لیے آمادہ تھے۔

جنوب میں پہلے ہی سے کفار قریش کا مخالف مرکزِ عمل موجود تھا۔ اِسلام تو چاہتا تھا کہ اِنسان کو جہالت سے نکال کر روشنی میں لائے۔ لیکن قبول دعوت میں قریش کی روایتی عظمت و اقتدار اور اثر کا خاتمہ تھا! اس لیے قریش نے شروع ہی سے شدید مخالفت کی یہی حال سارے قبائل کا تھا۔ دو ایک قبیلوں کو چھوڑ کر عرب کے تقریباً تمام ہی قبائل اسلامی تحریک کے مخالف تھے اور اس تاک میں تھے کہ کس طرح اس کو ختم کر دیا جائے۔

چنانچہ جب بنو النضیر کے یہودیوں نے خیبر میں میٹنگ کر کے حُیّی بن اخطب کی قیادت میں ایک وفد (جو یہودی رؤسا سلام بن مشکم، کنانہ بن ابی الحقیق، ھوذہ بن قیس الوائل اور ابو عامر الفاسق پر مشتمل تھا) عرب قبائل کی طرف بھیجا (محمد احمد باشمیل کے مطابق: 'من معارک الاسلام الفاصلۃ') جس نے مکہ پہنچ کر قریش کو شمالی مرکز کی تیاریوں سے باخبر کیا اور تفصیل سے بتایا کہ کن کن قبائل کو انہوں نے ہموار کیا ہے تو انہوں نے ان کے نئے عزائم اور اس تجویز کی پوری تائید کی۔ چنانچہ قریش کے زیر اثر جو جو قبیلے تھے انہوں نے بھی ساتھ دیا۔ بنو مصطلق اپنی تازہ شکستِ مُریسیع کے انتقام کے جوش میں تیار ہوئے اور اَحابیش (دیکھیے جنگِ اُحد) تو قریش

کے ساتھ پختہ معاہدہ میں، پہلے سے بندھے ہوئے تھے۔ بنو سُلیم نے قریش سے قرابت کی بنا پر ساتھ دیا، اور ہوازن نے بھی امداد کا وعدہ کیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ قریش کی شکست پر اُن کی خود مختار ریاست اور اُن کی ممتاز حیثیت کا خاتمہ ہو جائے!

ایک طرف یہودیوں کو اپنے اقتدار، ساز و سامان، آلاتِ جنگ، جنگی مہارت اور مضبوط قلعوں پر ناز تھا۔ دوسری طرف قریش بھی اپنے اقتدار، ذرائع و وسائل اور بہادر سرداروں کی قوت پر گھمنڈ کرتے تھے لیکن جب بار بار اُن دونوں محرکوں کے وقار کو دھکا لگا تو دل ہی دل میں نادم و شرمندہ تھے اور کسی موزوں موقعہ کی تاک میں تھے۔ اب یہ بات کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ تنہا قریش محمدؐ کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے، اور نہ اُن کا مقابلہ ایک دو قبیلے کے بس کا ہے!

اس طرح حلفاء (ALLIES) کا لشکر یہود، غطفان اور قریش پر مشتمل تھا، اور حملہ آوروں میں زیادہ تعداد دیگر بُت پرست قوموں ہی کی تھی ـــــ بظاہر تو یہ غزوہ قریش و غطفانیوں ہی کے ساتھ تھا، مگر رحمۃ للعالمین کے مؤلف نے اسے 'یہودیوں کی جنگ' کہا ہے اور توجیہ بھی ٹھیک ہی ہے کہ اصل محرک، اشتعال دلانے والے اور روحِ رواں تو یہودی ہی تھے!

احزاب پر ایک تعارفی نظر ان احزاب کو ۳ حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے

(۱) مدینہ کے شمال سے آنے والے قبیلے حسبِ ذیل تھے (دیکھیے نقشہ نمبر 'خ' اور 'ق')

بنو اسد ـــــ طلیحہ بن خویلد الاسدی کے کمان میں
بنو اشجع ـــــ مسعود بن رُخیلہ کی کمان میں
بنو مرہ ـــــ حارث بن عوف مرّی کی کمان میں

بنو غطفان
بنو عبس
بنو ذُوبیان
بنو العشراء
بنو سعد
بنو حشراء
بنو شبیع
بنو حجاش
بنو فزارہ

} عُیینہ بن حصن فزاری کی کمان میں

یہودانِ خیبر۔ فدک۔ وادی القریٰ و تیماء ـــــ حُیی بن اخطب کی کمان میں

(۲) مدینہ کے جنوب سے آنے والے قبیلے حسبِ ذیل تھے (دیکھیے نقشہ نمبر ۲ خ، اور ق)

بنو ہوازن ——— عامر بن طفیل کی کمان میں

بنو سُلیم ——— سفیان بن عبد الشمس ابو الاعور السلمی کی کمان میں

قریش کے ساتھ بنو کنانہ تھے جن میں اُحابیش کے تین اور بقیہ بنو مصطلق کے قبیلے تھے۔ یعنی

ابو سفیان بن حرب اُموی کی کمان میں ← بنو کنانہ:

- احابیش کے قبیلے:
  - بنو نضر بن کنانہ
  - بنو مالک بن کنانہ
  - بنو حرث بن مالک
- بنو مصطلق کے قبیلے:
  - بنو حرث بن لُوی
  - بنو عوف بن لُوی
  - بنو کعب بن لُوی
  - بنو عدی بن کعب
  - بنو ہصیص بن کعب
  - بنو جمح بن کعب
  - بنو مرۃ بن کعب
  - بنو سہم بن کعب
  - بنو تیم بن مرہ
  - بنو کلاب
  - بنو زہرہ بن کلاب
  - بنو قُصیّ بن کلاب

یہ قریش اور کنانہ کون تھے جو آنحضرتؐ اور ان کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کرنے جا رہے تھے؛ اس کی حقیقت ذیل کی ایک روایت سے واضح ہوگی۔ رسول اللہ صؐ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى مِنْ وَّلَدِ إِبْرَاهِيْمَ إِسْمٰعِيْلَ وَاصْطَفٰى مِنْ وَّلَدِ إِسْمٰعِيْلَ

اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی اولاد سے اسمٰعیلؑ کو برگزیدہ کیا۔ اسمٰعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو

بَنِیْ کِنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ بَنِیْ کِنَانَۃَ — برگزیدہ کیا۔ بنو کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا۔
قُرَیْشًا وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ ھَاشِمٍ — قریش میں سے بنو ہاشم کو برگزیدہ کیا۔ بنو ہاشم
وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ (صحیح مسلم) — میں سے مجھے ممتاز فرمایا۔

(۳) مدینہ کے مشرقی حرّہ پر آباد بنو قریظہ (یہود) بھی حُیَی بن اخطب کی شہ پر آنحضرتؐ سے عہد توڑ کر احزاب میں شامل ہو گئے۔

قبائل عرب کی اتنی بڑی جمعیت اس چھوٹی سی بستی پر حملہ آور ہو گئی (جو اس سے پہلے عرب میں کبھی جمع نہ ہوئی تھی)، سلع پہاڑ سے شمال میں جہاں تک نظر کام کرتی رہی ہو گی کفارِ عرب کی فوجوں کے دَل ہی دَل نظر آتے رہے ہوں گے۔

میدانِ جنگ میں احزاب کے اِس لشکرِ گران کا کمانڈر۔ اِن۔ چیف ابوسفیان بن الحرب اُموی تھا۔

لشکر کی تعداد تصریح کے ساتھ 'طبقات ابن سعد' اور 'زاد المعاد' میں دس ہزار بتائی گئی ہے۔ غالباً اس میں بنو قریظہ کی تعداد شامل نہیں ہے جن کی فوجی طاقت بذاتِ خود ڈیڑھ ہزار سے زائد تھی۔ تفہیم القرآن میں دس بارہ ہزار تک بتائی گئی ہے۔ شاہنامۂ اسلام کے مصنف نے (فتح الباری کے حوالہ سے) ۲۴ ہزار بتائی ہے اور محمد علی لاہوری نے اپنی سیرت کی کتاب میں ۱۰ سے ۲۴ ہزار تک بتائی ہے۔

آنحضرتؐ کا فوری اِقدام

مدینہ اُن کی سازش سے بے خبر نہ تھا۔ پہلے کی مہموں کے دوران اور دیگر ذرائع سے جب آنحضرتؐ کو پتہ چل گیا کہ واقعی مدینہ پر بہت جلد متحدہ حملہ کیا جانے والا ہے تو "خلاف معمول آپؐ آدھے راستے سے مدینہ واپس آگئے اور شہر کی مدافعت کا انتظام کرنے لگے"

(ڈاکٹر حمید اللہ صاحب —— عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ)

آپؐ نے مشورے کے لیے صحابہؓ کی ایک مجلس بلائی کہ مسلمان مدینہ کے باہر جا کر مقابلہ کریں گے (جیسے اُحد میں کیا تھا) یا مدینہ کے اندر قلعہ بند ہو کر؟ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا:
"جس خدا نے ہماری نصرت کا وعدہ فرمایا ہے اُسی خدا نے ہم کو مآل اندیشی کا بھی حکم دیا ہے۔

یہ کسی طرح سے بھی مناسب نہیں ہے کہ ہم مٹھی بھر مسلمان ٹڈی دَل کفار سے کھلے میدان میں لڑیں۔" (آفتاب عالم)

مشورے کے وقت صحابیوں میں حُسنِ اتفاق سے معمر ترین صحابی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارسی بھی موجود تھے۔ غزوۂ خندق کے وقت اُن کی عمر ماشاء اللہ ۲۳۰ برس کے قریب ہو چکی تھی اس لیے یہ پختہ اور عملی تجربات بھی ازمنہ وسطیٰ (MIDDLE AGES) کی جنگوں کا رکھتے تھے۔ انہوں نے رائے دی کہ فارس والے ایسی جنگوں کے موقعوں پر لشکر کے گرد خندق کھود لیتے ہیں اور اس سے اچانک حملوں کے اندیشے باقی نہیں رہتے۔ لہٰذا پیشتر اس سے کہ دشمن کی فوج مدینہ پہونچ جائے جلدی جلدی خندق کھود لی جائے۔

وَجہِ تسمیہ :۔ اس جنگ کے دو نام ہیں (۱) 'غزوۂ احزاب'، اور (۲) 'جنگِ خندق'

(۱) احزاب، کا نام اللہ نے قرآن میں دیا ہے اور کئی مقامات پر 'احزاب' کے ذکر کے علاوہ اس نام سے ایک مستقل سورۃ موجود ہے جس میں اِس جنگ کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ 'احزاب'، جمع ہے 'حزبٌ' کی۔ جس کے معنی ہیں لوگوں کی جماعت یا پارٹی۔ ہر وہ قوم جس کے خیالات و افکار ایک ہوں۔ اِس جنگ کے اسباب میں ایک ہی مشترک فکر و خیال کارفرما تھا کہ اپنے جاہلانہ رویہ کو برقرار رکھنے کے لیے اِسلامی تحریک کا استیصال کیا جائے۔ چنانچہ اسی ایک عزم اور مقصد کے تحت جلاوطن یہودیوں کے ساتھ تہامہ، حجاز، شام و نجد کے سارے قبائل (دیکھیے نقشہ نمبر 'غ') متحد ہوئے اور عرب کے چاروں طرف سے ایک بہت ہی بڑی تعداد میں چڑھائی کر کے مدینہ کے مٹھی بھر مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے کچل دینا چاہا مگر ان کی ناکامی کا ریکارڈ بھی تاریخ میں ثبت ہو گیا۔ معنی و مفہوم کے اعتبار سے اللہ کا پسندیدہ نام نہایت ہی موزوں ہے!

(۲) دوسرا نام 'خندق' منسوب ہے۔ میدانِ جنگ کی جس اہم شے نے عرب کے سارے پُرجوش مستعد و متحد احزاب کے سامنے ایک بڑا سوالیہ نشان کھڑا کر دیا تھا وہ دراصل 'خندق' ہی تھی۔ اسی لیے جب اِس جنگ کا تذکرہ سامنے آتا ہے تو احزاب کے تصور کے ساتھ 'خندق' کا نقشہ کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا! یہ دشمنوں کے لیے

کس طرح ایک سوالیہ بن کر آئی تھی اس کا صحیح اندازہ چند قدرتی و تاریخی تجربات کو سامنے رکھ کر با آسانی ہو سکتا ہے۔

خندق کا سوالیہ؛

• متوسط طبقہ کے گھرانوں میں نعمت خانہ کو چیونٹیوں کے حملے سے محفوظ رکھنے کے لیے اُس کے پایوں کو پانی سے لبریز برتنوں میں جزیرہ بنا کر رکھا جاتا ہے۔ چیونٹیاں کھانے تک نہیں پہونچ سکتیں کیونکہ اُن کے سامنے ایک سوالیہ آجاتا ہے؛

• لکھنؤ کے چڑیا خانہ میں شیروں کی کوٹھریوں سے ملحق کھلی زمین کو گھیرتی ہوئی پانی سے لبریز ایک ایک خندق اتنی چوڑی بنائی گئی ہے کہ شیر کی جست میں نہ آسکے۔ اس کے علاوہ دیکھنے والوں کو مطمئن رکھنے کے لیے خندق سے باہر لوہے کی موٹی سلاخوں سے کافی اونچی دیواریں بھی کھڑی کر دی گئی ہیں۔ شیر اپنی کوٹھری سے نکل کر افتادہ زمین پر چکر مارتا رہتا ہے مگر باہر والوں پر حملہ نہیں کر سکتا کیونکہ اُس کے سامنے پانی سے لبریز خندق کا سوالیہ رہتا ہے؛

• آج محکمۂ جنگلات کا ایک ادارہ (جس کا کام بجائے کٹوانے کے جنگلات لگانا (AFFORESTATION) ہے وہ اوسر پلاٹ اور عریاں پہاڑیوں کو منتخب کرکے اُن پر پودے لگواتا ہے۔ اِن پودوں کی حفاظت کے لیے اِس ادارہ نے ایک آسان نسخہ یہ اپنایا ہے کہ پلاٹ یا پہاڑی کے چاروں طرف تقریباً پانچ چھ فیٹ چوڑی اور پانچ فیٹ گہری خندق کھودی جاتی ہے۔ یہ خندق مویشیوں کے لیے سوالیہ بن کر حائل ہو جاتی ہے اور وہ لگائے ہوئے پودوں پر حملہ نہیں کر پاتے؛

• دشمن سے محفوظ رہنے کا یہ فطری طریقۂ تخیل کوئی جدید دماغی پیداوار نہیں بلکہ اس کا سُراغ ازمنۂ وسطیٰ (MIDDLE AGES) کی جنگوں میں یا اور پہلے سے ملتا ہے؛

• ۶۵۸ سنہ تا ۶۵۴ سنہ قم کی بات ہے کہ بابل شہر کے گرد دو فصیلیں تھیں جن کے چاروں طرف ایک گہری اور چوڑی خندق تھی جس کی وجہ سے کوئی دشمن دیوار تک نہیں پہونچ سکتا تھا؛ خندق کھودنے سے جو مٹی نکلی تھی اُسی سے اینٹیں تیار کرکے شہر پناہ کی موٹی دیوار بنائی گئی تھی جس کی اونچائی ۳ سو فیٹ تھی؛

- آرین اقوام کی بستیوں کی حفاظت کے لیے فصیلوں کے گرد خندق کھودنے کا رواج تقریباً عالمگیر صورت اختیار کر گیا تھا؛
- لڑائی کے وقت آشوری اپنی فوج کے گرد ایک مٹی کی عارضی دیوار بنا لیتے تھے اور "مِن وَّرَاءِ جُدُرٍ" (دیواروں کے پیچھے سے) لڑتے تھے؛
- آٹھویں صدی ق م میں جب اشوری بادشاہ سارگن ایشیائے کوچک کی سرحد پار کر کے فلسطین میں پہنچا تو وہاں والوں نے اپنے شہر کے گرد گہری خندق کھود کر پانی سے بھر دی تھی؛
- ۴۲۸ ق م میں یونانیوں کی جنگ (ایتھنز و اسپارٹا کے درمیان) میں دیوارِ پناہ کے دونوں طرف کھدی ہوئی خندق کا ذکر ملتا ہے؛
- ۴۰۱ ق م میں ایرانی شہنشاہ داریوش دوم (DARIUS II) کی وفات پر جب بابل کا تخت چھیننے کی غرض سے دس ہزار کی ایک بڑی فوج نے حملہ کرنا چاہا تو سب سے پہلے میڈیا کی ۱۰۰ فیٹ اونچی اور ۲۰ فیٹ چوڑی دیوار حائل ہوئی۔ پھر شاہی نہر کو پار کرنا تھا۔ ان دو رکاوٹوں کے علاوہ بابل کے پھاٹک تک پہنچنے کے لیے اُسے ایک ایسی ۳۰ میل طویل خندق کو بھی پار کرنا پڑتا جو مشرق کی طرف میڈیا کی دیوار سے ملحق تھی اور شمالی مغربی سمت میں دریائے فرات سے ملا دی گئی تھی۔ ان رکاوٹوں (HURDLES) نے ایک طرف تو فوج کے چھکے چھڑا دیے، دوسری طرف محصورین کو قوت فراہم کرنے کا موقع مل گیا؛

غرضکہ ازمنۂ وسطیٰ کی مندرجہ بالا دفاعی تدابیر سے معمّر ترین صحابی سلمان فارسیؓ پوری طرح واقف و باخبر تھے۔ چنانچہ اُن کا پختہ مشورہ پوری مشاورتی کونسل کے لیے قابل قبول ہوا۔

میدان جنگ کا دفاعی جائزہ اور پلاننگ

(دیکھیے نقشہ نمبر ق)، واقدی کا بیان ہے کہ خندق کی تجویز پختہ ہونے کے بعد آنحضرتؐ چند انصار و مہاجرین کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے اور شہر کے اطراف اُن مقامات کا معائنہ فرمایا جو جنگ اور محاصرہ میں اہمیت کے حامل تھے۔ اور اس مقام کی تلاش کی جہاں مسلمان پڑاؤ ڈال سکیں۔

(ڈاکٹر حمید اللہ صاحب: عہدِ نبویؐ کے میدان جنگ)

شہر کے جنوب میں کھجور کے درخت اور باغات تھے جن میں سے دشمن فوجوں کا پار ہونا دشوار تھا۔ مشرق و مغرب میں لاوے کی پہاڑیاں تھیں جن پر پیدل اور گھوڑوں کا چلنا مشکل تھا۔ اُن قدرتی رکاوٹوں کے علاوہ "مشرق میں بنو قریظہ وغیرہ کے سینکڑوں مکان اور باغ تھے اور فی الوقت اُن سے بہت اچھے تعلقات تھے اور اُدھر سے اطمینان سا تھا۔"

(ڈاکٹر حمید اللہ صاحب: عہدِ نبوی کے میدان جنگ)

شمال کا رُخ ہی سب سے مخدوش تھا اور کسی حد تک مغربی رُخ بھی سمہودی نے ابن اسحاق سے نقل کیا ہے:

عَنْ ابن اسحاق کان احد جانبی المدینة عورۃٌ وَسَائِرُ جوانبھا مُشَکَّکَۃٌ بِالْبُنْیَانِ وَالنخیل لایتمکن العدوّ منھا"	ابن اسحاق سے روایت ہے کہ شہر مدینہ کا ایک رُخ کھلا ہوا تھا اور اس کے باقی رُخ عمارتوں اور کھجور کے گھنے باغوں سے گھرے ہوئے تھے جن میں سے دشمن گزر نہیں سکتا تھا۔

(بحوالہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب: عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ)

اس لیے آنحضرتؐ کی تجویز ہوئی کہ سلع پہاڑ کے شمال میں حرۂ شرقی اور حرۂ غربی کو ملاتی ہوئی ایک خندق کھودی جائے جب اس تجویز کی تائید ہو گئی تو آپ نے خود ہی اپنے ہاتھوں سے داغ بیل ڈال دی

فیلڈ آفس یا جنگی دفتر کھل گیا

داغ بیل ڈالنے کے وقت یہ حکمتِ عملی کی گئی کہ سلع کے مغرب میں حرہ پر چھوٹے چھوٹے دو ٹیلوں اور شمال میں ۲ ٹیلوں کو خندق کی لائن پر رکھ کر ملا لیا گیا تھا تاکہ وہاں دفاعی چوکیاں بٹھائی جائیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے فوراً اپنا مکان چھوڑ کر شمالی دامن کے بیچ والے ٹیلہ پر خیمہ لگا لیا (جس کی یادگار آج تک مسجد ذباب موجود ہے) (دیکھیے نقشہ نمبر ق) فیلڈ کے کام کو سنبھالنے کے لیے یہی مرکزی مقام تھا۔ اور وہیں جنگی دفتر کھل گیا اور کھدائی کے سارے ضروری آلات و سامان فراہم کر کے ایک اسٹور کھول دیا گیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ "بعض تاریخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے بنو قریظہ یہودیوں سے بھی کھدائی کا سامان مستعار حاصل کیا تھا۔"

سپہ سالارِ اعظم کی یہ مستعدی دیکھ کر ۳ ہزار مسلمانوں نے اپنی رضا کارانہ خدمت پیش کر دیں۔ محمد احمد باشمیل نے لکھا ہے کہ بنو قریظہ نے کھدائی میں ہاتھ نہیں بٹایا؟ "عام لوگ تو دن بھر خندق کی کھدائی کرتے اور رات اہل و عیال میں گزارتے مگر آنحضرتؐ اپنے کیمپ ہی میں دن رات مستعد تھے!" (ابن ہشام) (بحوالہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب: عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ)

خندق کی کھدائی عین رمضان میں

اکثر مورخین نے غزوۂ احزاب کو شوال کے مہینہ میں بتایا ہے اور کسی کسی کتاب میں اسے ذیقعدہ کے مہینہ میں بتایا گیا ہے۔ لیکن مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کھودنے کا کام تقریباً ختم ہوچکا تھا کہ شوال کے مہینہ میں دشمن مدینہ کی سرحد پر نظر آئے اور پھر بیس پچیس دنوں کا محاصرہ ہوا اور اسی مہینہ میں میدان صاف ہوتے ہی اسی روز بنو قریظہ کے ساتھ کارروائی شروع کی گئی۔ چونکہ حقیقتاً جنگ شروع ہونے سے پہلے خندق کی کھدائی میں ۳ ہفتے صرف ہوگئے تھے یعنی خندق کی کھدائی وسط رمضان میں شروع ہوگئی تھی۔ ان پہلوؤں کو مدِ نظر رکھ کر ہم اس جنگ کو شوال و ذیقعدہ ۵ھ میں محدود کر سکتے ہیں۔

خندق کی انجینئرنگ ٹیکنیک اور تقسیم کار

خندق کی لمبائی ناپنے پر تقریباً ۳½ میل آئی جو ۱۸,۴۸۰ فیٹ کے برابر ہوتی ہے۔ ۳ ہزار رضا کاروں پر فی کس تقریباً ۶ فیٹ ہوئی۔ تاریخ کی کتابوں سے بھی پتہ چلتا ہو کر رسول اللہؐ نے پوری خندق کی لائن کو کھودنے کے لیے دس دس آدمیوں کی ٹکڑی (GANG) بنادی تھی اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے بیان کے مطابق "ہر دس دس آدمیوں کی ٹکڑی کو چالیس 'ذراع' لمبی خندق کھودنے کا کام سپرد ہوا" اس سے بھی ہر آدمی کو ۴ 'ذراع' یعنی ۶ فیٹ کی لمبائی پڑے گی کیونکہ ذراع کے معنی ہوتے ہیں کہنی سے لے کر بیچ کی انگلی تک کا فاصلہ جسے پیمائش کی اصطلاح میں 'ہاتھ' (= ۱½ فیٹ) کہا جاتا ہے۔ محمد احمد باشمیل نے بھی اسی کی تائید کی ہے اور ۴۰ ہاتھ ہی لکھا ہے۔ 'سیرۃ النبیؐ' اور 'رحمۃ للعالمین' کے مؤلفوں کے حساب میں غلطی ہوئی ہے کیونکہ 'سیرۃ النبیؐ' میں 'ذراع' کے معنی گز (یعنی ۳ فیٹ) سمجھ لیا گیا۔ اور دس آدمیوں کی ٹکڑی پر دس ہی گز نکلا ہے۔ (بجائے ۴۰ ذراع کے) جو نصف

لمبائی ہوئی ــــ جس کا اثر پوری خندق کی لمبائی پر یہ ہوگا کہ ۳ فیٹ کے حساب سے ۳ ہزار آدمیوں پر صرف ۹۰۰۰ فیٹ تک کھدائی ہو سکے گی؟ دوسری طرف "رحمۃ للعالمین حصہ اول میں "دس دس آدمیوں نے چالیس گز خندق تیار کی تھی" (بجائے ۴۰ ذراع کے) جو نتیجے میں ۳۶۰۰۰ فیٹ کی لمبائی ہو جائے گی جبکہ حقیقتاً خندق کی لمبائی ۱۸۰۰۰ فیٹ تھی؟

جہاں تک چوڑائی اور گہرائی کا معاملہ ہے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے تو لکھ دیا کہ "گہری اور چوڑی کتنی تھی، اس کا کوئی پتہ مجھے اب تک کسی کتاب میں نہیں ملا، لیکن انہوں نے (عہد نبوی کے میدان جنگ میں) سلمانؓ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک قوی ہیکل آدمی تھے اور کئی آدمیوں کے مجموعی کام کے برابر خود کرتے تھے، اور واقدی کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: "جَعَلُوْا لَہٗ خَمْسَ " اَذْرُعٍ ، طُوْلًا وَخَمْسَ فِی الْاَرْضِ"۔ میرے خیال میں طولاً کے بعد فی العرض ہوگا (نہ کہ فی الارض) یعنی عرض (چوڑائی) میں ــــ کیونکہ کھدائی کے لیے ناپ لمبائی اور چوڑائی میں دی گئی ہوگی۔ محمد احمد باشمیل صاحب نے تو لکھا ہے کہ "چوڑائی (عرض) نو (۹) ہاتھ سے کم نہ تھی"۔ یعنی تقریباً ۱۴ فیٹ ــــ گہرائی کے متعلق سیرۃ النبیؐ میں ۵ گز لکھا ہے

اس طرح ہر بیان کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر خندق کی کھدائی کا تخمینہ کیا جائے تو حسب ذیل مناسب ہوگا:۔

لمبائی ۱۸۰۰۰ فیٹ × چوڑائی ۱۵ فیٹ × گہرائی ۸ فیٹ = ۲۲۰۰۰۰۰ مکعب فیٹ

جسے ۲۰ دنوں میں ۳ ہزار آدمیوں نے مل کر کھودی۔ اس لیے ایک آدمی کے حصہ میں ۷۲۰ مکعب فیٹ اوسطاً آئی اس طرح ایک دن میں ایک آدمی نے گویا ۳۶ مکعب فیٹ مٹی کھودی معمولی مٹی کے ساتھ پتھریلی جگہوں کی کھدائی تو دشوار رہی ہوگی اور کھدائی بھی کم ہوتی رہی ہوگی۔ اس کے علاوہ مٹی کو خندق سے نکال کر اوپر پھینکنا پڑتا تھا۔ اور پتھروں کے ساتھ دیوار کی شکل میں چنائی بھی کی جاتی رہی ہوگی "آفتاب عالم" میں صراحت کے ساتھ درج ہے کہ "جو مٹی نکلتی تھی اس سے پشتہ باندھ دیا جاتا تھا اور ایک کچی سی فصیل قائم ہو گئی تھی"، معلوم ہوتا ہے کہ "خندق کی کھدائی سے جو پتھر اور مٹی نکلی تھی وہ مدینہ ہی کی جانب پھینکی گئی۔ اس طرح مٹی کے تودوں اور پتھروں کی آڑ سے مسلمان کثیر انداز مسلسل تیر چلاتے تھے"۔ (تاریخ العمران)

خندق سے نکلی ہوئی مٹی سے زمین کی سطح اونچی ہوگئی ہوگی جس سے صرف ½ فیٹ سے دُگنی گہرائی نظر آنے لگی ہوگی۔ اسی طرح ۱۵ فیٹ چوڑائی کے بعد ہی مٹی پتھر کی عارضی دیوار بھی نظر آتی رہی ہوگی جو گھوڑ سواروں کو حیران کرنے کے لیے کافی تھی!

محمد احمد باشمیل کے مطابق بنو قریظہ نے خندق کھودنے میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ حالانکہ یہ بات معاہدہ کے خلاف تھی؟

رضا کار کھدائی میں مگن

جاڑے کا موسم اور دن چھوٹا۔ لیکن اہم دفاعی کام کا بوجھ سر پر۔ سلع پہاڑ کے مغرب کی طرف خندق حرّۂ وابرہ سے شروع کی گئی اور دونوں ٹیلوں کو کمان کی شکل میں ملاتی ہوئی سیدھی ہوکر تینوں ٹیلوں کو ملا کر مشرقی حرّہ کی طرف چلی اور پھر لائن ٹیڑھی کرکے خندق آطام الشیخین سے ملا دی گئی۔ اسی طرح ۳½ میل لمبی کھدائی پر ۳ ہزار رضا کار جانباز مجاہد پھیلے ہوئے تھے۔ مٹی کی نوعیت کچھ اس طرح تھی کہ مغرب ومشرق کے حرّوں پر پتھر مل تھی۔ بیچ کی مٹی کچھ نرم لیکن درمیانی ۳ ٹیلوں کے پاس پھر سخت۔ اس لیے سخت حصّوں میں کھدائی کم ہوتی تھی۔

دَس دَس آدمیوں کی ٹکڑی بنائی گئی (یعنی ۳ ہزار آدمیوں سے ۳ سو ٹکڑیاں) ایک ٹکڑی میں خود آنحضرتؐ بھی عام رضا کار کی طرح شریک ہوگئے۔ اس مخصوص ٹکڑی کے افراد یہ تھے ــــ محمدؐ، ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، سلمانؓ، حذیفہؓ، نعمانؓ اور (۸) (۹) (۱۰) تین دیگر صحابی۔

حرّہ میں سنگ مرمر کی ایک چٹان سے رضا کار عاجز ہو کر یہ اجازت لینے آئے کہ یہاں تھی جگہ (ALIGNMENT) سے خندق کو ذرا ہٹا دیں۔ تو آنحضرتؐ نے اس کی اجازت نہ دی بلکہ خود تشریف لے جا کر چٹان کو توڑ دیا" (ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے طبری اور ابن ہشام کے حوالہ سے بیان کیا ہے) "سیرۃ النبیؐ میں بھی صحیح بخاری کے حوالہ سے بیان ہوا ہے کہ "پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آگئی۔ کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی۔ رسول اللہؐ تشریف لائے۔ ۳ دن کا فاقہ تھا، اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپؐ نے دستِ مبارک سے پھاوڑا مارا تو چٹان ایک تودۂ خاک تھی" تجرید البخاری کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ اِنَّا یَوْمَ الْخَنْدَقِ نَحْفِرُ فَعَرَضَتْ کُدْیَۃٌ شَدِیْدَۃٌ فَاَخَذَ النَّبِیُّ ﷺ الْمِعْوَلَ فَضَرَبَ فِی الْکُدْیَۃِ فَعَادَ کَثِیْبًا اَھْیَلَ	ہم لوگ خندق کے دن زمین کھود رہے تھے اتفاقاً ایک سخت چٹان نکل آئی۔ پس نبیؐ نے ہاتھ میں گینتا (PICKAXE) اُٹھایا اور چٹان میں ضرب لگائی تو وہ چٹان نرم ہوگئی۔

ایسی چٹانیں ٹوٹتیں تو اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوتے! واقدی اور شامی کی ایک روایت کا تذکرہ حمید اللہ صاحب نے اِس طرح کیا ہے کہ "ابوبکرؓ و عمرؓ کبھی کام کرنے میں یا کہیں آنے جانے میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ یہ لوگ مٹی کو اپنے کپڑوں میں ڈھوتے تھے کیونکہ جلدی میں ٹوکریاں نہیں مل سکی تھیں"

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے (عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ میں) اُس موقعہ پر مذاق و دل لگی کا ایک واقعہ بھی درج کیا ہے کہ حضرت زید بن ثابت اُس وقت دس بارہ سال کے بچے تھے جو کھدائی میں ہاتھ بٹا رہے تھے۔ ایک دن محنت سے تھک کر لیٹے تو آنکھ لگ گئی۔ حضرت عمارہ بن حزم نے (جو چلبل طبیعت رکھتے تھے) بچے کی کھدائی کا سامان اور کپڑے اٹھا کر کہیں چھپا دیا، جب بچہ اٹھا تو "اپنی کوتاہی اور قصور" پر گھبرا گیا! اسی لیے آنحضرتؐ نے زید بن ثابت کو "ابو رُقاد" (یعنی بڑا سونے والا) کہہ کر ملامت کی، اور دوسری طرف حضرت عمارہ کو تنبیہ کی کہ ایسا مذاق مناسب نہیں! (اخلاقی تربیت اس طرح ساتھ ساتھ ہوتی!)

کام کی سختی کو بھلانے کے لیے عام طور سے خوش دل مزدور آج بھی جہاں آزادانہ ماحول مل جاتا ہے صنعتی مقامات پر کورس (CHORUS) گا گا کر اپنے کام کو ہلکا کر لیتے ہیں۔ بہار میں تو خواتین مزدور گا گا کر ہی اپنا کام نمٹا لیتی ہیں۔ بالکل یہی نقشہ ہمیں اس وقت ۳½ میل خندق پر ۳ ہزار رضا کار کا ملتا ہے۔ سلع کا پہاڑ شاہد ہے کہ اُس کے پہلو میں صحابہ خندق کھودتے ہوئے کس طرح یہ شعر پڑھتے تھے:

"نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا ✝ عَلَی الْاِسْلَامِ (سیرۃ النبیؐ میں الجہاد لکھا ہے) مَا بَقِیْنَا اَبَدًا" (ہم وہ ہیں جنہوں نے ہمیشہ کے لیے محمدؐ کے ہاتھ پر بیعت اسلام (جہاد) کی ہے) (رحمۃٌ للعالمین)

اور ابن رواحہ کے مندرجہ ذیل اشعار باآواز بلند پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ (سیرۃ النبیؐ میں "وَاللہِ" ہے) لَوْ لَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا + فَلَا تَصَدَّقْنَا وَ لَا صَلَّیْنَا

(اے خدا تیرے سوا ہم کو ہدایت تھی کہاں + کیسے پڑھتے ہم نمازیں؟ کیسے دیتے ہم زکوٰۃ؟)

فَاَنْزِلَنْ "سَکِیْنَۃً" عَلَیْنَا — وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَیْنَا

اے خدا ہم پر سکینہ کا تو فرمادے نزول — دشمن آجائے تو ہم کو کر عطا یا رب ثبات

اِنَّ الْاَعْدَاءَ قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا — اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَۃً اَبَیْنَا

بے سبب ہم پر یہ دشمن ظلم سے چڑھ آئے ہیں — فتنہ گر ہیں وہ، نہیں بھاتی ہم کو فتنہ کی بات

سیرۃ النبیؐ میں لکھا ہے کہ "اَبَیْنَا" کا لفظ جب آتا تھا تو آواز زیادہ بلند ہوجاتی تھی اور مکرر کہتے تھے (صحیح بخاری: غزوۂ احزاب)

ان کے علاوہ مزید انصار و مہاجرین کے حق میں دعا بھی اس طرح دیتے جاتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃِ فَبَارِکْ فِی الْاَنْصَارِ وَ الْمُھَاجِرِ"

ہنستے کھیلتے اس طرح محنت کے ۲۰ دن ختم ہوگئے اور اسکیم کے مطابق مجوزہ خندق مکمل ہونے لگی تو مختلف محلوں کے لوگوں نے بھی دیکھا دیکھی اپنی مدافعت کے لیے خندق میں اس طرح توسیع کرلی کہ (دیکھیے نقشہ نمبر ق)، سلع پہاڑ کے مغربی گوشہ سے حرّہ وبرۃ اور وادی بطحان اور وادیٔ رانونا کے سنگم سے ملادیا (عہد نبویؐ کے میدان جنگ میں یہ بات درج ہے کہ (طبری نے لکھا ہے کہ) "اب وادیٔ بطحان راستہ بدل کر اُس جگہ سے گزرنے لگی ہے جہاں خندق کھودی گئی تھی"۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدرتی طور پر مغربی حرّہ کے دامن سے مل کر بہتی رہی ہوگی)

خندق مکمل ہونے پر آنحضرتؐ کی ہدایات

کھدائی مکمل ہوتے ہی شوال میں دشمن بھی آپہنچا۔ لہٰذا درج ذیل اقدامات کیے گئے:

- سب سے پہلے سیکڑوں کی تعداد میں مستورات مدینہ، بال بچوں اور معذوروں جانور، غلّہ و قیمتی اثاثہ کو بنو قریظہ یہود کی آبادی کے قریب اُطُم حسان میں منتقل کردیا گیا۔ جو

ایک گڑھی کی کہنہ چہار دیواری تھی (تلفظ مارع) اور حسان بن ثابت کی ملکیت تھی۔
محمد احمد باشمیل صاحب نے لکھا ہے کہ "۱۵ برس سے کم عمر لڑکوں کو جنگ میں شریک نہیں کیا گیا۔ (طبری نے لکھا ہے کہ بی بی عائشہؓ اُطُم بنی حارثہ میں رہیں۔)

- طبری میں جنگ خندق کے بیان میں ابن اسحٰق کی یہ روایت موجود ہے:

وَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ وَالْمُسْلِمُوْنَ حَتّٰی جَعَلُوْا ظُهُوْرَهُمْ اِلٰى سَلْعٍ فِیْ ثَلَاثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَضَرَبَ هُنَالِكَ عَسْكَرَهٗ وَالْخَنْدَقُ

یعنی مدینہ سے نکلے رسول اللہؐ اور مسلمان آگے شمال کی طرف بڑھتے گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنی پیٹھیں کرلیں سَلع کی طرف، ۳ ہزار مسلمانوں کی تعداد میں۔ اور پھر وہیں اپنا کیمپ قائم کر لیا اور خندق پاس میں تھا۔

اس طرح مسلمانوں کا رُخ خندق کی طرف تھا اور پُشت سَلع کی طرف تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ آپؐ کا خیمہ بھی اب جبل ذُباب سے جبل سَلع کے ایک اہم مگر محفوظ مقام پر منتقل کر دیا گیا۔ آپ کی خیمہ گاہ پر آج 'مسجد فتح' بطور یادگار پائی جاتی ہے۔ اور اُسی کے قریب سَلع کی مغربی ڈھلوان اور دامن میں باب الشامی کی طرف آپؐ کے ۴ سپہ سالاروں کے خیمے تھے۔ وہاں بھی بعد میں یادگار مسجدیں تعمیر کی گئیں جو حضرت سلمانؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوذرؓ کی طرف منسوب ہیں۔ اور یہ سب (مسجد الفتح کو ملاکر) "مساجد خمسہ" کے نام سے آج تک مشہور ہیں۔

- اِن خصوصی خیموں کے علاوہ آنحضرتؐ نے صحابہؓ کو مختلف دستوں پر تقسیم کر کے خندق کے مختلف حصوں پر (پانچوں ٹیلوں پر بھی جو خندق کی لائن پر پڑتے تھے) متعین کیا، پہرے بٹھائے اور مدینہ کے دوسرے اطراف میں مناسب مقامات پر (جہاں خندق نہ تھی فقط مکانات و نخلستان تھے) نگرانی اور حفاظت کے لیے دستے مقرر کیے (ابن سعد، زرقانی) خندق کی حفاظت اور حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکر کو دو حصوں پر منقسم کیا۔ (۱) مسجد ذباب سے آطام الشیخین تک مہاجرین کو زیر نگرانی زید بن حارثہ اور مسجد ذباب سے مغرب کی طرف خندق کے متوازی مسجد الفتح تک انصار کو زیر نگرانی سعد بن عبادہؓ خندق کا

ایک حصہ خود آپؐ کے اہتمام میں تھا، اور مدینہ کا امیر ابن اُمّ مکتومؓ کو بنا دیا گیا۔ چونکہ بنو قریظہ کی طرف سے اخیر تک اندیشہ تھا اس لیے حضرت سلمہؓ بن اسلم کو دو سو آدمیوں کے ساتھ اُس طرف بھی متعین کر دیا گیا۔

یہ مقرر کردہ ٹکڑیاں اور دستے باری باری خندق کا پہرہ دیتے۔ ایک مرتبہ رات میں مسلمانوں ہی کے دو دستوں کی مڈبھیڑ ہوگئی اور ایک دوسرے کو نہ پہچان کر ایک دوسرے کو زخمی بھی کر ڈالا اور چند کی جان بھی گئی۔ پھر اپنے معمول شعار (WATCH WORD) کے نعرے لگانے سے متنبہ ہوئے؛ تیس سے کچھ زائد گھوڑ سوار بھی پہرہ دینے میں خندق کی نگرانی کر رہے تھے (واقدی)

غرضکہ اِس طرح آنحضرتؐ نے اپنے محدود مادی وسائل سے دشمن کے متحدہ حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے ممکن العمل تدابیر کی اور پھر اللہ پر توکل کر کے اپنے کیمپ (کمانڈ پوسٹ) پر مقیم ہوگئے۔ مسلم لشکر کی تعیین سَلع پہاڑ کے شمالی دامن میں اور پھر خندق میں محصور ہو کر دشمنوں پر سَلع پہاڑ کی چوٹی سے میدانِ جنگ اور دشمن کی نقل و حرکت سے بخوبی واقف و باخبر رہنے کا پلان بظاہر تو نصرت و کامیابی کے اِمکانات کی نشاندہی کر رہا تھا!

احزاب کی آمد اور حملہ کی تیاریاں

احزاب پر ایک تعارفی نظر ڈالتے وقت ہی دشمن کی متحدہ قوت کا اندازہ ہو گیا۔

(دیکھیے نقشہ نمبر ق)، مکّہ کی طرف سے آنے والے قبائل بئر رومہ پر مُقیم ہوگئے۔ شمال کی طرف سے آنے والے سارے قبیلے اور غطفان برکۃ الزبیر کے مغرب اور غابہ و بحیرہ کے مشرق میں پہونچ گئے۔ اور یہودی قبیلے حُیّی بن اخطب کی سرداری میں مُجرہ کے مغرب میں پہنچ گئے۔ یہ علاقہ کیمپنگ کے لیے مختلف پہلوؤں سے بہترین تھا۔ مدینہ کی ندیاں وہیں پہنچ کر مُجرہ میں گرتی ہیں۔ اس لیے پانی کی فراوانی اور جانوروں کے لیے بھی چارہ کی سہولت تھی پھر فوجوں کے لیے کُھلا میدان۔ اِن لشکروں کا کمانڈر اِن چیف ابو سفیان بن الحرب تھا۔ اِس مرتبہ تو بہت بڑی جمعیت ان کے ساتھ تھی، اور پورا عرب اِسلام کے استیصال کا عزم لے کر مدینہ کی طرف بڑھا تھا!

سب سے پہلے ابوسفیان جبل اُحُد کے مغربی گوشے سے فوجوں کو لے کر اسلامی لشکر کی تلاش میں اُحُد کے میدان کو عبور کرتا ہوا مشرقی حرّہ کے کنارے آطام الشیخین تک پہنچ گیا۔ وہاں انوکھی جدید کھدی ہوئی خندق دیکھی تو شامی رُخ سے حملے کے لیے بڑھا۔ لیکن اس طرف بھی خندق راہ میں حائل تھی (چونکہ عربوں نے کبھی خندق کی جنگ نہ دیکھی تھی اس لیے وہ) حیران و ششدر رہ گیا (ابن سعد۔ زرقانی) بعض شہسواروں نے گھوڑے کُدا کر پار ہوجانے کی ٹھان لی۔ مگر صحابہؓ نے پتھروں کی بوچھاڑ سے اُن کو ہٹا دیا۔ آخر کار جب کفار نے دیکھا کہ خندق کی وجہ سے اتنی بڑی قوت FORCE لے کر بھی باقاعدہ لڑائی محال ہے تو انہوں نے کھلے میدان میں ڈیرے ڈال دیے اور مدینہ کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا اور خندق کے کمزور حصّوں (WEAK POINTS) کا پتہ لگا کر اُن سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں لگ گئے (ابن سعد۔ زرقانی) مدینہ بالکل سامنے تھا لیکن اتنی کثیر فوج بھی بے کار ہو رہی ہے؟ محمد احمد باشمیل نے لکھا ہے کہ "یہ خندق جیسے کوئی بڑا اژدہا تھا جو مدینہ کو لپیٹے میں لیے ہوئے تھا۔ دُشمن اپنے گھوڑوں کو لے کر اِدھر اُدھر چکر لگاتے تھے مگر ناکامی سے ہی واسطہ پڑتا! ان کی ہر حرکت کو خندق نے معطل کر کے رکھ دیا"

محاصرہ کی سختیاں

آنحضرتؐ اور صحابہؓ کی جمعیت شہر اور خندق کے درمیان متمکن تھی۔ سَلع کا پہاڑ عقب میں تھا۔ شہر کی حفاظت میں اسلامی لشکر دن رات چوکنّا رہتا تھا!

- جس طرف (مغربی سمت میں) حضرت عمرؓ اور علیؓ متعین تھے پتھریلی جگہ ہونے کی وجہ سے خندق کی چوڑائی کسی قدر کم تھی۔ اُسی طرف ایک روز کفار نے کچھ جانبازوں کو پیٹ کے بل رینگ کر بڑھنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے اِس کارروائی کو دیکھ لیا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً اُدھر کے مسلمانوں کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک خندق کے پاس پشتہ کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا اور دوسرا حصہ ترکش اور کمان لے کر آمادہ ہو گیا۔ جوں ہی خندق میں اترنا شروع کیا مشرکوں پر پشتہ کے پیچھے چھپے ہوئے مسلمانوں نے تیر برسانا شروع کر دیا۔ کچھ مُردہ ہو کر خندق میں گرے اور بقیہ گھبرا کر اُلٹے بھاگے اِس طرح ان کی خاصی تعداد ضائع ہو گئی۔

(آفتاب عالم)

• ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی کمان میں ایک مضبوط رسالہ تھا جس میں عرب کے نامی گرامی شہسوار تھے۔ اس رسالہ کے سواروں نے خندق کے اسی مخصوص مقام سے گھوڑا کدانے کا حوصلہ کیا۔ فقط ۴ سوار خندق کو پھاند سکے (طبری)، ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو ابن عبدود تھا جو ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا حالانکہ اس کی عمر اس وقت ۹۰ برس کی تھی۔ سب سے پہلے وہی آگے بڑھا۔ گھوڑے کو مہمیز کیا اور پار اتر گیا۔ حضرت علی ؓ نے اس پر وار کیا اور ختم کر دیا اس کے بعد ضرار ؓ اور جبیرہ ؓ نے حملہ کیا لیکن دونوں واپس ہو گئے۔ حضرت عمر ؓ نے ضرار کا تعاقب کیا تھا۔ چوتھا بہادر نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ واپس بھاگتے ہوئے خندق میں گرا۔ صحابہ نے تیر مارنا شروع کیا لیکن اس نے شریفانہ موت کی درخواست کی۔ لہٰذا حضرت علی ؓ نے خندق میں اتر کر تلوار سے مارا، کہ شریفوں کے شایانِ شان تھا! عمرو ابن عبدود کا حضرت علی ؓ کے ہاتھوں قتل ہونا لشکر کفار میں خوف سے دیکھا گیا (زرقانی)، اور نوفل بھی قریش کا بہت بڑا آدمی سمجھا جاتا تھا۔ اس کی لاش کے لیے تو قریش نے ۱۰ ہزار درہم بھی دینا چاہا، مگر آنحضرت ؐ نے یہ لاشیں بلا معاوضہ دے دیں —— اب بھلا کیسے گھوڑ سوار خندق پھاندنے کی ہمت کر سکتے؛ یہ تو ماجرا اس تنگ ترین مقام کا تھا جہاں زمین بھی سخت تھی اور گھوڑا کدانا بھی آسان تھا۔ مگر دوسرے جوانب میں جہاں مٹی ڈھیلی تھی پھسلنے کا بھی ڈر تھا۔ دیوار سی بھی قائم ہو گئی تھی گھوڑے کو پار کرنے کے بعد ٹھہرنے کی بھی امید نہ تھی؛ چنانچہ سب نے ارادہ ہی ترک کر دیا۔

• قریش کے سرداروں کی خفیہ مجلس ہوئی اور لڑنے کا ایک نیا اسلوب طے پایا کہ قریش کے مشہور جنرل ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص، ضرار بن الخطاب اور جبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہو تاکہ یہ جنرل تازہ دم رہیں اور باری باری سے حملہ کریں۔ دوسری طرف مدافعت کرنے والوں کو سونے تک کا موقعہ نہ ملے۔ لیکن اس طریقہ میں کامیابی نہ ہوئی۔

• ابوسفیان نے حکم دیا کہ ہر جگہ سے تیر برساؤ اور پتھر پھینکو۔ مسلمان بہت تھوڑے ہیں یا تو مضروب و مجروح ہو جائیں گے یا تھک کر مدافعت سے ہاتھ اٹھا لیں گے۔ اس کا ارادہ یہ بھی تھا کہ مسلمان ذرا بھی غافل ہوں تو خندق کو بھر دیا جائے یا کسی جگہ پل بنا دیا جائے لیکن یہ بھی ممکن نہ ہو سکا۔ (ارشاد الحکمۃ)

• مسلمانوں کو داخلی خطرہ بنو قریظہ کی طرف سے ہر وقت تھا۔ اگر وہ دشمن کا ساتھ دے کر جنگ میں علی الاعلان شامل ہوتے ہیں تو مسلمان دو آگوں کے بیچ (بین النارین) ہو جائیں گے یہود پیچھے اور دس ہزار احزاب آگے! چنانچہ اسی اندیشہ کا اظہار حضرت ابو بکرؓ کے بیان سے ہوتا ہے "میں بار بار جبل سلع کی چوٹی پر چڑھ کر نظر دوڑاتا اور جب مدینہ کے گھروں کو پرسکون پاتا تو خدا کا شکر کرتا" (پوزیشن دیکھیے نقشہ نمبر 'ق' میں) معاہدہ کے مطابق تو بنو قریظہ کو مسلمانوں کا ساتھ دینا ضروری تھا۔ لیکن رات کی تاریکی میں بنو النضیر کا سردار حُیَیّ بن اخطب اُن سے ملا (جن کی تعداد تقریباً ۹۰۰ تھی) (ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے مطابق ۷۵۰ تھی) اور حکمت کے ساتھ یہ سمجھا دیا کہ مسلمانوں سے معاہدہ توڑ کر مدینہ پر پشت سے جنگ کے وقت حملہ کر دیں۔ ساتھ ہی ساتھ ایسی دھمکی بھی دی کہ اگر احزاب بلا تصادم واپس چلے گئے تو پھر بنو قریظہ کی خیر نہیں! محاصرہ میں روز بروز شدّت بڑھتی گئی تو بنو قریظہ کا رنگ بھی بدلنے لگا۔ ان افواہوں کی توثیق کے لیے آنحضرتؐ نے جاسوس بھیجے تو بنو قریظہ کی غدّاری کا ثبوت مل گیا! اس کے بعد بنو قریظہ نے شہر کے امن میں بھی خلل ڈالنا شروع کر دیا۔ اور مسلمان عورتوں اور بچوں کے لیے خطرہ لاحق ہو گیا! اس انضمام سے احزاب بڑے خوش تھے! (سیرۃ النبیؐ حصہ اوّل) محمد احمد باشمیل نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ "جب بنو قریظہ کے آدمی ۲۰ اونٹوں پر کھجور، جَو اور چارہ لاد کر نکلے (جسے یہود نے قریش کے لیے بھیجا تھا) تو مشرکین خوش ہو گئے۔"

• مستورات جس قلعہ میں (گڑھی کی چہار دیواری — دیکھیے نقشہ نمبر 'ق' میں) تھیں وہ بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا۔ یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرتؐ کے ساتھ مشغول ہے قلعہ پر حملہ کرنا چاہا اور ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہونچ کر حملہ کے لیے موقعہ ڈھونڈھ رہا تھا (اُس وقت غالباً حضرت سلمہ بن اسلم اپنے دو سو آدمیوں کو لے کر خندق کی طرف چلے گئے تھے یا بلا لیے گئے تھے) (زرقانی)

حضرت صفیہؓ (آنحضرتؐ کی پھوپھی) نے دیکھ لیا۔ مستورات کی حفاظت کے لیے حسّان بن ثابت (شاعر) متعین کر دیے گئے تھے۔ مگر حسّان نے جرأت نہ کی کہ جا کر اُسے قتل کر سکیں۔ لہٰذا حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی چوب سر پر مار کر اُسے ہلاک کیا پھر اس کا سر کاٹ کر

پھینک دیا اور کپڑے اور ہتھیار اٹھا لائیں ـــــ یہودیوں نے اس مقتول یہودی کو دیکھا تو بے حد مرعوب ہوئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ قلعہ میں کچھ فوج بھی ضرور متعین ہے۔ اس خیال سے پھر حملہ کی جرأت نہ کی! (زرقانی)

محاصرہ کے انہی سخت ایام میں ایک دن ایسا گزرا کہ تمام دن لڑائی جاری رہی۔ کفار ہر طرف سے تیر اور پتھروں کی بوچھاڑ کرتے رہے۔ مسلسل تیر اندازی اور سنگباری کی وجہ سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا ــــ اسی دن کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ کی ایک عصر کی نماز یا زیادہ سے زیادہ ۴ نمازیں قضا ہوئیں! اُس روز دُشمن کی دس بارہ ہزار کی فوجیں اس زور شور سے حملہ آور ہوئیں کہ مدینہ کی زمین دہل گئی۔ اس صورت حال کی نزاکت اور اس معرکہ کی دردناک تصویر خود اللہ نے اس طرح کھینچی ہے:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ (احزاب ۱۰-۱۱)

جبکہ وہ تمہاری طرف آئے تمہارے اوپر سے (یعنی بنو قریظہ کی طرف سے) اور تمہارے نشیب کی طرف سے (یعنی شامی رُخ سے) اور نظریں خیرہ ہو گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم خدا کے متعلق عجیب بدگمانیاں کرنے لگے۔ اُس موقع پر ایمان والوں کی آزمائش ہوئی اور وہ بری طرح جھنجھوڑ دیے گئے۔

ایک طرف سردی کا سخت موسم، پھر مسلسل کئی کئی وقت کے فاقے، نہ راتوں کی نیند نہ دن کا آرام، ہر وقت جان کا خطرہ، مال اور اولاد سب کچھ دشمن کی زد پر، مقابلے میں بے پناہ لشکر کا ہجوم ــــ کمزور ایمان والے اور منافقین ان حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اُن لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ "ہم سے اللہ نے اور اُس کے رسول نے جو وعدے کیے تھے وہ سب دھوکہ ہی تھا" (احزاب آیت ۱۲) ان لوگوں نے نبی کریمؐ سے کہنا شروع کیا کہ ہمیں تو اجازت دے دی جائے تاکہ ہم اپنے گھروں پر ہی رہ کر حفاظت کریں۔ ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں" (احزاب آیت ۱۴) (حیات طیبہ)

دوسری طرف آنحضرتؐ نے محاصرہ کی سختی دیکھ کر خفیہ قاصد غطفانیوں اور فزاریوں کے پاس بھیجے اور مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث لے کر اگر وہ محاصرہ سے دست بردار ہو جائیں تو معاہدہ کرو۔ لیکن جب روساء انصار سے مشورہ کیا گیا تو وہ کسی حال میں بھی آمادہ نہ ہوئے اور معاہدہ کا غذ لے کر تمام عبارت مٹادی۔ (ابن ہشام ص۶۷۶ اور طبری۔ ج ۲ ص۱۴۷۴)

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے حلیفوں میں پھوٹ ڈلوانے اور غلط فہمی پیدا کرانے کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ "آنحضرتؐ نے چند نو مسلم کارندے بنو قریظہ کے پاس بھیجے جن کا اسلام لانا ابھی مشہور نہ ہوا تھا۔ انہوں نے بنو قریظہ میں اپنے دوستوں سے کہا کہ قریش کا جیتنا سو فیصد تو یقینی نہیں۔ تم نے اگر محمدؐ سے خواہ مخواہ جھگڑا مول لیا اور قریش محاصرہ اٹھا کر چلتے بنے تو پھر تم تنہا محمدؐ سے کیا مقابلہ کرو گے؟ بہتر ہو کہ تم قریش سے چند یرغمال مانگو کہ وہ لڑائی کو نہایت تک جاری رکھیں گے۔ یہ چیز جب ان کی سمجھ میں آگئی تو یہی کارندے قریش وغیرہ حلیفوں میں پہنچے اور مشورہ کیا کہ بنو قریظہ اور آنحضرتؐ میں ساز باز ہوگئی ہے اور وہ قریش کے یرغمال سرداروں کو کسی بہانے اپنے پاس بلا کر آنحضرتؐ کے سپرد کر دینا چاہتے ہیں ــــ اتنے میں بنو قریظہ کے سفیر پہنچے اور اپنے حملے سے پہلے چند یرغمال طلب کیے تو فوراً قریش کو یقین آگیا کہ ان کی آنحضرتؐ سے ساز باز کی خبر صحیح ہے" (ابن ہشام وغیرہ) ــــ چنانچہ قریش اور بنو قریظہ کے یہودیوں میں کشیدگی پیدا ہوگئی! اور یہ بات کمانڈر ان چیف ابوسفیان کے علم میں بھی آگئی کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی ہے۔ اس طرح یہود اور احزاب کے درمیان نفاق ہوگیا۔

محاصرہ کا اختتام

محاصرہ کی مدت مختلف کتابوں میں ۲۰ دن سے لے کر تقریباً ایک ماہ تک ملتی ہے۔ اس محاصرہ میں مسلمانوں کو تین تین وقت تک کھانا میسر نہیں آتا تھا! سخت امتحان کے دن تو اللہ نے کاٹ دیے۔ جنگی تدابیر اختیار کرنے کے علاوہ آنحضرتؐ نے ہمیشہ نصرت و کامرانی کے لیے دعا مانگی ہے۔ خندق کی داغ بیل ڈالتے ہی تمام رضا کار تو کھدائی کے بعد اپنے اپنے گھروں میں جا کر سوتے تھے لیکن آنحضرتؐ جنگی دفتر ہی میں (مسجد ذباب کیمپ میں) آرام فرماتے تھے۔ شب میں اسی وقت سے ذکر الٰہی میں مصروف ہوگئے۔ پھر جب محاصرہ میں نازک ترین دن آگیا تو آپؐ نے اللہ سے جو دعا مانگ

اس کا ذکر صحیح بخاری میں ہے:

اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اھْزِمِ الْاَحْزَابَ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ“

یا اللہ کتاب کے اتارنے والے، حساب جلد لینے والے اِن فوجوں کو بھگا دے۔ اُن کا پاؤں اکھیڑ دے اور انہیں ہلا دے!

• اللہ نے دُعا سن لی جس کا اندازہ سورۂ احزاب کی آیت ۹ سے مترشح ہوتا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا ؕ وَکَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ؁

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جبکہ فوجیں تم پر ٹوٹ پڑیں تو ہم نے اُن پر طوفانی آندھی بھیجی اور ایسی فوجیں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے۔

• میدانِ جنگ کا حشر کیا ہوا؟ آخری رات کو مشرکین کی یہ رائے ٹھہری تھی کہ دوسری صبح قبائل کی متحدہ فوج ایک زوردار حملہ کر کے مدینہ پر ٹوٹ پڑے! مگر وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے ـــــ ہوائے تُند کا ایک بڑا جھونکا اچانک آیا، خیمے اکھڑ گئے، دیگچے چولھوں پر الٹ پلٹ گئے، بدن بھی ریزہ ہائے سنگ کی مار سے چھلنی ہو رہے تھے۔ کفار پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ ابوسفیان نے سمجھا کہ قیامت آگئی اور رات کی تاریکی میں بھاگنے کی ٹھہرائی۔ اُس نے فوج سے کہا رسد ختم ہو چکی ہے، موسم کا یہ حال ہے، یہود نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اب محاصرہ بیکار ہے۔ یہ کہہ کر طبلِ رحیل بجنے کا (کوچ کر کے واپس جانے کا) حکم دے دیا۔ عکرمہ ابن ابی جہل کو اپنا نائب بنا کر ابوسفیان اپنے اونٹ پر روانہ ہوا اور کہا کہ تم سارے لشکر کو لے کر بس اب چلے آؤ کیونکہ خیر نہیں! بدحواسی میں اونٹ کا گھٹنا کھولنا بھول گیا۔ عکرمہ نے اس کی بوکھلاہٹ پر شرم دلائی۔ سپہ سالار کا میدان خالی کرنا تھا کہ سارے لشکر میں بدحواسی پھیل گئی اب میدان میں کون ٹھہرنے والا تھا؛ غطفان بھی واپس چلے گئے اور بنو قریظہ بھی اپنے قلعہ میں جا چھپے رات ہی رات ساری چھاؤنی خالی ہو گئی!

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِغَیْظِھِمْ

اور اللہ نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ

لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ط وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ط وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ہ (احزاب: ۲۵)

اُن کو کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اور مومنین کی طرف سے اللہ ہی لڑنے کے لیے کافی ہو گیا۔ اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔

رات بھر طوفانی ٹھنڈی ہوا چلی اور صبح جب مسلمانوں نے فجر کی نماز ادا کی تو مشرکین کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس فتحمندی پر ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ أَعَزَّ جُنْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَغَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ (تجرید البخاری)

اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ وہ یگانہ ہے جس نے اپنے لشکر کو غالب کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور جماعتِ کفار کو مغلوب کیا خدا کے بعد کوئی شے نہیں ہے۔

اور پھر سارے مسلمان شادماں واپس لوٹے۔ بنو قریظہ کو سبق سکھانا باقی تھا چنانچہ آنحضرتؐ نے یہی فیصلہ کیا کہ اُن کی بدعہدی کی سزا ضرور دی جائے اور اُسی دن اُن کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے طبری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ دورانِ محاصرہ اُطم بنی حارثہ میں رہیں، یہ مقام خندق کے گھیرے سے باہر ہے؛ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل میں درج ہے کہ حضرت عائشہؓ جس قلعہ میں پناہ گزین تھیں، حضرت سعدؓ بن معاذ کی ماں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ اور یہ سعد بن معاذ بنو الاشہل ہی کے سردار تھے۔ بلکہ حضرت عائشہؓ کے اس بیان سے کہ "میں قلعہ سے نکل کر باہر پھر رہی تھی تو عقب میں سعدؓ ہاتھ میں حربہ لیے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے تھے تو حضرت سعدؓ کی ماں نے پکارا "بیٹا دوڑ کر جا تو نے دیر لگا دی" اور تصدیق ہو جاتی ہے کہ وہ اُطم بنی عبد الاشہل ہی میں تھیں جو خندق کا آخری مشرقی ناکہ تھا اور وہیں سے دوڑ کر یہ آخری مجاہد شامل ہونے جا رہا تھا۔ شومئی قسمت اُن کی زرہ چھوٹی تھی۔ دونوں ہاتھ باہر تھے۔ معرکہ میں ہاتھ ہی میں تیر لگا۔ زخمی ہو کر واپسی ہوئی تو مسجد نبویؐ میں اُن کی مرہم پٹی رفیدہ خاتونؓ کی نگرانی میں کافی دنوں تک ہوئی اور آنحضرتؐ نے بھی زخم کو دو بار داغا مگر وہ اللہ کو پیارے ہو گئے!

احزاب کی ناکامی کے اسباب مختصراً درج ذیل تھے:

(۱) احزاب کے سارے افراد، اسلام کے استیصال کا عزم لے کر مدینہ پر حملہ کرنے آئے تھے۔ جبکہ اللہ کے نزدیک سارے انسانوں کے لیے "اسلام" ہی دین کی حیثیت سے اللہ کو پسند ہے! اس لیے حقیقی مقابلہ اللہ سے تھا جس کے نمائندہ آنحضرتؐ تھے۔

(۲) مدینہ پہونچ کر خندق کا انوکھا سوالیہ سامنے آگیا؛ معمر ترین صحابی سلمانؓ فارسی کے مشورہ پر اس زمانہ کی حربی تدبیر کا مجرّب نسخہ (خندق) عمل میں لایا گیا۔ لشکرِ جرار رکھ کر بھی مڈبھیڑ نہ ہو سکی۔ حسرت و یاس کے سوا اور کچھ نہ ہاتھ آیا۔ لامحالہ مدینہ کا محاصرہ کرنا پڑا۔ دورانِ محاصرہ اِکّا دکّا حملے کے نتائج خود شاہد ہیں کہ اگر ہمت کر کے کوئی بہادر گھوڑسوار یا رینگنے والا پار ہوا تو اُس کا انجام کیا ہوا؛ اپنی فوج والے بھی اُس نازک مقام پر پہونچ کر مدد نہ کر سکے۔ دوسری طرف ایک کثیر فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے قلتِ تعداد نے کوئی کمزوری نہ محسوس ہونے دی اچانک حملہ کا اندیشہ نہ تھا۔ بالکل اطمینان سے مدافعت کر رہے تھے۔ بلکہ دشمنوں کی طرف سے برسائے ہوئے تیروں کو جمع کر کے جوابی کارروائی کر رہے تھے۔

(۳) کھدائی کے بعد دفاعی اقدامات کے لیے آنحضرتؐ نے اپنی مختصر سی جماعت کو سلیقہ سے ترتیب دے کر کلیدی مقامات پر مامور کر دیا تھا ——— اور سب سے بڑی بات یہ کہ مدینہ اپنا گھر تھا! اس کے جغرافیائی نشیب و فراز سے پوری طرح باخبر تھے! جبکہ حملہ آور بہر حال اجنبی تھے!

(۴) اتنی دور سے مدینہ پر حملہ کرنے آئے تھے، اور بدر و اُحُد کے تجربات کو سامنے رکھ کر اُسی کا اندازہ کر کے ساز و سامان و رسد کا انتظام کر کے آئے تھے۔ محاصرہ طویل ہو جانے پر اتنی بڑی تعداد کے لیے رسد منگوانے کا انتظام ناممکن تھا!

(۵) اللہ پر توکل اور اُسی سے نصرت و کامیابی کے لیے دُعا۔ آنحضرتؐ کے ساتھ اللہ پر بھروسہ کرنے والے مومنین جانباز و مخلص رضا کاروں کی ٹیم تھی جو ہر وقت پوری مستعدی و ذمہ داری اور پورے صبر و استقلال کے ساتھ مصیبتیں جھیلنے کو تیار رہتی تھی۔ اس لیے رہنما کی بھی ہمت افزائی ہوتی تھی!

(۶) آنحضرتؐ کی طرف سے اتمامِ حجت اور ساری آزمائشوں کے بعد اللہ کی غیبی امداد آئی! تیز و تند طوفانی آندھی کی شکل میں!

(۷) بنو قریظہ یہودیوں سے مستورات پر حملہ اور شہر کے عام امن وامان میں خلل ڈلوانے کی جو آس وامید باندھی گئی تھی اُس پر بھی پانی پھر گیا — دو باتوں کے ذریعہ۔ (۱) صفیہؓ کی جرأت (۲) قریش کی یہودیوں سے بدظنی۔

(۸) عمرو بن عبدوُدّ اور نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ جیسے عرب کے مشہور بہادروں کی ہلاکت پر بعید خوفزدہ ومرعوب ہوگئے! اور کمزوری آگئی، اور خود کمانڈر۔ ان۔ چیف کا آخر میں میدان چھوڑ کر جانا باعث تنقید وتنقیص بنا اور سارے احزاب اور فوجیوں میں بددلی آگئی۔

مومنین کے لیے سبق آموز تربیتی پہلو

جنگ خندق یا احزاب کے پورے واقعات کا جائزہ لینے کے بعد قرآن کریم کی سورۂ احزاب کا خصوصی مطالعہ بھی ضروری ہے جس میں مومنین کی تربیت کے اہم اور مفید پہلو اس طرح نمایاں کیے گئے ہیں:۔

- اللہ پر توکل کرنے سے پہلے کسی معاملہ اور مسئلہ پر مشورہ اور غور کرکے مادی ذرائع اور وسائل سے حتی الامکان استفادہ کر لینا چاہیے۔ جنگ بدر کے بعد جو آیت نازل ہوئی اُسی نے آپؐ کو یہ سبق سکھایا۔ "وَأَعِدُّوا لَهُمْ ـــــ يَعْلَمُهُمْ" تاکہ مرعوب وخوفزدہ کرسکو۔ اور رفتہ رفتہ لوگوں پر دھاک جم جاتی ہے اور دشمنی کرنے کا خیال بھی دلوں میں نہیں آتا! اور پھر اللہ کے فضل پر یہ بھروسہ کرنا چاہیے کہ اصل طاقت اُسی کے پاس ہے۔ یہ صورت پیدا ہوجائے تو غیبی امداد ہوتی ہے! دس بارہ ہزار کا لشکر ۳ ہزار مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور اللہ نے غیبی مدد بھیجی (احزاب آیت ۹)
- مصائب کے وقت ہی انسان کے ایمان کی جانچ ہوتی ہے۔ کھرا اور کھوٹا نظر آتا ہے۔ خود کو بھی اندازہ ہوجاتا ہے اور دوسرے بھی اندازہ کر لیتے ہیں۔ ورنہ عام حالات میں اندازہ نہیں ہوسکتا۔ احزاب کی جنگ نے یہی کام کیا — سختی کے وقت کھوٹے لوگوں کا پردہ فاش ہوگیا (احزاب آیت ۱۲) اور کھرے لوگ زیادہ اطاعت وفرمانبرداری کے لیے آمادہ ہوگئے (احزاب آیت ۲۲)
- جان ومال کے نقصان کا خوف انسان کی تمام کمزوریوں کی جڑ ہے۔ احزاب آیات ۱۶ و ۱۷ میں صاف صاف آیا ہے کہ "اے نبی! اُن سے کہہ دیجیے کہ اگر تم موت یا قتل کے ڈر سے بھاگو گے تو

بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا ۔ اگر اللہ یہ فیصلہ کرے کہ انہیں کوئی نقصان پہنچ جائے تو وہ کون ہے جو انہیں اللہ سے بچالے گا، اور اگر اللہ کا فیصلہ یہ ہو کہ انہیں کوئی نفع پہنچائے تو وہ کون ہے جو اُسے روک دے ؟ ۔ اللہ کے سوا وہ کسی کو نہ اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار"

● احزاب آیت ۲۱ میں بیان کیا گیا ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی ایک قابل تقلید نمونہ ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے وہی لوگ موزوں ہوسکتے ہیں جنہیں اللہ کی ملاقات اور آخرت میں ملنے والے انعامات کی اُمید ہو اور جو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرتے رہتے ہوں ۔ جنگ کی ابتداء سے انتہا تک آنحضرت ﷺ کا یہ حال تھا کہ ہر مشقت جس کا آپ ﷺ نے دوسروں سے مطالبہ کیا اُسے برداشت کرنے میں آپ ﷺ خود سب کے ساتھ شریک تھے ۔ بلکہ دوسروں سے بڑھ کر ہی آپ ﷺ نے حصہ لیا ۔ خندق کھودنے والوں میں آپ ﷺ خود شامل تھے (بلکہ رات میں بھی آپ ﷺ فیلڈ آفس ہی میں رہ جاتے تھے) بھوک اور سردی کی تکلیفیں اٹھانے میں ایک ادنیٰ مسلمان کے ساتھ آپ کا حصہ بالکل برابر کا تھا ۔ محاصرے کے دوران آپ ﷺ ہر وقت محاذِ جنگ پر موجود رہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی دشمن کے مقابلہ سے نہ ہٹے ۔ بنو قریظہ کی غداری کے بعد جس خطرے میں سب مسلمانوں کے بال بچے مبتلا تھے اُسی میں آپ ﷺ کے بال بچے بھی مبتلا تھے ۔

اِس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے استقلال، عزم، توکل علی اللہ اور صبر کا جو نمونہ سامنے آیا وہ قیامت تک اُن تمام بندگانِ خدا کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہے جو اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے آمادہ ہوں، اور اس راہ پر قدم بڑھائیں ۔ یہ نمونہ ایسا ہے جسے انہیں زندگی کے ہر موڑ پر سامنے رکھنا چاہیے ۔ یہی اُن کے لیے اصل مشعلِ راہ ہے" (حیاتِ طیبہ)

بنو قُریظہ کے ساتھ جنگ

(ذیقعدہ و ذوالحجہ ۵ھ)

اسباب جنگ

(۱) مدینہ میں آکر آنحضرتؐ نے اُن کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے اُن کو مذہب کی پوری آزادی دی گئی تھی اور جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ بنو قریظہ رُتبہ میں بنو النُضیر سے کم سمجھے جا رہے تھے آنحضرتؐ نے ان کا درجہ بنو النُضیر کے برابر کر دیا پھر بھی جنگِ بدر کے موقعہ پر قریش کو اسلحے سے مدد دی تھی مگر یہ بدعہدی معاف کر دی گئی۔

(۲) بنو النُضیر کی جلاوطنی کے وقت آنحضرتؐ نے بنو قریظہ سے رضامندی کے ساتھ دوبارہ معاہدہ کی تجدید کی۔

(۳) باوجود اِن مراعات کے انہوں نے عہد شکنی کی اور غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی مخالفت کی۔

(۴) ایسے نازک موقع پر انہوں نے اُن مسلم عورتوں پر حملہ کا پلان بنایا تھا جو ان کے محلّے کے قریب محفوظ سمجھ کر بھیجدی گئی تھیں۔

(۵) حُیَی بن اَخطب بغاوت کے جرم میں جلاوطن کر دیا گیا تھا اور خیبر جاتے وقت اُس نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ آنحضرتؐ کی مخالفت پر کسی کو مدد نہ دے گا اور اُس معاہدہ پر اُس نے خدا کو ضامن ٹھہرایا تھا۔ پھر بھی اُسی نے تمام عرب کو برانگیختہ کر کے جنگ احزاب قائم کر دی تھی۔ ایسی بدنام شخصیت کو بنو قریظہ جنگ احزاب کے بعد پھر اپنے ساتھ لائے اور امان دی۔

(۶) جنگِ خندق کے بعد رسولِ کریمؐ نے بنو قریظہ کو بُلا بھیجا اور ایک موقعہ پھر صفائی پیش کرنے کا دیا کہ وہ سامنے آکر اپنے اس طرزِ عمل کی وجہ بیان کریں (یہ ایک طرح کی 'وجہ بتاؤ نوٹس' (SHOW-CAUSE NOTICE) تھی)۔ لیکن بجائے حاضر ہونے کے وہ فوراً قلعہ بند ہو گئے اور درپردہ لڑائی کی پوری تیاری کر لی!

محاصرہ اور انجام

خندق سے پلٹ کر جب آنحضرتؐ گھر پہنچے تو ظہر کے وقت جبریلؑ نے آکر حکم سُنایا کہ ابھی ہتھیار نہ کھولے جائیں۔ بنی قریظہ کا معاملہ باقی ہے۔ اُن سے بھی نمٹ لینا چاہیے۔ آپؐ نے فوراً یہ اعلان فرمایا کہ "جو کوئی سمع و طاعت پر قائم ہو وہ عصر کی نماز اس وقت تک نہ پڑھے جب تک کہ دیارِ بنی قریظہ نہ پہونچ جائے"۔ مشرکین ومنافقین کو حیرت تھی کہ مسلمانوں نے ایک گھنٹہ بھی آرام نہ کیا اور پھر اپنے رسول کی اطاعت و فرماں برداری پر تیار ہو گئے۔

آپؐ نے حضرت علیؓ کو مقدمۃ الجیش کے طور پر تقریباً ۲۰۰ مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ روانہ کر دیا۔ وہ جب وہاں پہونچے تو یہودیوں نے کوٹھوں پر چڑھ کر رسولِ کریمؐ اور ان کے ساتھیوں پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی کہ اس طرح یہ تادیبی دستہ واپس چلا جائے۔ لیکن آنحضرتؐ تو پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے کہ بنو قریظہ کو سبق سکھانا ضروری ہے۔ لہٰذا پورا اسلامی لشکر آنحضرتؐ کی قیادت میں عشاء تک وہاں پہونچ گیا اور نمازِ عشاء کے بعد ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا۔

پچیس تیس روز تک اس محاصرہ کو جاری رکھنا پڑا (حالانکہ خندق کا محاصرہ اس سے کم ہی مدت میں اٹھا لیا گیا تھا) جب محاصرہ کی سختی نہ برداشت کر سکے تو بالآخر بنو قریظہ نے رسولِ کریمؐ سے یہ درخواست کی کہ ان کا معاملہ زمانۂ جاہلیت کے اُن کے پرانے حلیف اَوس کے مسلمان سردار سعد بن معاذ کے سپرد کیا جائے اور وہ جو فیصلہ کریں ان کو منظور ہو گا چنانچہ رسولِ کریمؐ نے اُن کی یہ درخواست منظور کر لی اور محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

سعد بن معاذ کا فیصلہ

بنی عبد الاشہل کے یہ سردار جنگ خندق میں تیر سے زخمی ہو گئے تھے اور ان کی تیمارداری ابھی مسجدِ نبویؐ کے کیمپ میں ہو رہی تھی بہر حال کسی طرح اُن کو اس پنچایت کے لیے آمادہ کر کے مجمع میں لایا گیا!

اس منصف مزاج ثالث نے محسوس کیا کہ ایسے معاملہ میں عبرتناک سزا دینی ضروری ہے تاکہ آئندہ معاہدوں کا پاس و لحاظ رکھا جائے بلکہ انہیں مقدس تصور کیا جائے۔ اُس نے ذمّہ دارانہ حیثیت سے دیکھا کہ جو سزا توراۃ میں موجود ہو اُس سے تو کمتر ہونی نہیں چاہیے۔ چنانچہ اس نے غور و خوض کرکے اپنا فیصلہ اس طرح سُنا دیا کہ ــ

- اُن کے قابل جنگ لوگ قتل کیے جائیں۔
- باقی لوگ گرفتار کر لیے جائیں۔
- اُن کا مال و اسباب ضبط کر لیا جائے۔

اب ذرا توراۃ (OLD TESTAMENT) سے استثنا باب ۲۰: ۱۰-۱۴ کے احکام ملاحظہ ہوں:

"جب تم کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہونچو تو اُسے صُلح کا پیغام دو۔ اور اگر وہ تم کو صُلح کا جواب دے اور اپنا پھاٹک تمہارے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تمہارے باجگذار بن کر تمہاری خدمت کریں، اور اگر وہ تم سے صُلح نہ کرے بلکہ تم سے لڑنا چاہے تو تم اس کا محاصرہ کرنا۔ اور جب خداوند تمہارا خدا اُسے تمہارے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مَرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا۔ لیکن عورتوں، اور بال بچوں اور چوپایوں اور اُس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا اور تم اپنے دشمنوں کی اُس لوٹ کو جو خداوند تمہارے خدا نے تم کو دی ہو کھانا"

فیصلہ پر عمل درآمد

ثالث اُن کا اپنا منتخب کردہ تھا! اور فیصلہ بھی اُن کی مقدس کتاب کے موسوی شریعت کے مطابق تھا! اگر فیصلہ محمدؐ پر چھوڑ دیا جاتا تو شاید بنو قینقاع اور بنو النّضیر کی طرح زیادہ سے زیادہ سزا جلاوطنی ہی ہوتی۔

- تقریباً جنگ کے قابل ۴۰۰ افراد قتل کیے گئے جن میں ایک عورت بھی تھی جو اِس جُرم میں (بطور قصاص) قتل کی گئی کہ اُس نے قلعہ پر سے پتھر گرا کر ایک مسلمان کو مار ڈالا تھا۔ وہ خوشی خوشی آئی اور اُس نے تلوار کے نیچے سَر رکھ دیا۔ (سیرۃ النبیؐ جلد اول میں ہے کہ ارباب سِیَر نے مقتولین کی تعداد ۶۰۰ بیان کی ہے مگر صحاح میں ۴۰۰ ہے، محمد علی لاہوری نے تو لکھا ہے کہ ۳۰۰ افراد قتل کیے گئے) حُیَی بن اخطب بھی مقتل میں لایا گیا اور قتل کر دیا گیا۔

باقی لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ مرد اور بچے غلام بنا کر مجاہدینِ اسلام میں تقسیم کر دیے گئے۔ عورتیں کنیز بنالی گئیں ــــ البتہ" رسولِ کریم ؐ نے اپنے رحم شاہانہ سے بعض کو فیصلہ کی تعمیل سے مستثنیٰ فرمادیا۔ مثلاً زبیر یہودی کے لیے مع اہل وعیال ومال رہائی کا حکم دے دیا تھا۔ اور رفاعہ بن شموئیل یہودی کی بھی جان بخشی فرمادی" (رحمۃ للعلمین ــ بحوالہ طبری ۵۵ و ۵۸)

مال واسباب ضبط کر کے تقسیم کر دیا گیا ــــ "عملدرآمد کے وقت جب مسلمان اُن کی گڑھیوں میں داخل ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ جنگِ احزاب میں حصہ لینے کے لیے اُن غداروں نے ۱۵۰۰ تلواریں، ۳۰۰ زرہیں، ۲۰۰۰ نیزے اور ۱۵۰۰ ڈھالیں فراہم کی تھیں ــــ اس انکشاف کے بعد تو حضرت سعدؓ کا فیصلہ بالکل حق تھا"۔ (تفہیم القرآن جلد ۴)

● ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے (عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ میں) لکھا ہے کہ "بنو قریظہ کے مالِ غنیمت سے شام ونجد سے اسلحے اور گھوڑے خریدے گئے" (سیرت الشامی)

مختصر یہ کہ بنو قریظہ نے تازہ تازہ جو معاہدہ توڑ کر جنگِ احزاب میں حصہ لیا تھا وہ ڈھکا چھپا نہ تھا۔ اور آنحضرتؐ انہیں سبق بھی سکھانا چاہتے تھے۔ محاصرہ کے بعد فیصلہ کی رو سے انہیں معقول سبق مل گیا! اِن سب باتوں کی تصدیق کے لیے قرآنِ کریم کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وَأَنزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُم مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا۔ (احزاب: ۲۶)	پھر اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں نے (یعنی بنو قریظہ نے) اُن حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا، اللہ ان کی گڑھیوں سے انہیں اتار لایا۔ اور ان کے دلوں میں اُس نے ایسا رُعب ڈال دیا کہ آج ان میں سے ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قید کر رہے ہو۔

صلح حدیبیہ

(ذیقعدہ سنہ ۶ھ)

وسطِ عرب کے سیاسی حالات کا جائزہ

• غزوۂ احزاب کا خاتمہ ذیقعدہ ۵ھ میں ہوا۔ جس کے فوراً بعد بنو قریظہ کا محاصرہ شروع ہو گیا۔ اس کے بعد یہودیوں سے کسی قدر نجات ملی۔

• جنگِ احزاب میں مڈ بھیڑ نہیں ہوئی تھی اور حملہ آور اپنے مقصد میں ناکام و بیزار ہو کر واپس چلے گئے تھے۔ ایک طرف قریش اور دوسری طرف یہودیوں کے اندر اب بھی جنگی قوت باقی رہ گئی تھی۔ اگر ان کا پورا استیصال نہ ہوا تو اطمینان نصیب نہ ہو گا۔ اس خیال کے ساتھ اب آئندہ کے لیے حکمتِ عملی بھی ضروری تھی۔

• حُیی بن اخطب کے قتل کے بعد خیبر میں اس کا جانشین ابو رافع سلام بن ابی الحقیق ہوا جو بہت بڑا تاجر تھا۔ قبیلہ غطفان کی آبادی خیبر سے متصل اور ان کی حلیف تھی۔ ابو سلام نے خود جا کر غطفان اور قرب وجوار کے قبیلوں کو اسلام اور مسلمانوں سے لڑنے کی خاطر ایک بہت بڑی بھیڑ جمع کر لی! — آنحضرت ؐ کو یہ خبر ملی تو آپ ؐ کی ایماء سے رمضان ۶ھ میں ایک خزرجی انصاری عبداللہ بن عتیک نے اس کی خوابگاہ میں قتل کر دیا۔

حدیبیہ کے لیے روانگی

اسی اثناء میں آنحضرت ؐ نے مکہ معظمہ کا ارادہ کر لیا۔ عمرہ کا احرام باندھا۔ قربانی کے اونٹ ساتھ لیے اور اس غرض سے کہ قریش کو شک نہ ہو نیام بند تلوار لے کر لوگوں کو چلنے کی اجازت دی۔ مہاجرین و

انصار سے ۱۴۰۰ اشخاص ہم سفر ہو گئے ــــ مدینہ کے باہر پہونچتے ہی قربانی کی رسم تو مقام ذوالحلیفہ میں ادا کرلی گئی ۔ عسفان کے مقام پر پہنچے تو خبر ملی کہ قریش بڑی تیاری کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمدؐ مکہ میں کبھی نہیں آسکتے! آنحضرتؐ نے حدیبیہ پہنچ کر قیام کیا۔ وہاں اسلام کے حلیف اور رازدار بنو خزاعہ کے لوگوں نے بھی آکر خبر دی کہ قریش کی فوجوں کا سیلاب آرہا ہے اور وہ آپؐ کو کعبہ میں داخل نہ ہونے دیں گے ــــ ایسی صورت حال سے باخبر ہونے پر آنحضرتؐ نے قریش کے پاس یہ اطلاع بھجوائی کہ ہم صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، لڑنا مقصود نہیں۔

جنگ احزاب نے قریش کی حالت ابتر کردی تھی ۔ اُن کے لیے بہتر تھا کہ کچھ مدت کے لیے صلح کا معاہدہ کرلیں اور اگر اس پر بھی وہ راضی نہیں تو پھر یہ الٹی میٹم دے دیا کہ " بس خدا کے فیصلہ تک اُن سے جنگ کے لیے بالکل تیار رہوں "ــــ اِس حکمتِ عملی کے باوجود گفتگو کے کئی مراحل کے بعد ہی " تاریخ اسلام کے اس اہم صلح نامہ (صلح حدیبیہ) کی تکمیل کی نوبت آئی ۔ جو بظاہر تو مغلوبانہ تھی (بلکہ کئی صحابی خود قریش کی پیش کردہ شرائط کے سخت خلاف تھے) مگر ۳ دن بعد ہی واپسی پر جب راستہ ہی میں قرآن مجید کی اُس آیت کا نزول ہوا جس میں اِسے " فتح مبین " کا لقب ملا تب کہیں آنحضرتؐ کے ساتھ مطمئن ہو سکے!

شرائط صلح یہ تھے

(۱) مسلمان اِس سال واپس چلے جائیں۔

(۲) اگلے سال آئیں اور صرف ۳ دن قیام کر کے چلے جائیں۔

(۳) ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں نیام بھی تھیلے میں رکھ کر۔

(۴) مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں اُن کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں، اور جو مکہ میں رہ جانا چاہے اُس کو نہ روکیں۔

(۵) کافروں یا مسلمانوں میں سے جو شخص مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۶) قبائلِ عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

(۷) یہ معاہدہ دس سال تک قائم رہے گا۔

صلح کی وجہ سے مسلمان اور کفار کی آمدورفت بڑھی باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا۔ خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھینچنے لگے۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس معاہدۂ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے۔ اور شرائط نمبر ۴ و ۵ پر جب عمل درآمد شروع ہوا تو خود بخود ایسی پیچیدگیاں سامنے آئیں کہ قریش نے مجبور ہو کر شرائط سے بے زاری محسوس کی جس کی خبر آنحضرتؐ کو بھیجدی اور شرائط کا خاتمہ ہو گیا۔

حدیبیہ کی صلح سے بڑی حد تک اطمینان نصیب ہوا۔ اور یہ آپؐ کا سیاسی تدبر ہی تھا ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے (عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ میں) اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "معرکہ خندق کے دوسرے سال ذیقعدہ ۶ھ میں آنحضرتؐ مکہ گئے اور قریش کی منہ مانگی شرطیں قبول کر کے دس سال کے لیے اُن سے صلح کر لی اور اُن سے یہ چاہا کہ وہ اسلامی جنگوں میں غیر جانبدار رہیں۔"

چنانچہ اب آنحضرتؐ یہودیوں کے گڑھ خیبر کی طرف پوری یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہو سکتے تھے جبکہ قریش کی طرف سے کسی مدد کے پہونچنے کا سوال ہی باقی نہ تھا؟

غزوہ ذی قرد یا غزوۂ غابہ

(ذوالحجۃ ۶ھ)

غزوہ ذی قَرد کا سبب اور واقعات

ابورافع سلام کے قتل کے بعد خیبر میں اُسَیر بن رزام اُس کا جانشین منتخب ہوا۔ اُس نے قبائلِ یہود کو خطاب کر کے کہا: "صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمدؐ کے دارالریاست (مدینہ) پر حملہ کیا جائے اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا"۔ جب یہ خبر مدینہ پہنچی تو آنحضرتؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو تحقیق کے لیے بھیجا۔ تحقیق کے بعد آپؐ نے پھر عبداللہ بن رواحہؓ کو ۳۰ صحابیوںؓ کے ساتھ خیبر روانہ کیا تاکہ فتنہ کا سدِّباب ہو جائے۔ آنحضرتؐ کے ذہین ایلچی نے متحدہ عرب کی یورش کی ناکامی اور اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کا موازنہ کرتے ہوئے صلح کی گفتگو کے لیے اُسَیر کو مدینہ تک آنے پر راضی کر لیا۔ اُسیر کے بھی ۳۰ آدمی ساتھ ہو گئے۔ دونوں طرف کی تعداد مساوی تھی۔ راستہ میں اُسَیر کے دل میں بدگمانی پیدا ہو گئی۔ پلٹنا چاہا، اور عبداللہ بن رواحہؓ کی تلوار چھیننی چاہی۔ جنگ ہوئی تو یہود کے تیس میں سے ایک کے سوا کوئی نہیں بچا۔ یہ واقعہ بھی ذوالحجۃ ۵ھ میں ہوا۔

یہ اور اس سے پہلے کے مذکورہ چھوٹے موٹے واقعات سے (وسط عرب کے سیاسی حالات کے جائزہ کی روشنی میں) ہوا کے رُخ کا اندازہ ملتا تھا! خیبر اب بھی اسلام کے لیے سب سے زیادہ خطرناک تھا! ادھر مدینہ کے منافقین بھی اُن کو ابھارتے رہتے تھے رئیس المنافقین (عبداللہ بن اُبَی) نے اہلِ خیبر کو خبر دی کہ آنحضرتؐ کی کیا ہستی ہے؟ مٹھی بھر آدمی ہیں جن کے

پاس ہتھیار تک نہیں! یہودیوں نے یہی خبر غطفان تک پہنچا کر اپنے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرنے کی تجویز پیش کردی۔ اسی طرح بنو فزارہ کو جب معلوم ہوا کہ خیبر والے آنحضرتؐ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی شریک ہونے کے لیے تیار ہو گئے! اس پس منظر کو سامنے رکھ کر صحیح پوزیشن سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہودیوں کی ہمت افزائی کس طرح ہو رہی تھی!

نقشہ نمبر ۴، پر ایک نظر ڈالیے تو معلوم ہو جائے گا کہ مدینہ والوں کی کھیتی کے لیے شاداب زمینیں شہر سے شمال کی جانب ۲ میل کے بعد ہی ندیوں کے نشیبی خطوں میں تھیں۔ اور آگے شمال مغربی خطہ میں غابہ اور چونا ملی ہوئی مٹی کا علاقہ ہے جہاں جھاڑی و چراگاہیں تھیں۔ چنانچہ مدینہ کے کئی مالدار صحابیوںؓ کی ملکیت اُس طرف بھی تھی۔ اسی غابہ سے ہو کر مدینہ سے خیبر اور قبائل غطفان وغیرہ کی طرف راستہ جاتا تھا۔ اور غابہ سے مغرب جُرف کی طرف عبد الرحمٰن بن عوفؓ کی کاشتکاری تھی جہاں اُن کا آدمی ہر وقت رہتا تھا۔ اور اُسی طرف ' ذو قرد ' میں جو مدینہ سے تقریباً چھ میل دور ہوگا آنحضرتؐ کی اونٹنیوں کی چراگاہ تھی۔ ظاہر ہے یہ چراگاہ مدینہ سے زیادہ دور اور غطفان و خیبر کے زیادہ قریب تھی۔

' سیرۃ النبیؐ ' کا بیان ہے کہ ایک روز غطفان کے چند آدمیوں نے عبد الرحمٰن بن عُیَینہ کی سرداری میں اُس چراگاہ پر چھاپہ مارا۔ اور ۲۰ اونٹنیاں پکڑ کر لے گئے۔ یہ کھلم کھلا ڈکیتی تھی! حضرت ابوذرؓ کے صاحبزادے کو جو اونٹنیوں کی حفاظت پر متعین تھے قتل کر دیا۔ اور ان کی بیوی کو گرفتار کر کے لے گئے۔ مسلمانوں نے جب تعاقب کیا تو وہ درہ میں گھس گئے مگر عُیَینہ بن حصن جو قبائل غطفان کا سپہ سالار تھا ان کی امداد کو موجود تھا؛ مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت سلمہ بن الاکوعؓ کو اس غارتگری کی خبر معلوم ہوئی تو " وا صباحا " کا نعرہ لگا کر دوڑے اور حملہ آوروں کو جا لیا جو اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے۔ سلمہ کے تیر برسانے پر حملہ آور بھاگ نکلے۔ انہوں نے تعاقب کیا اور لڑ بھڑ کر تمام اونٹنیاں چھڑا لائے —— دربارِ نبوتؐ میں پہونچ کر ۱۰۰ آدمیوں کا مطالبہ کیا کہ ان لوگوں کو گرفتار کر کے لایا جائے۔ مگر آنحضرتؐ نے ' عفو سے کام لینے ' کا مشورہ دیا۔

' رحمۃ للعالمین ' میں درج ہے کہ نبیؐ نے ۵۰۰ صحابہؓ کے ساتھ تعاقب کیا جن میں

سلمہ بن اکوعؓ بھی شامل تھے ۔ تجرید البخاری میں غزوہ قرد کے تحت درج ہے کہ سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ "میں صبح کی اذان سے پہلے مدینہ سے روانہ ہوا۔ ذی قرد میں رسول اللہؐ کی دودھ والی اونٹنیاں چرتی تھیں۔ راستے میں مجھے عبدالرحمٰن بن عوف کا غلام ملا۔ اور کہنے لگا کہ رسولِ خدا کی اونٹنیاں پکڑلی گئیں۔ پھر ہم لوٹے تو رسول اللہؐ مدینہ تک مجھے اونٹنی پر بٹھا کر لائے" اس سے پتہ چلتا ہے کہ جائے وقوع پر محمدؐ خبر پاکر بھی نہیں پہونچ سکے تھے۔ اور سلمہ بن اکوعؓ مدینہ سے صبح کی اذان سے قبل روانہ ہوئے تھے۔ راستہ میں نماز پڑھ کر ذی قرد جا رہے تھے کہ عبدالرحمٰن بن عوف کے غلام نے ڈکیتی کی اطلاع دی۔ معلوم ہوتا ہے وہیں سے دوڑ پڑے اور جب چھڑا کر لوٹے تو محمدؐ بھی اسی طرف جا رہے تھے کہ سلمہ بن اکوعؓ سے ملاقات ہوگئی۔ اور پھر آپؐ نے اونٹنی پر انہیں بٹھا لیا، اور یہ لوگ جلد مدینہ پہنچ گئے

اِس واقعہ کے ۳ دن بعد ہی خیبر کی جنگ پیش آئی (محرم ۷ھ)
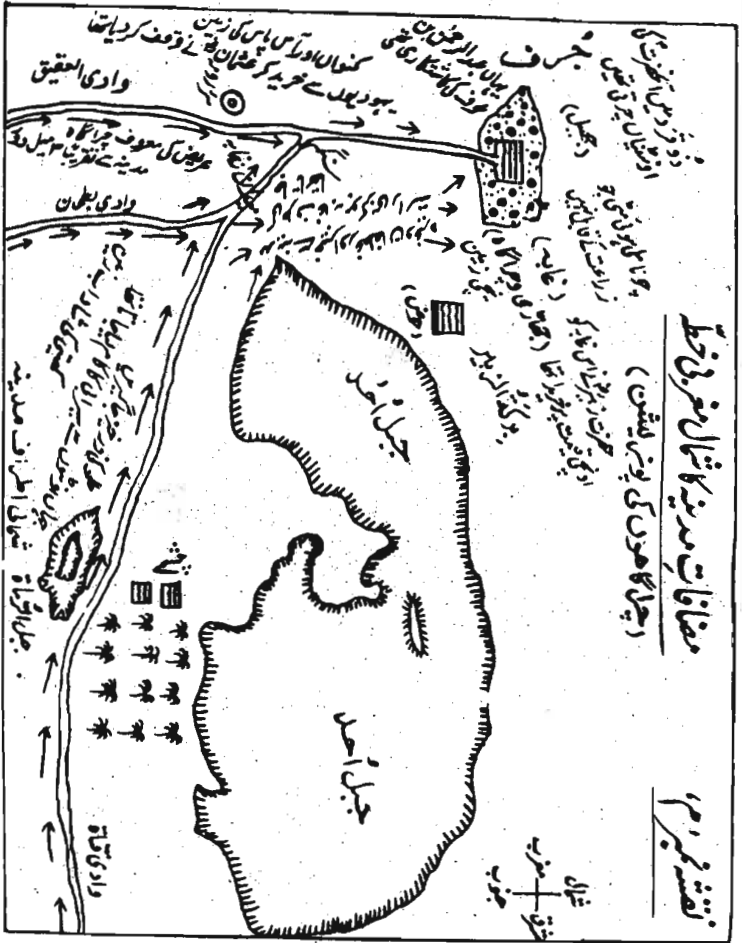
نقشہ نمبر ۴
مضافاتِ مدینہ کا شمال مغربی خطہ
(چراگاھوں کی پوزیشن)
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
جبل اُحد
جبل اُحد
(حوض)
(غابہ)
(جھیل)
جرف
وادی العقیق
وادی بطحان
وادی قناۃ
جبل الرّماۃ
شمالی اطراف مدینہ

جنگ خیبر

(محرم ۷ھ)

جنگ کے اسباب

اسباب تو بہت پہلے سے چلے آرہے تھے۔ جنگِ احزاب کے لیے یہودیوں کا رول انوکھا تھا۔ انہی لوگوں نے مکّہ والوں کو اُبھار کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا تھا۔ چنانچہ اُس وقت عرب کی متحدہ قوت اسلام کے خلاف مدینہ پر چڑھ آئی تھی، مگر خندق کی ٹیکنیک نے انہیں ناکام و نامراد واپس کر دیا تھا۔ ایک طرف انتقام دوسری جانب کھوئی ہوئی جنگی قوت و عزت کو ملک بھر میں بحال کرنے کا جذبہ۔ جنگِ قریظہ کے بعد حُیَیّ بن اخطب کے قتل کیے جانے کے بعد اُس کے لڑکے کے دل میں بھی انتقام کا جذبہ تھا جس کا مظاہرہ وقتاً فوقتاً مختلف شکلوں میں ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ جنگِ ذی قَرَد کا حادثہ سامنے آیا۔ اس طرح آنحضرتؐ بھی سمجھ چکے تھے کہ یہودیوں کو کچلنا ضروری ہے۔

مکّہ سے دس سالہ صلح کرکے واپس آگئے تو کم از کم یہ اطمینان تھا کہ اگر شمال کے یہودیوں کی طرف رُخ کیا جائے تو ان کی مدد میں مکّہ والے نہ آئیں گے۔

غابہ کی طرف یکے بعد دیگرے چند چھیڑ چھاڑ نے جو یہودیوں کی طرف سے ہوئی اور بھی وجہِ جواز فراہم کر دیا تھا۔ شمال کی طرف کاروانی راستہ غابہ ہو کر ہی جاتا تھا۔ اس لیے بہت ضروری تھا کہ روز روز کی مزاحمت ختم ہو۔ لہٰذا آنحضرتؐ غطفان اور یہود کے مجوزہ حملہ کی مدافعت کے لیے مدینہ سے باہر نکل پڑے (محرم ۷ھ) اور سب ساتھیوں کا اِس امر میں اتفاق ہو گیا کہ دشمن کو آگے بڑھ کر روک لینا چاہیے۔ (جنگ احزاب میں

انہیں محاصرہ کی سختی بھی یاد تھی!) معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ ذی قَرَد کے دوسرے ہی دن یہ لوگ روانہ ہوگئے اور ۳ دن کے بعد یہ جنگ شروع ہوگئی (کیونکہ مدینہ سے خیبر کی مسافت اُس زمانہ میں پیدل ۳ دن میں طے ہوتی تھی)

خیبر کا جائے وقوع

مدینہ کے شمال مغربی حصہ میں خیبر ہے۔ مؤرخین اِس بات پر متفق ہیں کہ خیبر کے یہود باہر سے جاکر بہت قبل بس گئے تھے۔ چنانچہ مدینہ کے جلاوطن یہود بھی اپنے سارے ساز و سامان کے ساتھ وہیں جاکر بسے تھے۔

یہ لوگ کھیتی باڑی بھی کرتے۔ کھجور کے درخت بھی لگاتے اور اب تو لڑائی کی بھی تیاری کرتے۔ اس لیے اسلحہ فراہم کرتے اور مضبوط قلعے بھی تعمیر کرتے جن پر انہیں ناز تھا۔ اِس طرح خیبر مضبوط قلعوں کے لیے مشہور تھا اور ہر وقت مسلح قوت بھی تیار رہتی! بدر میں جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو یہ فخر کے ساتھ کہتے تھے "بے چارے مکہ کے قریش لڑنا کیا جانیں؟ مسلمانوں کو ہمارے قلعوں سے مقابلہ پڑے تو معلوم ہو!"

خیبر شہر میں کئی بلند ٹیلے اور پہاڑیاں ہیں۔ یہ قصبہ عہدِ نبویؐ میں خالص یہودی آبادی کا قصبہ تھا جس کے گرد اگرد خوشحالی کے زمانہ میں مستحکم قلعے بنا لیے گئے تھے۔ جن کے آثار اب تک باقی ہیں۔ وہ نخلستان جس کے کنارہ پر خیبر ہے بہت زرخیز ہے۔ حالانکہ خیبر اور اُس کے آس پاس والا سارا علاقہ حَرّۃ (آتش فشانی) والا ہے۔" بعض مؤلفوں کی رائے میں خیبر کے یہودیوں کی بولی میں خیبر کے معنی قلعہ کے تھے۔ خیبر کا قدیم ترین ذکر بابل کے آخری کلدانی بادشاہ نبو نعد (۵۲۹ ق م یا ۵۵۶ ق م) کے میخی کتبے میں حَرّان کی منہدم جامع مسجد کے فرش کے ایک پتھر پر ملا تھا" (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لاہور جلد نہم — مضمون ڈاکٹر حمید اللہ صاحب)

عہدِ نبویؐ میں یہاں کے یہودی بہت خوشحال تھے۔" چنانچہ مکہ میں شادی بیاہ کے موقعہ پر یہیں سے دیگیں اور زیور کرائے پر لیے جاتے تھے (ایک مرتبہ زیور کھو گئے تو اہلِ مکہ نے ۱۰ ہزار دینار کا ہرجانہ ادا کیا) (ابن سعد ۲/۱: ۸۱، السرخسی: شرح السیر الکبیر ۱/۱۸۶۔ بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لاہور جلد نہم)"

موجودہ زمانہ میں مدینہ سے باہر نکل کر جو شاہراہ عرب کے شمالی علاقہ کو جاتی ہے وہ

جبلِ اُحد کے شمال مغرب میں پہاڑی سلسلہ کے درمیان سے گزرتی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لاہور (جلد نہم) میں خیبر کے متعلق بیان کیا ہے کہ "ایک نخلستان مدینہ منورہ سے تقریباً ۹۵ میل شمال میں بری راستے سے آنے والے حجاج کی شاہراہ پر واقع ہے۔ تقریباً ۱۰۰ کلومیٹر تک یہ راستہ تنگ اور پیچ دار دروں سے ہوتا ہوا جاتا ہے جس کے دونوں طرف بلند پہاڑ ہیں۔ اس ساری مسافت میں حرّہ یعنی آتش فشاں سے جلے ہوئے عناصر ملتے ہیں۔ درخت اور پانی نام کو نہیں۔ مدینہ سے خیبر تک مشکل سے دو آبادیاں ملتی ہیں۔ خیبر بھی ایک حرّہ ہے مدینہ سے آئیں تو شہر کے ۲۰/۱۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر سفید اور قابلِ کاشت لیکن افتادہ زمینیں ملتی ہیں جو ۱۲/۱۰ کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہیں۔ بعد ازاں پھر حرّہ شروع ہو جاتا ہے اس حرّہ میں شاہراہ کے دائیں جانب قدیم یہودی کھنڈر میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں جن میں کچھ تالابوں کے منہدم سے بند نظر آتے ہیں امریکی انجینئر (TWITCHELL) نے سعودی عرب کی زرعی رپورٹ میں یہاں 'سدّ الحصید' (کھیتی کی آبپاشی کا بند) اور ۵ دیگر تالابوں کا ذکر کیا ہے۔ اس سے آگے ایک نشیبی وسیع وادی ہے جس میں شہر 'خیبر' آباد ہے۔ یہ نخلستان سے اس قدر پٹا ہوا ہے کہ کسی بلندی پر سے بھی شہر کے خدّ و خال بالکل نظر نہیں آتے۔ عہدِ نبویؐ میں 'محلّۃ الکتیبۃ' میں کھجور کے ۴۰ ہزار پیڑ بیان کیے گئے ہیں (ابن الاثیر؛ البدایۃ ۴: ۲۰۲) آج کل بھی شہر کے جنوب میں ایک بلند پہاڑ کے دامن میں کئی میل لمبا ایک نخلستان ہے"۔ یوروپین سیاحوں میں ڈاوٹی کئی مہینے تک خیبر میں (۱۸۷۸ء میں) مقیم رہا۔ اُس نے مدینہ سے خیبر کا فاصلہ ۲۰۰ میل لکھا ہے! ممکن ہے وہ سیاح کسی اور طویل راستے سے گیا ہو اور اُس وقت یہ موجودہ شاہراہ نہ بنی ہو؟

عہدِ نبویؐ میں شمال کی طرف جانے والا کاروانی راستہ غابہ ہو کر جاتا تھا اور مدینہ سے خیبر تک کی مسافت مؤرخین کے بیان میں '۸ برید' ملتی ہے (۱ برید = ۱۲ میل۔ اس لیے ۸ برید کے معنی ۹۶ میل ہوں گے) کہیں کہیں ۸ منزل کی بات (سیرۃ النبیؐ) کہی گئی ہے، اور ایک منزل کو ۱۰ میل مان لیا گیا ہے۔ کہیں ۳ ہی منزل لکھا گیا ہے (شاید ۳ دن مراد ہوں گے)، بہر حال اُن لوگوں کے قیاس میں تقریباً اسّی میل کا فاصلہ تھا، اور صحیح بات یہی ہے کہ ۸۰/۹۰ میل کے لگ بھگ یہ مختصر پیدل کاروانی راستہ اُس وقت کا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لاہور (جلد نہم) میں ذکر کیا ہے کہ عہدِ اسلامی کے جغرافیہ نگاروں میں سے البکری

(معجم صـ ۲۳۱-۲۳۳) نے کسی واقفِ حال شخص کا بیان اس طرح لکھا ہے کہ "خیبر مدینہ سے ۸ برید پر ہے پیدل ۳ دن میں آسکتے ہیں۔ مدینہ سے نکلو تو پہلے غابہ علیا، پھر سفلی کے بعد نقب (پہاڑی راستہ) یر دَوج آتا ہے جہاں ایک مسجدِ نبوی ہے، پھر وادی الدومۃ آتی ہے جہاں کنویں ہیں پھر جبل اُشمذ، پھر حرّۃ الشُّقّۃ، (وہ حرّہ جس کا طے کرنا چلنے والے کے لیے دشوار ہو) پھر تمار آتا ہے جو شہر سے ۸ میل پر علاقۂ خیبر کی سرحد پر واقع ہے۔ اس کے آگے خیبر اور اس کے قلعے ہیں"۔

(دیکھیے نقشہ: (۱) جدید شاہراہ (۲) قدیم راستہ)

قلعوں کے ناموں کی بھول بھلیاں

مورخین کے بیانات پڑھنے میں خیبر کے قلعوں کے نام اور ان کی تعداد جو ہمارے سامنے آئی کچھ عجیب و غریب ہے، — مثلاً

(۱) خیبر میں ۶ قلعے تھے — سُلالم[۱]، قموص[۲]، نطاۃ[۳]، قصّارۃ[۴]، شق[۵]، مربطہ[۶] — ان سب میں قموص نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا۔ مرحّب (عرب کا مشہور پہلوان جو ... اسواروں کے برابر مانا جاتا تھا) تاریخ یعقوبی کے مطابق اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ ابن ابی الحقیق کا خاندان جس نے مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر کی ریاست حاصل کرلی تھی یہیں رہتا تھا" (سیرۃ النبیؐ)

قلعہ کے رئیس کے نام کو عام طور پر مَرحَب پڑھا جاتا ہے لیکن اصل تلفظ 'مُرحّب' ہونا چاہیے کیونکہ بہادر کے مقابلہ میں جب حضرت علیؓ نکلے تو یہ بہادر رجز پڑھتا ہوا بڑھا تھا۔

قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اَنِّیْ مُرَحَّبُ
شَاکِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ

دوسرے مصرعہ میں مجرّب ہے تو پہلے مصرعہ میں اس کا ہموزن مُرحّب ہونا چاہیے

ترجمہ: خیبر جانتا ہے کہ میں مُرحّب ہوں — سلاح پوش، دلیر اور تجربہ کار ہوں

(۲) خیبر کے قلعے جو آبادی کے دائیں بائیں واقع تھے شمار میں دس تھے — قلعہ ناعم[۱]، قلعہ نطاۃ[۲]، حصن صعب بن معاذ[۳]، حصن الزبیر[۴]، حصن الشق[۵]، حصن البر[۶]، حصن ابی، حصن قموص، حصن وطیح، حصن سُلالم" (رحمۃ للعالمین جلد اوّل)

(۳) "خیبر قلعوں کے لیے مشہور تھا۔ ان میں سات قلعے زیادہ مشہور تھے۔ ناعم[۱]، القموص[۲]، الشق[۳]،

النطاۃ، السلالم، الوطیح اور الکتیبۃ" (محمد احمد باشمیل)

(۴) "خیبر میں یہودیوں کے چھ قلعے تھے — نطاۃ، شق، قموص، ناعم، وطیح اور صعب"

(آفتاب عالم)

(۵) "پرانے نام اب بھلا دیے گئے ہیں۔ اس لیے معلوم نہیں قلعہ ناعم کہاں تھا؟ (جو مورخوں کے مطابق سب سے پہلے سر ہوا تھا) پھر اندرونِ شہر کا قلعہ قموص فتح ہوا (جو خاندان ابوالحقیق (اور اُم المومنین حضرت صفیہ رض) کا مسکن تھا) پھر حصن الشق اور حصن النطاۃ اور حصن الکتیبۃ سر ہوئے۔ اس کے بعد الوطیح اور حصن السلالم۔ (دو آخری قلعے) کوئی ۲ ہفتوں کی کشمکش کے بعد فتح ہوئے"۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لاہور۔ جلد نہم۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب)

قلعوں کی فائنل تعیین اور ان کا تعارف

سب سے پہلے رحمۃ للعالمین میں نیا نام "شن" ملتا ہے جبکہ دوسری کتابوں میں شق ملا ہے؟ اس لیے میرے خیال میں "شن" محض کتابت و طباعت کی غلطی ہے۔ اسے "شق" ہی سمجھا جائے۔

اس طرح مذکورہ بالا بیانوں کے اعتبار سے ۱۳ قلعوں کی فہرست تیار ہوتی ہے — سلالم، قموص، نطاۃ، قصارۃ، شق، مربطہ، ناعم، حصن صعب، حصن الزبیر، حصن البر، حصن ابی وطیح اور کتیبۃ — ناموں کے اعتبار سے ان قلعوں کا مختصر تعارف حاصل کیجیے:۔

(۱) سُلَالِم — سُلَّم، (بمعنی سیڑھی) کی جمع 'سُلَالِم' ہے وسیلہ، حاجت پڑنے پر وسیلہ، پناہ یعنی ضرورت و ایمرجنسی کے لیے ریزرو پناہ گاہ (اور آلاتِ حرب کا خزانہ جس سے ضرورت پڑنے پر مدد دی جائے)

(۲) قموص — شیر بے آرام، جس کو قرار نہ ہو — ناقابلِ تسخیر قلعہ جو اپنی مضبوطی میں مشہور تھا۔

(۳) نطاۃ — کچی کھجور کا غلاف یا ڈنٹھل (جو مضبوط ہوتا ہے)

(۴) قصارہ — کشادہ مضبوط مکان — زمین کا زرخیز ٹکڑا۔ غلہ کا کوڑا کرکٹ جو چھلنی میں باقی رہ جائے۔ غلہ کی مالش کے دوران خوشہ میں جو دانہ باقی رہ جائے۔

(۵) شق ـــــ ہر چیز کا آدھا۔ (نطاۃ اور شق دونوں بالمقابل ایک سے پہاڑ تھے۔ گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شق نطاۃ ہی کا آدھا حصہ ہے؟

(۶) مَرْبَط ـــــ جانوروں کے باندھنے کی جگہ (رَبط سے ـــــ رباط الخیل کا مفہوم بھی سامنے رہے)

(۷) ناعم ـــــ آسودہ زندگی والا (ناعم کی صفت ملائم، نرم و نازک ہونا) یہ قلعہ بھی مضبوط تھا اور جلد فتح ہونے والا نہ تھا۔

(۸) صعب ـــــ سخت دُشوار، خوددار شیر، اس کا فتح ہونا آسان نہ تھا۔ یا کہ یہ قلعہ صعب بن معاذ کے حصہ میں آیا تھا اس لیے یہ نام ہو گیا۔ (رحمۃ للعالمین میں حصن صعب بن معاذ ہی لکھا ہے)

(۹) حصن الزبیر۔ یہ حضرت الزبیر بن العوام کے حصہ میں آیا تھا اس لیے 'حصن الزبیر' نام پڑ گیا۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لاہور۔ جلد نہم۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب)

(۱۰) حصن البرّ۔ بَرّ کے معنی ہیں خشک زمین۔ بِرّ کے معنی ہیں نیکی کے۔ ممکن ہے یہ بھی کسی ابرّ کے نام پر پڑ گیا ہو اور ان کے حصہ میں یہ آیا ہو؟

(۱۱) حصن اُبَیّ۔ وہ قلعہ جو اُبَیّ کے نام پر تھا۔

(۱۲) وطیح ـــــ 'وطیح' معنی مٹی۔ کھریا ـــــ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لاہور (جلد نہم) میں خیبر کی تفصیلات دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "پھر 'جبل الاھیل' (ایسا پہاڑ جس میں مٹی ہو۔ ھیل = مٹی ڈالنا وغیرہ) آتا ہے۔ جس میں یہودی آطام (قلعے) ہیں۔ پھر مزرعے اور باغات ہیں جن سے رسول اکرمؐ کی ازواج مطہرات اور بنو المطّلب کے رُوزینے مقرر تھے اسی کو 'الوطیح' کہتے ہیں"

(۱۳) کَتیبۃ۔ سواروں کا دستہ یعنی رسالہ (CAVALRY) ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لاہور (جلد نہم) میں خیبر کی تفصیلات دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "'وطیح' سے متصل خَلْص تک ایک وادی جاتی ہے جسے 'الکتیبۃ' کہتے ہیں۔ یہ کتیبۃ خیبر کے قلعہ بند مقاموں میں سے ہے" پھر یہ بھی

لکھا ہے کہ "عہد نبویؐ میں 'مَحِلّۃ الکتیبۃ' میں کھجور کے ۴۰ ہزار پیڑ بیان کیے گئے ہیں" (ابن الاثیر: البدایۃ ۴: ۲۰۴) [مَحلّۃ الکتیبۃ' یعنی کتیبہ کے اترنے کی جگہ۔ جہاں رسالے رکھے جاتے تھے۔]

ناموں کے لحاظ سے مُرَبطہ کو کتیبۃ کے تحت آنا چاہیے، اور اُسے 'الوطیح' کے قریب ہونا چاہیے۔

مختلف تاریخی بیانات سے بھی خیبر کے قلعوں کی تعیین میں رہنمائی ملتی ہے: مثلاً

- 'رحمۃٌ للعالمین' میں جہاں قلعوں کے شمار دس ملے وہیں ایک نئی بات یہ ملی کہ (۱) قلعہ ناعم (۲) قلعہ نطاۃ (۳) حصن صعب (۴) حصن الزبیر ـــ یہ چاروں حُصُون نطاۃ کے نام سے نامزد تھے؛ اسی طرح (۵) حصن شق (۶) حصن البراء اور (۷) حصنِ اُبی ـــ یہ تینوں حُصُون شق کے نام سے نامزد تھے؛ اور (۸) حصن قموص (۹) حصن وطیح اور (۱۰) حصنِ سُلالم۔ یہ تینوں حصون کتیبۃ کے نام سے تھے؛ اس طرح جائے وقوع پر ۳ گروپ ہونا چاہیے اور ہر گروپ کو اپنے نام والے قلعہ سے قریب ہونا چاہیے۔
- 'آفتاب عالم' میں ہے کہ صبح کے وقت یہودیوں کے لشکر کے عین سامنے اسلامی لشکر ایک میل کے فاصلہ پر رُک گیا۔ پھر دونوں طرف کے لوگ آگے بڑھے اور مڈبھیڑ شروع ہوئی۔ چونکہ اپنی کثرت (۱۰،۰۰۰) پر ناز تھا اس لیے پہلے میدان میں آکر صف آرا ہوگئے تھے۔ مگر عادت تو تھی قلعہ بند ہو کر لڑنے کی۔ اس لیے میدان میں مقابلہ نہ کرسکے اور میدانی لڑائی کے بعد یہودی بدحواس ہو کر قلعوں کی طرف بھاگے۔ اور صَعب قلعہ تک جا پہنچے (معلوم ہوتا ہے صَعب قلعہ سب سے آگے تھا) قلعہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا، یہودی دوڑ کر داخل ہونے لگے، اور فصیل پر چڑھ کر مسلمانوں پر سنگباری اور تیر افگنی کرنے لگے۔ اب گویا محاصرہ کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ قلعہ صعب ایسی جگہ واقع تھا کہ اس سے تمام قلعوں کو امداد پہنچ سکتی تھی۔

دوسری صبح نطاۃ کی طرف مسلمان بڑھے تو یہودی یہاں سے بھی بھاگے اور قلعہ قموص میں پناہ گزیں ہوئے۔ چنانچہ نطاۃ پر قبضہ ہوگیا۔

نطاۃ کے بعد قلعہ شق کی طرف کوچ کیا ـــ یہاں کے لوگ بھی نطاۃ والوں کو بھاگے۔

دیکھ کر قموص میں جا گھسے۔ شق پر بھی قبضہ ہو گیا۔ اور رات بھر اُسی قلعہ میں آرام کیا گیا۔

سیرۃ النبی ؐ کے مطابق: (۱) جس میدان میں لشکر اسلام نے ڈیرے ڈالے تھے اس کا انتخاب حباب بن المنذر رضؓ نے کیا تھا (جنگِ بدر کا میدان بھی انہی کی رائے پر منتخب ہوا تھا) یہ مقام رجیع میں تھا (جو بنو غطفان اور اہلِ خیبر کے درمیان تھا) آنحضرت صؐ نے حکم دیا تھا کہ لشکر کا بڑا کیمپ اسی جگہ رہے گا جس کے ذمہ دار عثمان بن عفان رضؓ تھے۔ اسباب باربرداری، خیمہ و خرگاہ اور مستورات یہاں چھوڑ دی جائیں اور حملہ آور دستے یہیں سے جایا کریں۔

(۲) لشکر اسلام جب صہباء میں پہنچا تو آنحضرت ؐ نے عصر کی نماز ادا کی ستو گھول کر پیا اور رات ہوتے ہوتے فوج خیبر کے قریب پہنچ گئی۔ عمارتیں نظر آنے لگیں — رات یہیں بسر کی۔ صبح کو خیبر میں داخلہ ہوا۔

یہودیوں نے مدافعت کے لیے مستورات کو ایک محفوظ مقام میں، رسد اور غلہ قلعہ ناعم میں یکجا کیا، اور فوجیں قلعہ نطاۃ اور قموص میں فراہم کیں لیکن قلعہ ناعم فتح ہونے کے بعد دوسرے قلعے بآسانی فتح ہوتے چلے گئے۔ البتہ قموص جو نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا اور مرحّب اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ یہ قلعہ حضرت علیؓ کے ہاتھوں ۲۰ دن کے محاصرے کے بعد فتح ہوا۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لاہور (جلد نہم) میں معلومات فراہم کی ہیں — خیبر میں حصن وَتِدہ ہے جس میں کھجور وغیرہ کے درخت ہیں یہ مِلک خاص نبوی ؐ تھا۔ پھر جبلِ اُحیل کے بعد مزرعے اور باغات سے رسولِ اکرم ؐ کی ازواجِ مطہرات اور بنو المطّلب کے وظیفے مقرر تھے اس کو "الوطیح" کہتے ہیں۔ وَطیح سے خَلص تک وادی الکتیبۃ تھی — یہ سب کی سب صرفِ خاص نبوی ؐ رہی ہے۔ یہیں الصّہباء ہے جہاں آنحضرت ؐ نے پڑاؤ ڈال کر رات گزاری تھی۔ یہ خیبر سے ایک بَرید کی مسافت پر ہے۔

خیبر کا سب سے بڑا قلعہ القموص ہے اُسی کے دامن میں مسجدِ نبوی ؐ ہے۔ وہیں نطاۃ اور الشق دو وادیاں ہیں — اِن دونوں کے مابین جو رقبہ ہے اُسے "السّبخۃ" (یعنی شور

والی زمین، نمکین و دلدلی زمین "کالی" کے مانند جو پانی کے اوپر آجائے) اور "المخاضۃ" (پانی میں گھسنے کی جگہ) کہتے ہیں۔ یہ اُس بڑی مسجدِ نبوی ؐ تک جاتا ہے جہاں خیبر میں آنحضرت ؐ کا قیام رہا۔

نطاۃ میں مرحب کا قلعہ اور قصر ہے۔ یہ قصر حضرت زبیر بن العوام کے حصہ میں آیا تھا۔
الشق میں "الحمۃ" نامی چشمہ ہے جسے رسولِ اکرم ؐ نے "قسمۃ الملائکہ" کا نام دیا تھا۔
النطاۃ کا بڑا چشمہ "اللحیحۃ" کہلاتا ہے۔ خیبر میں سب سے پہلے دار بنی قمۃ فتح ہوا جو نطاۃ میں ہے اور اُسی میں مرحب کا بھائی الیاس رہتا تھا۔ حصن الزبیر اپنے استحکام کے باوجود اس لیے فتح ہو گیا تھا کہ پانی کے ذخیرہ کے زمین دوز راستے کا پتہ ایک مقامی یہودی نے آنحضرت ؐ کو بتا دیا تھا۔

الصہباء میں قبیلہ غطفان کے لوگ آپ ؐ کے راستہ میں حائل ہوئے وہ خیبر کے یہودیوں کی امداد کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب آپ ؐ نے الصہباء سے وادی الرجیع (دیارِ غطفان) کا رُخ کیا تو وہ گھبرا کر فوراً اپنے مال و عیال کی حفاظت کے لیے گھر واپس آگئے اور پھر انہیں نقل و حرکت کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ ۳ دن الرجیع میں ٹھہر کر آپ ؐ خیبر آگئے تھے۔
خیبر متعدد چھوٹے چھوٹے قبائلی محلوں پر مشتمل تھا اور وہاں دفاع کا نقشہ اس طرح تھا:

- وہ بڑے اور متعدد چھوٹے چھوٹے قلعوں میں محفوظ تھے۔
- بعض قلعوں میں منجنیق بھی نصب تھی۔
- الیعقوبی کے مطابق ۲۰ ہزار اور المقریزی کے مطابق ۱۰ ہزار جنگجو سپاہی تھے۔
- اپنے مرکز میں ہونے کی وجہ سے حربی فوقیت رکھتے تھے۔
- آزوقہ اور سازوسامان بھی ان کے پاس وافر تھا۔

السرخسی نے لکھا ہے کہ خیبر کے ہر قلعہ کو تین تین فصیلوں سے اس طرح گھیرا گیا تھا کہ سوار و فوج اُن کے سامنے بے بس تھی۔

آنحضرت ؐ کا مرکزی کیمپ اور حملہ کی پلاننگ

بہرحال مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں سارے پہلوؤں کو

مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک نقشہ تیار کر دیا ہے جسے ایک [illegible] صحیح و درست تو نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن واقعاتِ جنگِ خیبر کو سمجھنے میں کسی حد تک مفید ضرور ہو سکتا ہے۔ آئندہ اگر کوئی صاحبِ ذوق اُس مقام تک پہونچنے کی سعادت حاصل کر سکیں اور عینی مشاہدے کے بعد وہ کوئی بہتر اور صحیح نقشہ مرتب کر دیں تو بہتر ہوگا۔ کیونکہ اس نقشہ کی اصلاح ہو جائے گی اور اللہ انہیں نیک اُجر سے نوازے گا۔

مدینہ سے روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے سباع بن عرفطہ غفاری رضؓ کو مدینہ کا افسر مقرر کر دیا تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ دو سو سوار تھے اور چیدہ چیدہ پیدل فوج ۱۴۰۰ (کیونکہ آپ نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں جو طالبِ جہاد و اعلاءِ کلمۃ اللہ ہوں طالبِ دنیا و مال و متاع نہ ہوں)، پہلی بار ۳ علم تیار کرائے گئے۔ دو حضرت حباب بن المنذر رضؓ اور حضرت سعد بن عبادہ رضؓ کو عنایت ہوئے اور خاص علمِ نبوی ﷺ (جس کا پھریرا حضرت عائشہ رضؓ کی چادر سے تیار ہوا تھا) جناب امیر رضؓ کو مرحمت ہوا۔ فوج روانہ ہوئی تو حضرت عامر بن الاکوع رجز پڑھتے ہوئے آگے چلے۔

ازواجِ مطہرات میں سے حضرت اُمِ سلمہ رضؓ ساتھ تھیں۔ لیکن چند خواتین اپنی خواہش سے بلا اجازت فوج کے ساتھ چلی گئی تھیں جس پر آپ ﷺ ناراض بھی ہوئے۔ انہوں نے اپنی غرض و غایت یہ بیان کی تھی کہ چرخہ کات کر مدد، زخمیوں کی مرہم پٹی اور تیر اٹھا کر لانے میں ہاتھ بٹائیں گی!

آنحضرت ﷺ غابہ ہوتے ہوئے مختصر راستے ہی سے چلے اور مقام 'رجیع' میں فوجیں اتار دیں۔ (جو اہلِ غطفان اور خیبر کے بیچ میں ہے) اسباب بار برداری، خیموں اور مستورات (تقریباً بیس) کو یہیں چھوڑ دیا گیا، اور فوجیں خیبر کی طرف بڑھیں تو الصہباء کے پاس قبیلہ غطفان کے لوگ مسلح ہو کر آپ ﷺ کے راستہ میں حائل ہوئے کیونکہ وہ خیبر کے یہود کی امداد کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ نے الصہباء سے 'وادی الرجیع' (دیارِ غطفان) کا رُخ کیا تو وہ گھبرا کر فوراً اپنے مال و عیال کی حفاظت کے لیے گھر واپس آگئے اور پھر انہیں نقل و حرکت کی جرأت نہ ہوئی۔"

(ڈاکٹر حمید اللہ صاحب۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لاہور جلد نہم)

معرکہ کے لیے اِس میدان کا انتخاب تجربہ کار حضرت حباب بن المنذرؓ نے کیا (جنہوں نے بدر
میدان کا انتخاب کیا تھا) اور آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ یہی مرکزی کیمپ رہے گا جس کے انچارج
حضرت عثمانؓ بنائے گئے۔ حملہ آور دستے یہیں سے جایا کریں گے۔
ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے تو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لاہور جلد نہم میں لکھا ہے کہ ۲ دن
رجیع میں ٹھہر کر آپؐ خیبر آ گئے۔ بہرحال کیمپ کی حفاظت کے لیے ضرورت بھر آدمیوں کو چھوڑ کر
لشکر اسلام مقام "الصہباء" (پانی کی ٹھنڈی جگہ) میں پہنچا تو نماز عصر کا وقت آ چکا تھا۔ وضو
وغیرہ کے لیے پانی کا وافر ذخیرہ تھا۔ نماز کے بعد آپؐ نے بھی سبھوں کے ساتھ ستو گھول کر پیا۔ یہ
مقام خیبر سے ایک برید کے فاصلہ پر تھا۔ تجرید البخاری میں حضرت ابو موسٰی اشعریؓ سے بھی روایت
ہے کہ رسولِ خدا نے خیبر پر چڑھائی کی تو "اَشْرَفَ النَّاسُ عَلٰی وَادٍ" (لوگ ایک نالے پر آئے)
ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے لکھا ہے (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں) کہ غزوہ خیبر میں آتے اور جاتے
دونوں وقت رسولِ اکرم ﷺ نے سد الصہباء میں قیام فرمایا تھا۔ رات ہوتے ہوتے اسلامی فوج
خیبر کے سواد میں پہونچ گئی، عمارتیں نظر آئیں تو آپؐ نے حسبِ معمول یہ دُعا مانگی:

اِنَّا نَسْئَلُکَ خَیْرَ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ وَخَیْرَ اَهْلِهَا وَخَیْرَ مَا فِیْهَا وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ اَهْلِهَا وَ شَرِّ مَا فِیْهَا (ابن ہشام)	(اے اللہ۔ ہم تجھ سے اِس گاؤں کی اور گاؤں والوں کی اور گاؤں کی چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور اُن سب کی بُرائیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔)

چونکہ سنتِ نبویؐ یہ تھی کہ رات کو کسی مقام پر حملہ نہیں کیا جاتا اس لیے یہ رات یہیں بسر کی "اِذَا
اَتٰی قَوْمًا بِلَیْلٍ لَمْ یَغْزُ بِهِمْ حَتّٰی یُصْبِحَ" (صحیح بخاری) صبح کو خیبر میں داخلہ ہوا۔ اہلِ خیبر
کی طرف سے دِفاع کی تصویر اوپر آ چکی ہے۔ جب آپ ﷺ بستی کے اندر داخل ہو گئے تو آپؐ نے
بار بار یہ کلمات دہرائے۔

اَللّٰهُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ (تجرید البخاری)	اللہ اکبر۔ خیبر کی خرابی آ گئی ہے۔ بے شک ہم جس قوم کے میدان میں بقصدِ جنگ فروکش ہوں تو اُن ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بُری حالت میں ہوتی ہے!

حملوں کا آغاز اور انجام

پلاننگ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سامنے ہی حصن صعب پڑتا تھا۔ مؤلف آفتاب عالم کے بیان کے مطابق یہود اپنی کثرت پر ناز کر کے میدان میں صف آرا تو ہو گئے مگر (چونکہ ان کی عادت تو محصور ہو کر لڑنے کی تھی) میدانی لڑائی سے بدحواس ہو کر حصن صعب کے کھلے ہوئے دروازے میں دوڑ کر داخل ہونے لگے اور پھاٹک بند کر کے محصور ہو گئے۔ اب آنحضرت ؐ کو بھی سوچنے کا موقعہ مل گیا کہ پہلے کس طرف حملہ کریں؟ اور یکے بعد دیگرے ایک محدود قوت پر اپنی پوری طاقت صرف کرتے چلے جائیں!

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ "پرانے نام اب بھلا دیے گئے ہیں اس لیے معلوم نہیں قلعۂ ناعم کہاں تھا؟ (جو مؤرخوں کے مطابق سب سے پہلے سر ہوا تھا" (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لاہور۔ جلد نہم) رحمۃ للعالمین حصہ اوّل میں قلعہ ناعم کا نام آیا ہے اور صاف صاف نطاۃ کے گروپ میں مع اور ۲ حصون (حصن صعب' اور حصن الزبیر) کے درج ہے۔ سیرۃ النبی ؐ کا بیان ہے کہ "سب سے پہلے قلعہ ناعم پر فوجیں بڑھیں، حضرت محمود رض بن مسلمہ نے بڑی دلیری سے حملہ کیا اور دیر تک لڑتے رہے لیکن چونکہ گرمی تھی، تھک کر دم لینے کے لیے قلعہ کی دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ کنانہ بن الربیع نے قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرایا جس کے صدمہ سے وفات پائی" رحمۃ للعالمین حصہ اوّل میں یہ بھی لکھا ہے کہ "محمود بن مسلمہ کو حملہ آور فوج کا سردار بنایا گیا اور انہوں نے قلعہ نطاۃ پر جنگ کا آغاز کر دیا" یہ بھی لکھا ہے کہ "حضرت علی رض نے قلعہ ناعم پر جنگ کی طرح ڈالی۔ اور مرحب کو ختم کر دیا۔ پھر مرحب کا بھائی یاسر نکلا اُسے زبیر بن العوام رض نے خاک میں سلا دیا۔ اس کے بعد حضرت علی رض کے عام حملہ سے قلعہ ناعم فتح ہو گیا" ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے "(۱) نطاۃ میں مرحب کا قلعہ اور قصر ہے۔ یہ قصر حضرت الزبیر بن العوام کے حصے میں آیا تھا۔ خیبر میں سب سے پہلے دار بنی قمۃ فتح ہوا جو نطاۃ میں ہے اور اُسی میں مرحب کا بھائی الیاس رہتا تھا" (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لاہور جلد نہم) ـــ ان سارے واقعاتی بیانات کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ناعم قلعہ کا وجود کہیں علیحدہ سے نہ تھا بلکہ حدودِ نطاۃ ہی میں تھا!

[نطاۃ] قلعوں کا یہ نطاۃ گروپ ایک ایسی پہاڑی پر تھا جس میں ایک ندی سے زمین دو

راستہ کے ذریعہ پانی سپلائی کا پورا انتظام تھا۔ نطاۃ، ناعم کے بغل میں مُرحب کے قلعہ اور قصر کی تعمیری پوزیشن بھی معقول تھی۔ قصرِ مُرحّب ہی میں دار بنی قمئۃ کے حصہ میں اُس کا چھوٹا بھائی دیاسر یا الیاس) بھی مقیم تھا (جیسا کہ یہودیوں کے دفاع کے منظر میں یہودی قبائل کا تذکرہ آچکا ہے، اور جب یہی قصر حضرت الزبیر بن العوام رضؓ کے حصہ میں آیا تو اس کا نام حصن الزبیرؓ پڑ گیا؛

بنو النضیر مدینہ سے جلاوطنی کے بعد خیبر ہی میں مقیم ہوئے تھے۔ یہ لوگ قلعہ اور قصر کی پوزیشن متعین کرنے میں تجربہ کار تھے۔ مدینہ میں بنو النضیر کی بستی میں ایک ٹیلہ پر کعب بن اشرف کا قصر تھا جس میں سنگیں حوض تھا اور آب رسانی کے لیے وادی مذینب سے استفادہ کیا گیا تھا جو قلعہ سے ذرا اونچی سطح سے گزر کر آتی تھی۔ آج تک کھنڈر موجود ہیں اور ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں پانی کے لیے مٹی کے نَل بھی نظر آتے ہیں (عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ) بالکل وہی پوزیشن نطاۃ گروپ کی ہوگئی۔ اور قصر مُرحّب اور دیگر قلعوں کو آرام دہ بنانے کے لیے زمین دوز راستہ آب رسانی کا بنا لیا گیا۔ شاید قرین قیاس ہے کہ حصن صَعب کو یہاں سے بھی پانی سپلائی کر دیا جاتا رہا ہو۔ پانی و دیگر ضروریاتِ زندگی سے اِس گروپ کو جب آسودہ کر دیا گیا اور ناعم کا لقب اسے ملا "النطاۃ کا بڑا چشمہ 'الکحیمۃ' کہلاتا ہے" (ڈاکٹر حمید اللہ صاحب) (یعنی لگاتار گرنے والا پانی)

بہر حال محمود بن مسلمہ رضؓ کے شہید ہونے پر فوج کی کمان اُن کے بھائی محمد بن مسلمہ رضؓ نے سنبھالی اور شام تک کمال شجاعت و دلیری سے لڑتے رہے۔ یہ تجویز بھی رکھی گئی کہ نخلستان کے درختوں کو کاٹنا شروع کر دیں تو یہودی ہار مان جائیں گے، مگر آنحضرتؐ نے اِس تجویز کو رَد کر دیا۔

اُس رات اور دوسرے دن یہودی جاسوس کے ذریعہ ایسی خبریں آنحضرتؐ کو مل چکی تھیں کہ نطاۃ کے یہودی آج کی رات اپنی مستورات اور بچوں کو قلعہ الشق میں بھیج رہے ہیں، نقد و جنس کو قلعہ نطاۃ کے اندر دفن کر رہے ہیں، قلعہ الشق کے تہ خانوں میں قلعہ شکنی کے بہت سے آلات منجنیق وغیرہ موجود ہیں، قصر و قلعہ کے اندر پانی ایک زمین دوز نالہ کی راہ سے جاتا ہے۔ اگر پانی کا راستہ بند کر دیا جائے تو فتح ممکن ہے —— چنانچہ جب مسلمانوں نے پانی پر قبضہ کر لیا تو اہلِ قلعہ باہر نکل کر کھلے میدان میں لڑے مسلمانوں نے انہیں شکست دے دی اور اپنے

استحکام کے باوجود قلعہ فتح ہو گیا۔ ظاہر ہے غلّہ اور رسد پر بھی قبضہ ہو گیا ہو گا۔
یہودی بھاگ کر قموص کی طرف چلے گئے۔ مرحّب بھی اپنے بھائی کے قتل کے بعد قصر چھوڑ کر قموص ہی میں پناہ گزیں ہو گیا (جو مضبوط ترین اور ناقابلِ تسخیر قلعہ سمجھا جاتا تھا)، حصن صَعب، نطاۃ والوں کو کوئی مدد نہ دے سکا؟

[حصن صَعب] ترجیحاً اس کے بعد حصنِ صَعب، کی طرف آنحضرتؐ متوجہ ہوئے۔ اس قلعہ کو حباب بن المنذرؓ نے ۳ ہی روز محاصرہ کر کے فتح کر لیا جس سے جَو، کھجور، چھوارے، مکھن، روغن زیتون، چربی اور پارچہ جات کی کثیر مقدار ملی۔ اور اس قلعہ سے آلاتِ قلعہ شکن بھی برآمد ہوئے (ایسا معلوم ہوتا ہے یہ اسٹور تھا) اس قلعہ کے لوگ بھی قدرتی طور پر القموص ہی کی طرف بھاگے! (کیونکہ نطاۃ تو فتح ہو چکا تھا)

[الشق] بھاگنے والوں کے لیے تو قموص، ہی جائے پناہ تھی! مسلمانوں کے لیے پہاڑ پر نطاۃ کے آگے 'الشق' کی طرف پہلے جانا مناسب تھا چنانچہ یہی کیا گیا۔ یہ راز تو معلوم ہی ہو گیا تھا کہ نطاۃ والوں نے مستورات اور بچوں کو قلعہ الشق میں بھیج دیا ہے! اور سب سے بڑی بات کہ قلعہ الشق کے تہخانوں میں قلعہ شکنی کے بہت سے آلات منجنیق وغیرہ موجود ہیں۔ 'القموص' سے بالآخر نمٹنے کے لیے الشق کی تسخیر حربی نقطۂ نظر سے پہلے ضروری تھی۔ چنانچہ جب الشق کے بھیڑیوں نے دیکھا کہ اہل نطاۃ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے تو وہ بھی نہ ٹھہر سکے۔ بدحواس ہو کر نکلے قلعہ قموص میں جا گھسے۔ چنانچہ مسلمانوں نے الشق پر بھی قبضہ کر لیا۔ رات بھر اُسی قلعہ میں مسلمانوں نے آرام کیا اور پلاننگ ہوتی رہی۔ اُسی قلعہ میں ایک چشمہ 'الحمۃ' ہے جسے آنحضرتؐ نے 'قسمۃ الملائکۃ' (ملائکہ کا حصہ) کا نام دیا تھا۔

[حصن اُبی] اب 'حصن اُبی' کی باری آئی۔ قلعہ والوں نے سخت مدافعت کی۔ اُن میں سے ایک آدمی باہر آیا۔ حباب بن المنذرؓ نے اُسے قتل کر دیا۔ پھر دوسرا آیا جس نے مقابل مسلمان کو شہید کر دیا۔ تب ابودجانہؓ نے اُسے قتل کیا۔ یہود پر رعب طاری ہو گیا اور وہ بالکل محصور ہو گئے، تو مسلمانوں کو لے کر ابودجانہؓ قلعہ کی دیوار پر چڑھ گئے اور قلعہ فتح ہو گیا۔ اہل قلعہ بھاگ گئے، لیکن اس قلعہ سے بکریاں، کپڑے اور بہت سا سامان ملا۔

[حصنؔ البرّ] اس کے بعد حصن البرؔ پر حملہ کردیا گیا۔ لیکن یہاں کے قلعہ نشینوں نے مسلمانوں پر اتنے تیر برسائے اور اتنے پتھر گرائے کہ مسلمانوں کو بھی مقابلہ میں منجنیق کا استعمال کرنا پڑا۔ منجنیقوں سے قلعہ کی دیواریں گرائی گئیں اور قلعہ فتح ہوگیا ـــــ یہ آلات قلعہ شکن وہی تھے جو مالِ غنیمت کے طور پر 'حصن صعب' اور 'الشق' میں فراہم ہو گئے تھے۔

[القموصؔ] اب سامنے خیبر کا مرکزی قلعہ 'القموص' کھڑا تھا جو مضبوط ترین اور ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ جس پر یہودیوں کو بڑا ناز تھا۔

ہر قلعہ پر حملہ ہوتے ہی وہاں کے لوگ بھاگ کر 'القموص' ہی میں پناہ گزیں ہو رہے تھے یہود کی ساری قوت اب اسی بڑے قلعہ میں اکٹھا تھی۔ رسد کا بھی پورا نظم اور اسلحے سے بھی اچھی طرح لیس۔ آخری مرحلہ میں اب اُن سے مقابلہ تھا۔ اِدھر آنحضرت ؐ کو مالِ غنیمت میں رسد بھی حاصل ہو گیا تھا اور قلعہ شکن آلات بھی، اور سب سے بڑی بات اتنے کم وقت میں اتنے قلعے فتح کر لینے پر یہودی کافی مرعوب ہو چکے تھے اور لشکرِ اسلام کی ہمت بڑھی ہوئی تھی۔

صبح صبح صدر دروازہ کے سامنے مسلمان میدان میں الصخرۃ تک پھیل گئے۔ اُس روز حملہ نہیں کیا۔ بلکہ چند ذمہ دار گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعہ کے چاروں طرف گشت کر کے تسخیر کرنے کی تدابیر سوچنے لگے۔ دوسرے روز مسلح ہو کر صفیں مرتب کر کے پہلے قلعہ کی طرف آہستہ آہستہ بڑھے سب سے پہلے حضرت عمرؓ کی کمان میں فوج آگے بڑھی۔ بالکل نزدیک پہونچے پر یہودیوں نے پتھروں اور تیروں کی بارش شروع کردی۔ سنگلاخ فصیل کو توڑنے کی کوشش ناکام کے بعد واپس ہوئے۔ دوسرے روز علم ابوبکرؓ کے سپرد کیا گیا۔ انہوں نے بھی صدر دروازہ توڑنے کی کوشش کی مگر نہ ٹوٹا۔ اِن کے علاوہ اور دیگر آزمودہ کار لوگوں کو بھی بھیجا گیا ـــــ جب مہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک روز شام کے وقت آنحضرت ؐ نے ارشاد فرمایا کہ "کل میں اُس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا" صبح کو دفعۃً یہ آواز کانوں میں آئی کہ "علیؓ کہاں ہیں؟" موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا۔ آنحضرت ؐ نے اپنا لعابِ دہن لگایا اور دعا فرما کر علم ان کے سپرد کر دیا۔

یہودی اِسلام یا صُلح کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ اُن کو بھی اپنے بہادر مُرحّب پر

ناز تھا جو ایک ہزار بہادروں کے برابر سمجھا جاتا تھا اور القموص (شیرِ بے قرار) اس کا تخت گاہ تھا ایک روایت یہ ہے کہ اُس روز مسلمان بڑی پامردی سے لڑے اور صدر دروازہ توڑنے میں حضرت علیؓ کامیاب ہو گئے۔ حفاظتی دستہ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ فصیل والے جلدی جلدی نیچے اترے اور تلواریں کھینچ کر آمادۂ پیکار ہو گئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ مُرحّب خود قلعہ سے رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّيْ مُرَحَّبٌ　　شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبٌ

خیبر جانتا ہے کہ میں مُرحّب ہوں　　سلاح پوش، دلیر اور تجربہ کار ہوں

مُرحّب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اُس کے اوپر سنگی خود تھا۔ مرحّب کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ رجز پڑھا:

اَنَا الَّذِيْ سَمَّتْنِيْ اُمِّيْ حَيْدَرَه　　كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَه

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا　　میں شیر نیستاں کی طرح مہیب و بد منظر ہوں

مُرحّب بڑے طمطراق سے آیا، لیکن حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور اتنا بڑا مانا ہوا پہلوان چشم زدن میں ختم! یہودی علیؓ کی کارگزاری سے بے حد خوفزدہ ہو گئے اور ہتھیار ڈال دیے۔ اِس طرح یہ ناقابلِ تسخیر قلعہ ۲۰ دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا۔ اور "مُرحّب کے قاتل" اور "القموص کے فاتح" یا "فاتح خیبر" حضرت علیؓ ہی قرار پائے! اِس قلعہ کے بعد تو صرف سُلالِم رہ گیا تھا جو ریزرو فورس کے لیے تھا اور "الوطیح" وغیرہ کا سارا علاقہ کتیبتہ (رسالہ (CAVALRY) تھا جس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ وہ سب لشکرِ اسلام کے آگے جھک گئے!

جنگ کے نتائج اور اثرات

● فتح کے بعد آنحضرت ﷺ نے سب کی جان بخشی کر دی کہ مال چھوڑ دیں۔ جسم کے کپڑوں کے ساتھ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

● فتح کے بعد زمینِ مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائے۔ ہم پیداوار کا نصف حصہ ادا کریں گے۔ یہ درخواست منظور ہوئی اور حضرت عمرؓ کی خلافت تک ایسا ہوتا رہا۔

- خیبر کی زمین دو برابر حصوں میں تقسیم کی گئی۔ نصف حصہ بیت المال وغیرہ کے مصارف میں خاص کر لیا گیا۔ باقی نصف مجاہدین پر مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ فوج کی تعداد ۱۴۰۰ تھی۔ سوار ۲۰۰ تھے۔ سوار کو گھوڑے کے علاوہ پیدل سے دوگنا ملا۔ یعنی کل جائداد کے ۱۸۰۰ حصے کیے گئے۔ آنحضرتؐ کو بھی عام مجاہدین کے برابر حصہ ملا (فتوح البلدان) ایک قطعہ حضرت عمرؓ کے حصہ میں آیا۔ جسے آپ نے راہِ خدا میں وقف کر دیا۔
- صفیہؓ رئیسِ خیبر کی بیٹی تھی۔ اُن کا شوہر بھی قبیلہ نضیر کا رئیس تھا۔ باپ (حیی بن اخطب) اور شوہر (کنانہ بن الربیع) دونوں قتل کیے جا چکے تھے۔ آنحضرتؐ نے صفیہؓ کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا۔ اس لیے کہ پاسِ خاطر، حفظِ مراتب اور رفعِ غم کے لیے اس کے سوا اور کوئی بہتر تدبیر نہ تھی۔ صفیہ نے بھی اسلام قبول کر کے اسی طریقہ پر رضا مندی دے دی تھی۔
- یہود کو اتنی مراعات دینے کے بعد بھی اُن کا باغیانہ طرزِ عمل ملاحظہ فرمائیے — سلام بن مشکم کی بیوی (مرحَب کی بھاوج) زینب نے آنحضرت کی دعوت کی جس میں چند صحابہؓ بھی تھے۔ زینب نے بھنی ہوئی بکری میں زہر ملا دیا، آنحضرتؐ نے تو ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا مگر دوسرے صحابی بشر بن براءؓ پیٹ بھر کر کھا کر ہلاک ہو گئے — زینب قصاص میں قتل کر دی گئی۔
- مالِ غنیمت میں توراۃ کے جو نسخے ملے وہ آنحضرتؐ نے یہودیوں کو واپس دلا دیے۔
- ۹۳ یہود مقتول ہوئے ۱۵/۱۸ مسلمان شہید ہوئے اور ۵۰ زخمی
- (دیکھیے نقشہ میں) مسجد کا مقام وہ ہے جہاں آنحضرتؐ نے فتح کے بعد چند روز قیام کیا (یہ بڑی مسجدِ نبویؐ بعد میں بنی) اور وہ چٹان (الصخرۃ) بھی ہے جسے سُترہ بنا کر رسولِ اکرمؐ نماز پڑھا کرتے تھے۔ (آج کل وہیں عیدین کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں)
- خیبر کی فتح کے بعد یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور مشرکین کا ایک زبردست بازو جاتا رہا۔ بدر کے موقعہ پر ان کے طنز و غرور کا سبق پورے طور پر مل گیا؟
- تمام عرب کی نگاہیں اِس جنگ کے نتیجہ پر لگی ہوئی تھیں خیبر کی فتح سن کر سب حیرت زدہ ہو گئے! ساتھ ہی رنج و افسوس بھی ہوا۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ مسلمانوں کے قبضہ میں متعدد قلعے اور سیکڑوں مربع میل کا رقبہ آ گیا تھا۔
- خیبر کی فتح کے بعد اسلام کی ملکی اور سیاسی حالت کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اسلام گویا نرغہ سے نکل آیا تھا۔
- اب جدید فقہی احکام پر عملدرآمد بھی شروع ہوا مثلاً پنجہ دار پرندہ حرام، درندہ جانور حرام، گھریلو گدھا حرام، متعہ حرام وغیرہ؟

نقشہ مسافت مدینہ سے خیبر تک
۱- جدید شاہراہ
مدینہ سے خیبر تک تقریبًا ۱۲۵ میل
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
خیبر
حرۃ
حرۃ
حرۃ
شاہراہ
شاہراہ
شاہراہ
تنگ اور پہاڑوں سے
مدینہ سے ۲۰/۱۵ کلومیٹر کے بعد افتادہ زمین ۱۲/۱۰ کلومیٹر تک پھیلی ہوئی۔ بعدہ حرۃ شروع
۲- قدیم راستہ مدینہ سے خیبر تک تقریبًا ۸۰/۹۰ میل
مدینہ
غابہ جلیا
غابہ سفلی
نقب یرذوع
وادی الدومۃ
جبل أشمذ حرۃ الشقۃ
الحمار
خیبر
قدیم کاروانی راستہ
قدیم کاروانی راستہ
(مدینہ سے خیبر تک ۸ برید کی مسافت)
(متعدد کنویں ہیں)
الرجیع
بنو غطفان
وادی الحمض
ندی جو مدینہ کے شمال سے آتی ہے
مشرق
شمال
جنوب
مغرب

غزوہ وادی القریٰ اور فدک

محترم یاسمین صفر شاہ

یہ کوئی باقاعدہ جنگ نہ تھی ۱ آنحضرتؐ نے جنگِ خیبر سے فراغت کے بعد چند دن خیبر ہی میں قیام کیا۔ وہیں آن کی یہ اسکیم بنی کہ لگے ہاتھوں ذرا اور شمال میں یہودیوں کی دو ایک کالونی کے نبض کو بھی ٹٹول لیں پھر مدینہ واپس چلیں ـــ تاکہ مزید شمال تک اس کے اثرات پہونچ جائیں۔ یہودیوں کی دو کالونیاں تو نزدیک ہی تھیں ـــ وادی القریٰ اور فدک اور تیسری تیما ء کچھ دور پر تھی ۱ (دیکھیے نقشہ نمبر ۱۔ جنگِ ذی قرد)

لہٰذا آپؐ صرف ۳۸۲ آدمیوں کو لے کر (رحمۃٌ للعالمین) بڑھ گئے اور ایک روز میں واپس ہوگئے۔

وادی القریٰ ایسی وادی تھی جہاں یہودیوں کی متعدد بستیاں (قریٰ جمع ہے قریہ کی) تھیں۔ قدیم زمانہ میں یہاں عاد و ثمود آباد تھے جن کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ یہود نے یہاں آکر آبپاشی کے ذریعہ کھیتی کے کام کو خوب ترقی دی اور ان کا یہ مخصوص مرکز بن گیا تھا۔ آنحضرتؐ کا مقصد لڑنا نہ تھا مگر یہود جنگ کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے فوراً تیر اندازی شروع کر دی۔ آنحضرتؐ کا محمل آپ کے غلام (حضرت مدعمؓ) اُتار رہے تھے کہ ایک تیر آیا اور وہ جاں بحق ہوگئے۔ بہرحال جنگ شروع ہوگئی لیکن تھوڑے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سپر ڈال دی اور مصالحت چاہی۔ آنحضرتؐ نے صلح کرلی۔ اور ان کی زمین و [illegible] وغیرہ خیبر والوں کی شرائط کے بموجب واپس کر دیا۔ ۱۱ یہود مقتول ہوئے (رحمۃٌ للعالمین)

وادیِ القُریٰ سے ذرا اور شمال میں 'فِدک' کا مقام نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ انگور کھجور اور دوسرے پھلوں کے باغات تھے چنانچہ سبزہ زار ہونے کی وجہ سے اس کا نام 'باغِ فِدک' مشہور ہو گیا تھا۔ یہاں بھی یہودی آباد تھے۔ ان یہودیوں نے جنگِ خیبر میں اہلِ خیبر کو امداد دی تھی۔ اس لیے انہیں خوف تھا کہ کہیں مسلمان اُن پر یورش کر کے ان کے بال بچوں کو تہِ تیغ نہ کر ڈالیں — اس لیے فِدک کے چند معزز یہودی خود آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ انہیں کسی طرف سے امداد کی توقع نہ تھی اور اکیلے مسلمانوں سے مقابلہ بھی نہ کر سکتے تھے اس لیے اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان کی امان پر مصالحت کی استدعا کی۔ آنحضرتؐ نے استدعا منظور کر لی۔ اُن سے صرف زرِ نقد اور سامانِ عشرت لے لیا گیا۔ اِس طرح فدک بغیر جنگ مغلوب ہو گیا! یہی آنحضرتؐ کا مقصود بھی تھا!

تیماء کے یہودیوں سے صلح

تیماء عرب کے شمال مغربی حصے میں خیبر سے کچھ دور واقع ہے۔ یہاں بھی یہود قبل از ظہورِ اسلام رہتے تھے۔ یہاں کا یہودی شاعر سموآل بن عادیا 'صاحب الحصن' مشہور تھا، اور اُسی کے ذریعہ تیماء کے یہود کی تاریخ ما قبل اسلام معلوم ہوئی۔ بعد میں صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ جنگِ خیبر کے وقت مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے یہ لوگ نہیں نکلے۔ نہ اس کی فکر کی۔ خیبر کی شکست کے بعد وادی القریٰ اور فدک کے یہودی بھی آنحضرتؐ کے آگے سپر انداز ہو چکے تھے، اس لیے ان لوگوں نے بھی آنحضرتؐ سے (غالباً ۹ھ میں) مصالحت کر لی۔ اور جزیہ دے کر اطمینان کی زندگی اسلام کے سایہ میں گزارنے لگے۔

ادائے عمرہ (۷ھ)

صلحِ حدیبیہ کے موقع پر قریش سے معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے سال آنحضرتؐ مکہ میں آکر عمرہ ادا کریں گے اور ۳ دن قیام کر کے واپس چلے جائیں گے ۔ اِس بنا پر خیبر سے واپسی کے بعد آنحضرتؐ نے اس سال عمرہ ادا کرنا چاہا اور اعلان کر دیا کہ سارے شرکاءِ حدیبیہ یہ سعادت حاصل کریں۔ شرط کے مطابق اسلحۂ جنگ (مکہ سے ۸ میل پہلے ہی) چھوڑ دیے گئے۔ ۲۰۰ سواروں کا دستہ اس کی حفاظت کر رہا تھا۔

صحابہؓ کا جمِ غفیر ساتھ تھا۔ برسوں کی دیرینہ تمنّا۔ اس لیے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ تھا۔ اہلِ مکہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کی آب و ہوا نے کمزور کر دیا ہے ۔ اس لیے خیالِ خام کو دور کرنے کی غرض سے آنحضرتؐ نے یہ حکم دے دیا کہ طواف کے پہلے تین پھیرے ایسے ہوں کہ لوگ اکڑ کر چلیں (جسے عربی میں "رمل" کہتے ہیں) ۔ چنانچہ آج تک یہ سنّت باقی ہے۔

اہلِ مکہ اس پُرشکوہ نظارے کی تاب نہ لاسکے اور ۳ دن کی شرط جیسے ہی پوری ہو چکی۔ انہوں نے حضرت علیؓ کے ذریعہ کہلوایا کہ "محمد سے کہہ دو کہ شرط پوری ہو چکی اب مکہ سے نکل جائیں"۔ یہ سُن کر بلا تأمل آنحضرتؐ روانہ ہو گئے ! اہلِ مکہ پر مسلمانوں کے سچے جوش، سادہ اور مؤثر طریق عبادت کا اور دیانت و امانت کا عجیب اثر ہوا۔

حسبِ معاہدہ جب مسلمان واپس چلے گئے تو خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص دونوں اسلام کی طرف مائل ہو کر مع اپنے دوست عثمانؓ بن طلحہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ تینوں سیدھے مسجدِ نبویؐ میں پہنچے اور مسلمان ہونے کا اظہار کیا۔ آنحضرتؐ اور سبھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے اُن کا استقبال کیا !

جنگِ مُؤتہ

(جمادی الاولیٰ ۸ھ)

جنگ کا سبب صلح حدیبیہ سے قدرے اطمینان نصیب ہوا تو آنحضرتؐ نے تمام صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا اور دنیا کے سامنے اسلام کا پیغام پہنچانے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ قیصرِ روم، شہنشاہِ ایران، عزیزِ مصر، بادشاہِ حبش، رؤسائے عرب و عجم کے پاس دعوتی خطوط ارسال فرمائے!

- عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں جو عرب رؤسا حکمران تھے اُن میں ایک شرحبیل بن عمرو غسانی قیصر کا ماتحت (گورنر) تھا۔ یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمران تھا۔ جس کا پایۂ تخت بُصریٰ تھا (جو آج کل حوران کہلاتا ہے) آنحضرتؐ نے شاہِ بُصریٰ یا قیصرِ روم کے نام ایک خط لکھا تھا جسے حارثؓ بن عمیر لے کر گئے تھے۔ شرحبیل نے اُن کو قتل کر دیا۔ مظلوم حارث کے قتل سے سفیروں کی جانیں خطرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا اور ابھی سفارت کا کام بہت آگے تک کرنا تھا۔ اس لیے قصاص کے لیے قدم اُٹھانا ناگزیر ہو گیا۔
- ویسے تو ہر جنگ میں یہی قاعدہ تھا کہ پہلے دعوتِ اسلام دی جائے۔ اسلام قبول کر لیں تو جنگ کی ضرورت نہیں ایسا ہی خط لے کر یہ سفیر گئے تھے۔
- اب تک اِسلام کو عرب کے یہود اور مشرکوں سے سامنا تھا۔ لیکن اب عیسائی رویوں کی طاقت اور سلطنت سے واسطہ تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ بروقت تادیبی قدم اُٹھایا جائے

اور اُن کی اصلی طاقت و قوت کا اندازہ بھی لگا لیا جائے۔

واقعات چنانچہ مہم کی تیاری تو آنحضرتؐ نے کردی مگر اس کی قیادت چونکہ خود نہیں کر رہے تھے اور خطرات بھی بہت تھے اس لیے خصوصی ہدایات کے ساتھ ۳ ہزار فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کردیا۔ سپہ سالاری ملی تو زید بن حارثہؓ کو لیکن ارشاد ہوا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر طیارؓ اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ فوج کی کمان سنبھالیں پھر یہ ارشاد ہوا کہ حسبِ معمول پہلے اسلام کی دعوت دی جائے۔ یہ بھی حکم ہوا کہ اظہارِ ہمدردی کے لیے اُس مقام پر بھی جائیں جہاں سفیر حارث ابن عمیرؓ شہید ہوئے ہیں۔

آنحضرتؐ خود ثنیتہ الوداع تک فوج کو الوداع کہنے کے لیے تشریف لائے وہاں صحابہؓ نے پکار کر دُعا کی کہ خدا سلامت اور کامیاب لائے! مدینہ کی نگرانی کے لیے خود اور بقیہ صحابہؓ رہ گئے! رُخصت کے وقت لشکر کو اس طرح مخاطب فرمایا: "خدا کا نام لے کر خدا کی راہ میں منکرینِ خدا سے جنگ کرو۔ دیکھو غدر نہ کرنا۔ غل سے بچنا۔ بچے، عورت اور بوڑھے کو اور مندروں میں رہنے والوں کو قتل نہ کرنا۔ کھجور اور دیگر درختوں کو نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو نہ گرانا"

اِدھر مدینہ سے فوج روانہ ہوئی۔ اُدھر جاسوسوں نے شرجبیل کو خبر دے دی غسانی حاکم اپنی کارروائی پر نادم تو کیا ہوتا۔ اُس نے مقابلہ کے لیے تقریباً ایک لاکھ فوج تیار کی اتفاق سے یہ خبر بھی اڑ گئی کہ قیصر روم (ہرقل)، عرب عیسائی قبائل — لخم، جذام، بحرہ و بلی وغیرہ کی بے شمار فوج لے کر مُوآب میں خیمہ زن ہے۔ (دیکھیے نقشہ)

اسلام کی فوج جب مُوتہ کے قریب پہنچی تو دیکھا کہ ۳ ہزار مسلمانوں کو لاکھوں کے دَل بادل کا سامنا ہے۔ لڑائی سے پہلے دُشمن کو صلح کے پیغام کا بھی موقعہ نہ تھا — لہٰذا ۳ ہزار کی اقلیت نے ایک لاکھ کے گروہ پر حملہ کردیا۔ حضرت زید بن حارثہؓ برچھیاں کھا کر شہید ہوئے۔ حضرت جعفرؓ نے آگے بڑھ کر اسلامی جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا۔ ایک دُشمن نے اُن کا داہنا ہاتھ تلوار سے کاٹ دیا تو انہوں نے بائیں ہاتھ سے علم کو سنبھال لیا۔ دوسرے دُشمن نے دوسرا بازو بھی اڑا دیا۔ (اسی لیے ان کا لقب 'ذوالجناحین' پڑ گیا تھا — ابن خلدون) دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا تو سینے سے چمٹا لیا۔ عمر تو اُن کی صرف ۳۳ سال کی تھی مگر جوشِ جہاد اور شہادت کی

تمنا ہیں تلواروں اور برچھیوں کے ۹۰ زخم کھا کر گرے سارے زخم سینہ پر تھے پشت پر نہیں۔
پھر عبد اللہ بن رواحہؓ نے کمان سنبھالی مگر وہ بھی شہید ہو گئے!

اس فوج میں آنحضرتؐ نے حضرت خالدؓ کو بھی شریک کر دیا تھا۔ لہٰذا ایسے نازک مرحلہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے خود آگے بڑھ کر مسلمانوں کی کمان سنبھال لی (رحمۃ للعالمین جلد دوم میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر عبد اللہ بن رواحہؓ بھی مارے جائیں تو مسلمان کسی کو اپنے میں سے سردار بنا لیں) اور ڈیڑھ دن کی سخت مڈبھیڑ میں اس بہادری اور ہوشیاری سے لڑے کہ دشمن کو زیر تو نہ کر سکے مگر مسلمانوں کی فوج کو دشمن کی زد سے بچا لائے! صحیح بخاری میں ہے کہ اس جنگ میں خالدؓ کے ہاتھ میں مارتے مارتے ۸ تلواریں ٹوٹی تھیں۔ چنانچہ اسی بنا پر انہیں "سیف اللہ" کا خطاب عطا ہوا تھا!

نتائج

- ابن اسحاق کی روایت کے مطابق یہ فوج شکست خوردہ، اور 'فراری' تھی لیکن صحیح بخاری 'غزوۂ موتہ' میں ہے کہ حضورؐ نے از روئے وحی فرمایا کہ پھر اللہ کی ایک تلوار یعنی خالد سیف اللہ نے مسلمانوں کے علم کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا (فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْہِم) ارباب سیر اور اہل روایت، اور شراح حدیث اس 'غلبہ' یا 'فتح' کی تاویل و تشریح میں مختلف ہیں۔
- بہرحال حضرت خالدؓ کی قیادت میں اتنے بڑے لشکر کے حملوں سے بچا کر بہ سلامت پیچھے آنا۔ یہی غلبہ ہے — چنانچہ واپسی پر مدینہ میں جب کسی نے فوج کو 'فراری' کہا تو آنحضرتؐ نے اُن کو تسلی دی کہ نہیں فراری نہیں، بلکہ دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو۔
- آنحضرتؐ کو اس مہم کے ذریعہ زبردست تجربہ ہوا جس سے آئندہ فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ دشمن کی قوت کا صحیح اندازہ بھی ہو گیا، اور اب آئندہ اُس طرح کی مہم کے لیے پوری تیاری کرنے کا موقع فراہم ہو گیا۔
- مسلمانوں کے ۱۲ آدمی شہید ہوئے۔ دشمن مقتولین کی تعداد معلوم نہیں۔
- خود رومی فوج کے ایک کمانڈر نے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر کے اسلام قبول کر لیا۔ جس کی وجہ سے اُسے اپنا عہدہ چھوڑنا پڑا۔ اور اُسے قتل بھی کر دیا گیا۔ لیکن اس واقعہ نے آگے چل کر اپنا گل کھلایا۔

فتح مکہ

(۱۰ رمضان ۸ھ)

شمال سے باخبر ہونے کے بعد جنوب کا حال لینا تھا؛ اور اللہ نے سبب بھی فراہم کر دیا۔

مکہ پر چڑھائی کا سبب

• صُلح حُدیبیہ کی رو سے قبائل کو آزادی تھی۔ چنانچہ بنو خزاعہ (مکہ کی شمالی سرحد پر بدر کے مغرب تک آباد تھے) رسولِ اکرمؐ کی طرف اور بنو بکر قریش کی طرف مل گئے تھے۔ معاہدہ کو ۲ سال بھی نہ ہوئے تھے کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ قریش نے نہ صرف یہ کہ بنو بکر کو علانیہ اسلحہ سے مدد دی بلکہ مشہور سرداران قریش نے (جنہوں نے خود معاہدہ پر دستخط کیے تھے) راتوں کو صورتیں بدل بدل کر بنو خزاعہ پر تلواریں چلائیں یہاں تک کہ مجبور ہو کر خزاعہ نے حرم میں پناہ لی۔ لیکن وہاں بھی (جہاں خون بہانا حرام تھا) اُن کا خون بہایا گیا! چنانچہ مظلوموں کے چالیس شُتر سوار ایک خزاعی سردار کے ہمراہ فریاد لے کر آنحضرتؐ کے پاس مدینہ پہنچے۔ اس خزاعی سردار نے ایک پُردرد نظم میں سارا ماجرا کہہ سُنایا جسے آنحضرتؐ سُن کر بہت ہی رنجیدہ ہوئے۔

• فوراً آپؐ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ۳ شرطیں پیش کیں کہ اُن میں سے کوئی منظور کی جائے۔ (۱) مقتولوں کا خونبہا دیا جائے (۲) قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔ (۳) اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ قریش کے سردار نے قریش کی طرف سے تیسری بات منظور کر لی ـــ یعنی یہ کہ حدیبیہ کا معاہدہ اب باقی نہیں رہا۔

• قاصد کے واپس چلے جانے کے بعد قریش بہت پچھتائے اور انہوں نے ابوسفیان کو اپنا سفیر بنا کر مدینہ بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرا لائیں ـــــ لیکن مدینہ جا کر بھی تجدید نہ ہو سکی؟

واقعات ماہِ رمضان میں آنحضرت ؐ نے چڑھائی کی تیاریاں کیں۔ اتحادی قبائل کے پاس بھی قاصد بھیجے کہ تیار ہو کر آئیں۔ چڑھائی میں یہ احتیاط کی گئی کہ مکہ والوں کو خبر نہ لگے اور حملہ اچانک ہو!

• غرضکہ ۱۰ رمضان ۸ھ کو آنحضرت ؐ دس ہزار جان نثاروں کا آراستہ لشکر لے کر روانہ ہو گئے اور قبائل عرب (جو حلیف بن چکے تھے) راہ میں آکر ملتے جاتے تھے (دیکھیے نقشہ ذی قرد) مرّ الظہران (وادی فاطمہ) پہونچ کر (مکہ سے ایک منزل سے کم فاصلہ پر) لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ آنحضرت ؐ کے حکم سے (جو حربی تدابیر میں سے ایک تدبیر تھی جسے آج کے دور میں 'کیموفلاجنگ' (CAMOUFLAGING) کہتے ہیں ـــــ دشمن کو اصلی حقیقت پر پردہ ڈال کر بظاہر ایسا پیش کرنا کہ وہ مرعوب ہو جائے) جب ہر فوجی نے الگ الگ آگ روشن کی تو اُس لاتعداد الاؤ سے اہلِ مکہ کو اچانک علم ہوا کہ مسلمانوں کا لشکر جرّار بہت ہی بڑی تعداد میں مکہ کے قریب آ پنچا۔ دور سے دس ہزار چولہوں کی آگ روشن دیکھ کر قریش کے چھکے چھوٹ گئے۔ (انہوں نے خیال کیا جتنے چولہے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ ہی لوگ ہوں گے) ابوسفیان لشکر کا اندازہ کرنے نکل پڑا۔ لیکن وہ گرفتار کر لیا گیا۔ اور آنحضرت ؐ کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ آپ ؐ نے فرمایا: "جاؤ آج تم سے کوئی باز پرس نہ کی جائیگی۔ اللہ تمہیں معاف کرے۔ وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔" متاثر ہو کر ابوسفیان نے اِسلام قبول کر لیا۔ لیکن آنحضرت ؐ نے اُسے اپنی نگرانی میں اس وقت تک رکھا کہ بے بس ہو کر قریش اپنے شہر پر آنحضرت ؐ کا قبضہ ہو جانے دے! (ڈاکٹر حمید اللہ)

• آنحضرت ؐ نے حضرت عباس ؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پہ لے جا کر کھڑا کردو کہ افواج کا منظر خود دیکھ لیں۔ اس نظارہ سے وہ بے حد مرعوب ہوئے۔

مکہ میں داخلہ کے لیے فوجی نقل و حرکت کی ترتیب (دیکھیے نقشہ مکہ اور قرب و جوار، مکہ کی

وادی میں ہر طرف اونچے پہاڑ ہیں۔ ایک بڑا راستہ شمالاً جنوباً شہر میں سے گزرتا ہے۔ اور دو ذیلی راستے (ایک جحون کی طرف سے اور دوسرا اگداء کی طرف سے) اُس میں آکر مل جاتے ہیں۔

طے ہوا کہ فوج کا بڑا حصہ آنحضرتؐ کے ساتھ عام بالائی راستہ (یعنی معلات) کی طرف سے بڑھے گا۔ کچھ فوج حضرت الزبیرؓ بن العوام کے تحت کیداء کی طرف سے بڑھائی جائے گی تاکہ وادیٔ فاطمہ (مرّ الظہران) کی راہ (جو ساحل کی طرف جاتی ہے) کھلی نہ رہ جائے۔ ایک اور دستہ جحون کے راستے سے بھیجا جائے۔ (اور جحون ہی کے مقام پر اسلامی جھنڈا نصب کرنے کا حکم دیا گیا تھا) تاکہ جدہ کا بحری راستہ بھی بند ہو جائے۔ اور خالدؓ بن ولید کو حکم دیا گیا کہ وہ جنوبی زیریں حصے سے شہر کی طرف بڑھیں (یعنی امن والی راہ سے داخل ہوں۔)

اعلانِ امن اور اس کا حیرت انگیز اثر اس فوجی ترتیب کے بعد اس طرح اعلانِ امن کر دیا گیا کہ:

- اگر کوئی شخص ہتھیار ڈال دے اُسے قتل نہ کیا جائے۔
- اگر کوئی شخص اپنے گھر کے اندر بیٹھ رہے۔ اُسے قتل نہ کیا جائے۔
- اگر کوئی شخص خانۂ کعبہ کے اندر پہونچ جائے، اسے قتل نہ کیا جائے۔
- جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے اُسے قتل نہ کیا جائے (ابوسفیان کا گھر جو ساری مزاحمتوں کا گڑھ تھا کس حکمت عملی سے آج امن کا گھر قرار دے دیا گیا!)

ایک طرف ناقابلِ مقابلہ زبردست فوجی قوت کا سر پر اچانک آجانا اور کسی مددگار کو بلانے کا موقعہ نہ ملنا۔ دوسری طرف اَمن برقرار رکھنے کے لیے اس نرمی، رحم دلی کا اعلان اور خونریزی کو ختم کرنے والی ہدایات ـــ بھلا کیسے لڑائی کی نوبت آتی ؟ ابوسفیان پر اس کا نفسیاتی اثر پڑا اور آخری مرحلہ میں وہ خود آکر اپنے آدمیوں سے مقابلے کو بے سود بتانے لگا۔ چنانچہ تمام واقعات کی وجہ سے (جس میں آنحضرتؐ کی حکمت عملی ہی نظر آتی ہے) نوبت یہ آئی کہ قریش اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ ہتھیار نہ چلائیں اور خاموشی سے اپنے شہر پر آنحضرتؐ کا قبضہ ہو جانے دیا!

[صرف جنوب کی طرف خالدؓ کے دستہ پر قریش کے ایک گروہ نے جب تیر برسائے اور ۲ مسلمانوں نے شہادت پائی تو خالدؓ نے مجبوراً حملہ کر دیا تھا اور لوگ ۱۲ لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔

خالدؓ سے باز پرس پر اس واقعہ کی حقیقی خبر جب آنحضرت ؐ کو ہوئی تو فرمایا: "قضائے الٰہی یہی تھی"]

انوکھے انداز کا فاتحانہ داخلہ

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے الفاظ میں (عہد نبوی ؐ کے میدان جنگ) "دس سال کی شبانہ روز جسمانی اور روحانی کاوشوں کے بعد مکہ کا جلاوطن اب وہیں فاتحانہ داخل ہو رہا تھا" مگر کس انداز سے! ابن ہشام کے بیان کے مطابق ـــ آپ ؐ کا علم سفید رنگ کا تھا اور پرچم سیاہ رنگ کا۔ سر پر مغفر ڈھانکے ہوئے تھے اور اُس پر سیاہ عمامہ بندھا تھا۔ سورہ "اِنَّا فَتَحْنَا" بلند آواز سے تلاوت فرما رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ جس اونٹ پر آپ ؐ سوار تھے اس پر آپ ؐ اس قدر جھکے ہوئے تھے کہ چہرۂ مبارک اونٹ کی پیٹھ پر بار بار لگ جاتا تھا۔

آنحضرت ؐ جب مسجدِ حرام (کعبہ) میں داخل ہوئے (۲۰ رمضان) تو سب سے پہلے آپ ؐ کے حکم سے تمام بُت یا مجسمے (۳۶۰) توڑ ڈالے گئے (ان میں حضرت ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ کے مجسمے بھی تھے) اور حضرت عیسیٰؑ کی تصویر اور دوسری رنگین تصویریں دیواروں پر سے مٹا دی گئیں اور اس طرح اللہ کے گھر کو شرک کی آلودگی سے پاک کیا گیا۔ اس کے بعد آپ ؐ نے تکبیریں کہیں، خانۂ کعبہ کا طواف فرمایا اور مقامِ ابراہیم پر نماز ادا کی ـــ بس یہ تھا فتح کا انوکھا جشن، جسے دیکھ کر مکہ والوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ نہ شان و شوکت کا اظہار رہے، نہ غرور و تکبر کی باتیں۔ بلکہ انتہائی عاجزی اور شکر کے ساتھ یہ اپنے خدا کے سامنے جھکے جاتے ہیں اور اُسی کی حمد اور تکبیر میں مست ہیں۔ کفر کی ساری قوتیں ٹوٹ گئیں۔ دشمنوں کے سارے منصوبے ناکام ہو گئے!

تکمیلِ فتح کا تتمہ

فتح مکہ کی تکمیل کے بعد آپ ؐ نے ایک نہایت پُر اثر اہم اور تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا:

"ایک اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اُس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اُس نے اپنے بندے کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔ ہاں سُن لو تمام مفاخر، تمام پرانے قتل اور خون کے بدلے اور تمام خون بہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبے کی تولیت اور حجاج کو پانی پلانا اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے اہلِ قریش! اب خدا نے جاہلیت کا غرور اور نسب پر فخر کرنا مٹا دیا۔ تمام لوگ آدمؑ کی نسل سے ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے"۔

پھر قرآنِ پاک کی یہ آیت پڑھی :
"لوگو! میں نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لیے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے" (الحجرات)

جس مجمع کے سامنے یہ خطبہ دیا گیا اُس میں قریش کے بڑے بڑے سرکش موجود تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے اِسلام کو مٹانے کا بیڑہ اُٹھایا تھا۔ وہ بھی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ بھی تھے جنہوں نے مسلمانوں کی جائدادوں پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کو گالیاں دی تھیں، آپؐ کے راستے پر کانٹے بچھائے تھے، آپؐ پر کوڑا کرکٹ کے ٹوکرے ڈالے تھے یہاں تک کہ آپؐ کے قتل کے درپے ہوئے تھے! آنحضرتؐ کے چچا حمزہ رضؓ کے وہ قاتل بھی تھے جو اُن کا کلیجہ نکال کر چبا گئے تھے اور وہ بھی تھے جنہوں نے محض ایک خدا کی بندگی کے اعلان پر بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔ آنحضرتؐ نے ان سب کی طرف دیکھا اور پوچھا: "کہو آج تم جانتے ہو کہ اب میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں"! فوراً بول اُٹھے کہ "آپ جوانوں کے شریف بھائی، اور بوڑھوں کے شریف بھتیجے ہیں"۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: "جاؤ آج تم پر کوئی الزام نہیں، تم سب آزاد ہو"!

اِس غیر معمولی برتاؤ سے بڑے بڑے سرکش متاثر ہو کر تابع ہو گئے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ جو دعوت دیتے ہیں وہی حق ہے۔

یہ تھا فتح مکّہ کا نقشہ! یہ فتح زمین جائداد اور مال پر فتح نہ تھی بلکہ دلوں کو جیتنا مقصود تھا اور یہی بڑی فتح تھی! دُنیا کی تاریخ کیا کسی ایسی فتح کا ذکر کر سکتی ہے؟

مکّہ معظمہ میں آنحضرتؐ کا قیام ۱۵ دن تک رہا۔ روانگی کے وقت حضرت معاذ بن جبل رضؓ کو آپؐ اس خدمت پر مقرر کرتے گئے کہ لوگوں کو اِسلام کے مسائل اور احکام سکھائیں۔

نقشہ
مکہ پر چڑھائی
(مکہ اور قرب و جوار کے راستے)
مرالظہران (مکہ سے ایک منزل پر)
پہاڑ
جنۃ المعلاۃ
شمال
مشرق
مغرب
جنوب

جنگِ حُنین و اوطاس، [شوال ۸ھ]
اور
محاصرۂ طائف [شوال وذیقعدہ ۸ھ]

جنگ کی ضرورت مکہ کی حدود سے قریب کے علاقوں میں ہوازن اور ثقیف دو ایسے طاقتور اور جنگجو قبیلے تھے جنہیں شروع ہی سے اسلامی تحریک سے نفرت تھی۔ ابرہہ نے خانۂ کعبہ پر چڑھائی کی تھی تو ایک ثقفی ہی نے رہنمائی کی تھی۔ فتح مکہ کے قبل ہی سے یہ لوگ بدوی قبیلوں کو اسلام کے خلاف اُبھار رہے تھے۔ یہ قبیلے کسی دوسرے کی ماتحتی کے لیے تیار نہ تھے۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ اسلام کی کامیابی اور فتح مکہ کی خبر سُن کر یہ بے چین ہو گئے۔ اور اس انداز سے سوچنے لگے کہ اگر ہم مسلمانوں کو شکست دے دیں تو طائف کے باغات اور املاک سب ہمارے ہو جائیں گے۔" انہوں نے بنی مضر، بنی ہلال کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اسلام کے خلاف ایک ملا جُلا جتھا (تقریباً ۴ ہزار بہادروں کا) لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور وادیٔ حُنین میں آ اترے"

(رحمۃ للعالمین)

اس کی خبر جب آنحضرت ﷺ کو (مکہ میں) پہنچی تو آپ ﷺ نے تصدیق کرائی۔ اور پھر مجبوراً لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ رسد اور سامان و اسلحہ کے لیے قرض کی ضرورت محسوس ہوئی تو مکہ ہی میں آنحضرت ﷺ نے دس ہزار درہم (بطور قرض)، اور ایک سو زرہیں (مستعار) حاصل کیں۔

جائے وقوع سے متعلق غلط فہمیاں مختلف روایتوں کی بنا پر غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور کسی جغرافیہ داں نے اس کی تعیین کی

طرف بھی صحیح دھیان نہ دیا۔ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل میں زرقانی کے مطابق درج ہے کہ "حنین، مکّہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، ذوالمجاز عرب کا مشہور بازار اور عرفہ سے ۳ میل پر ہے۔ اس مقام کو 'اوطاس' بھی کہتے ہیں۔" اس پر سید سلیمان ندویؒ نے یہ نوٹ لگایا ہے کہ "ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ 'حنین' مکّہ سے ۳ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اور 'اوطاس' کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق کی تصریح کے مطابق یہ 'حنین' کے علاوہ دیار ہوازن میں دوسری وادی کا نام ہے۔"

● ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بھی کئی بار جائے وقوعہ کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ بالآخر ایک ایسے نتیجہ پر پہنچ سکے کہ رہنمائی مل سکے! انہوں نے 'عہدِ نبوی ؐ کے میدانِ جنگ' میں لکھا ہے کہ "مکہ اور طائف کے بیچ میں 'حنین' کو ڈھونڈھنا ہی غلطی ہے — 'اوطاس' نام کا پہاڑ یا وادی نہ تو مکّہ اور طائف کے بیچ میں کہیں واقع ہے اور نہ طائف کے آس پاس کسی جگہ، سلطان عبدالحمید خاں ثانی نے حجاز ریلوے لائن کے لیے انجینیروں سے نقشہ تیار کرایا تھا۔ اُس نقشہ میں مقام 'اوطاس'، طائف کے شمال مشرق میں کوئی ۳۰/۴۰ میل پر ہونا بتایا گیا ہے — ہوازن کا قبیلہ اب بھی موجود ہے اور یہ طائف سے ۳ دن کے فاصلہ پر اُسی سمت میں رہتا ہے جدھر مقام اوطاس حجاز ریلوے کے نقشہ میں بتایا گیا ہے"

● محمد علی لاہوری نے انگریزی کتاب (MUHAMMAD THE PROPHET) میں لکھا ہے کہ "ہوازن مکہ کے مشرقی پہاڑیوں کے ڈھلوان پر آباد تھے۔"

صحیح تعیین کی کوشش

مندرجہ بالا بیانات کی روشنی میں دو نقشے تیار کر دیے گئے ہیں تاکہ ان سے کسی قدر رہنمائی مل سکے۔ مکّہ سے شمال مشرق کی طرف نظر دوڑائیے تو کچھ دور ایک میدان نظر آئے گا جو پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ ہر دو پہاڑی کے بیچ تنگ راستے ہی مَدّے کہلاتے ہیں، اور یہ درّے اُس میدان کو گھیرے ہوئے ہیں ان پہاڑیوں سے اور آگے اُسی سمت بڑھیے تو وہ علاقہ نظر آئے گا جہاں بنو ہوازن آباد تھے اور اب بھی رہتے ہیں!

پھر ایک بار مکّہ سے جنوب مشرق کی طرف نظر دوڑائیے تو طائف نظر آئے گا۔ اور اگر طائف سے شمال مشرق کی طرف دیکھیے تو وہی پہاڑیوں سے گھرا ہوا میدان نظر آئے گا اور اُس سے آگے

بنو ہوازن کا علاقہ۔

بنو ہوازن لڑائی کے فن میں ماہر تھے خصوصاً تیر اندازی میں یکتا و ممتاز تھے۔ بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ یہ لوگ تیر چلانے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اس معرکہ میں ثقیف و ہوازن کے تمام قبیلے ساتھ تھے۔ ۴ ہزار بہادر مع ساز و سامان کے قبیلے کے تیس سالہ جوان رئیس اعظم (مالک بن عوف نضری) کی سواری میں مکہ کی سمت روانہ ہوئے۔ اس سردار نے ایک ہوشیاری کی۔ اس نے مشیر کی حیثیت سے عرب کے مشہور و معروف شاعر اور تجربہ کار بڈھے رید ابن الصمہ کو (جو قبیلہ جشم کا سردار تھا اور رفاثا جس کا نسب بکر بن ہوازن تک بھی پہنچتا ہے) مدعو کر لیا تھا۔ وہ ۱۰۰ برس کا معمر اور جسمانی لحاظ سے معذور تھا پھر بھی اسے پلنگ پر لے گئے۔ اس لیے کہ اس کی رائے و تدبیر کو مستند سمجھا جاتا تھا اور اس پر سارے عرب کو اعتماد تھا۔ ۴ ہزار کا لشکر جب متذکرہ بالا پہاڑیوں کے سامنے پہنچا تو اس نے دریافت کیا، "یہ کون سا مقام ہے؟" لوگوں نے کہا: "اوطاس ہے۔" بولا "ہاں یہ مقام جنگ کے لیے موزوں ہے۔ اس کی زمین نہ سخت ہے نہ اس قدر نرم کہ پاؤں دھنس جائیں۔"

میدانِ جنگ کے کلیدی مقامات پر ہوازن قابض

بنو ہوازن کا خاص جوہر تیر اندازی تھا، اور اس کو نمایاں کرنے کے لیے یہ میدان بہترین تھا جس طرح آنحضرتؐ نے خود جنگ بدر میں تیروں کی بارش سے گھوڑوں کو بھگا دیا تھا اور پھر جنگ احد کے موقع پر جبل عینین پر تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرمایا تھا کہ دشمن کے گھوڑ سواروں کو تیروں کی بارش سے میدانِ جنگ تک پہنچنے سے روکا جا سکے۔ یہاں جبل اوطاس کے درّے اور پُر پیچ وادیاں موجود تھیں، جس طرح شکاری اپنی گھات میں بیٹھ کر شکار کا انتظار کرتے ہیں، اور گھات کا مقام ذرا اونچی جگہ رہتا ہے تاکہ شکار کو با آسانی قابو میں لایا جا سکے ــــــ بالکل یہی پوزیشن یہاں تھی۔ اس منتخب میدان کے چاروں طرف دشوار دروں اور پہاڑیوں کے ڈھلوان پر چیدہ چیدہ تیر اندازوں کو بٹھا دیا گیا۔ حربی لحاظ سے تمام کلیدی مقامات پر تیر انداز دستے قابض ہو چکے تھے۔

آنحضرتؐ کی فوج کی ہیئت اور میدان میں داخلہ

شوال ۸ھ میں اسلامی لشکر کی قوت ۱۲ ہزار

ہو گئی تھی۔ مقدمۃ الجیش خالدؓ کی کمان میں تھا جس میں زیادہ تر نو مسلم نوجوان تھے۔ ناتجربہ کار زرہ تک پہن کر نہیں آئے تھے؛ اسی میں دو ہزار طلقاء بھی تھے (یعنی وہ لوگ جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے اور تربیت میں کورے تھے) طلقاء کے بارے میں تو طبری نے لکھا ہے کہ اہل مکہ اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ دل سے نہ تھے۔ کچھ لوگ محض مالِ غنیمت کے لیے اور اس غرض سے شریک ہوئے تھے کہ عین حالت جنگ میں دھوکہ دیں۔ حربی نقطہ نظر سے ایک طرف تو یہ داخلی کمزوریاں فوج میں تھیں دوسری طرف میدانِ جنگ میں بھی مجبوراً آنحضرتؐ کے لشکر کو تنگ نہیں دشوار گذار دروں اور پرپیچ وادیوں سے گزرنا پڑا جہاں ہوازن پہلے سے اکٹھا ہو چکے تھے۔ مجبوراً اسلامی لشکر اس شکارگاہ میں داخل ہوا۔

میدانِ جنگ کا حشر داخلی کمزوریوں کے باوجود ۱۲ ہزار کی تعداد جب اس مقام پر پہنچنے والی تھی تو کثرت تعداد پر بعض صحابہؓ کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکل پڑے کہ "آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟" غرور کے یہ الفاظ بارگاہِ الٰہی میں کیسے پسند کیے جاتے؟ اس جنگ کے تقریباً ۱۲/۱۲ مہینے بعد جب قرآن میں اسی جنگ کے متعلق آیات نازل ہوئیں تو اللہ کا تبصرہ اس طرح سامنے آگیا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا" (التوبہ ۲۵، ۲۶)	(بے شک اللہ بہت سے میدانِ جنگ میں تمہاری مدد کر چکا ہے اور ابھی حنین کے موقعہ پر بھی جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی۔ اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھیں۔

اس تبصرہ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ جنگ دو مراحل سے گزری — پہلے مرحلہ میں کثرت تعداد کچھ کام

ضرآئی اور مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ پھر دو رے مرحلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول اور مومنوں پر تسلی نازل ہوئی اور غیبی مدد آگئی!

صبح کے وقت ابھی خوب اُجالا بھی نہیں ہوا تھا آنحضرتؐ اپنا لشکر لے کر میدانِ جنگ میں داخل ہوئے، داخل ہوتے ہی ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ مقدمۃ الجیش کی کمزوریاں اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ بلا زرہ والے غیر تربیت یافتہ رضاکار لا محالہ بے قابو و سراسیمہ ہو کر پسپا ہوئے اُنہیں دیکھ کر دوسروں میں بھی سراسیمگی پھیل گئی، اور بقدم اکھڑنے لگے۔ بلکہ کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس بھگدڑ میں بھی آنحضرتؐ نہایت اطمینان کے ساتھ میدانِ جنگ میں جمے رہے۔ چاروں طرف سے حملہ آوروں کو بڑھتے اور اپنے لشکر کو بھاگتے دیکھا تو بے نظیر شجاعت و استقامت کا نمونہ پیش کیا۔ اپنے خچر سے اتر کر (لگام ابوسفیان سنبھالے رہے!) فرمایا!

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

میں نبی ہوں۔ یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

پھر آپؐ کے حکم پر حضرت عباسؓ نے بلند آواز سے مہاجرین اور انصار کو بلانا شروع کیا: "یَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ یَا أَصْحَابَ الشَّجَرَةِ!" (اے گروہِ انصار اے اصحاب الشجرۃ (بیعت رضوان والے) اس پُرسوز آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج پلٹ پڑی۔ جن لوگوں کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مُڑ نہ سکے، وہ گھوڑوں سے کود پڑے۔ اب فوج کی ترتیب از سرِ نو کی گئی، انصار و مہاجر کو آگے بڑھایا گیا۔ آنحضرتؐ کی ثابت قدمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے فضل سے تھوڑی ہی دیر میں لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔ ثقیف کی ایک شاخ (بنو مالک) جم کر لڑی لیکن ان کے ۷۰ آدمی مارے گئے۔ دشمنوں کی فوج میں ابتری پیدا ہوگئی، اور وہ دو حصوں میں منتشر ہوگئی۔

(۱) ایک حصّہ کو لے کر (جس میں جنگی مرد تھے) مالک بن عوف طائف میں جا کر پناہ گزیں ہوا۔ اور (۲) دوسرے بڑے حصّے کو (جس میں ان کے اہل و عیال تھے اور زر و مال مویشی) دُرید ابن الصمہ لے کر اوطاس کی گھاٹی میں جا چھپا۔ جنگ کے میدان میں بال بچوں کو ساتھ لانے پر دُرید ابن الصمہ نے ہی اعتراض کیا تھا لیکن اُسے مالک بن عوف نے نظر انداز کر دیا تھا۔ اور اب یہی بال بچے ان کے لیے مصیبت بن گئے تھے۔

اب آنحضرتؐ نے ابو عامرؓ اشعری کے ماتحت تھوڑی سی فوج دے کر اوطاس کی طرف روانہ کیا اور خالدؓ کو مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے سے طائف کی طرف روانہ کر دیا، آنحضرتؐ کی حکمت یہ تھی کہ اوطاس والے ہوازن کسی طرح طائف کی مدد میں نہ پہنچ سکیں!

اوطاس میں ابو عامرؓ اشعری دُرید ابن الصمہ کے بیٹے کے ہاتھ سے مارے گئے، تو کمان ابو موسیٰؓ اشعری نے سنبھالی۔ دُرید مارا گیا۔ اور دُشمن کے اہل وعیال اور زر و مال مویشی پر قبضہ کر لیا گیا۔ ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰۰ ہزار بکریاں، ۴ ہزار اُوقیہ سونا (ایک اُوقیہ = ۱۰ روپے۔ اس لیے ۴۰ ہزار روپے کی مالیت ہوئی۔ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل ص۳۲۲) اور چھ ہزار عورتیں اور بچے ہاتھ لگے (رحمۃ للعالمین) حُنین کے مالِ غنیمت اور اسیرانِ جنگ کے متعلق آپؐ نے حکم دیا کہ جعرانہ میں محفوظ رکھے جائیں اور خود اطمینان کے ساتھ نخلہ سے قرن المنازل ہوتے ہوئے پہاڑی گھاٹیوں سے گزر کر مقامِ لیّہ پر پہنچے، جو طائف سے مشرق جنوب میں تقریباً ۶ میل پر ایک مشہور جگہ تھی۔ سب سے پہلے لیّہ کی گڑھی (اُطُم) کو منہدم کر دیا جیسا کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے ابن ہشام کے حوالہ سے بیان کیا ہے (عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ) اور آگے بڑھ کر فصیل کے دامن میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اور طائف کو ایسے رُخ سے گھیرا جدھر سے ان کو گمان بھی نہ تھا!

حُنین کی وجہ تسمیہ

• میدانِ جنگ کے انتخاب میں ہوازن اپنے ہمراہ دُرید ابن الصمہ کو لے کر مکہ کی سمت اُس راہ سے چلے جس پر وہ معمولاً ہمیشہ گھومتے رہے ہوں گے۔ جب اُس جگہ پہنچے تو دُرید ابن الصمہ کے اِس سوال پر کہ "یہ کون سا مقام ہے؟" لوگوں نے جواب دیا "اوطاس"، تب وہ بولا: "ہاں یہ مقام جنگ کے لیے موزوں ہے"۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جُغرافیائی حیثیت سے "حُنین" کسی مقام کا نام نہیں تھا۔ نہ جبل اوطاس کی وادی ہی کا۔ اور اگر اُس مقام کا کوئی معروف نام تھا تو "اوطاس" ہی تھا جس کی تصدیق حجاز ریلوے لائن کے نقشہ سے بھی ہوتی ہے۔

• "حُنین" بحیثیت مقام باوجود تلاش کے ڈاکٹر حمید اللہ جیسے محقق کو بھی ہاتھ نہ آیا۔ "اوطاس" ہی آیا۔

• مگر "حُنین" کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے جو ایک قابلِ اعتماد اور مستند بات ہے۔ سورۃ التوبہ کے الفاظ یہ ہیں: "لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ"۔ پڑھ کر

یہاں بھی معلوم ہوتا ہے کہ "حُنین" کسی مقام کا نام نہیں ہے۔ ورنہ "مَوَاطِنَ" کے بعد "وَمَوْطِنِ حُنَیْنٍ" آتا۔ لیکن "مَوْطِنِ" (میدانِ جنگ) کے بجائے 'یَوْم' کا لفظ آیا ہے، اور 'یوم' سے 'ایام العرب'، جنگہائے عرب کے لیے معروف ہے۔ اس لیے صرف اتنی بات قرآن سے صاف ہو جاتی ہے کہ "حنین کی جنگ" یا "حنین کا دن"!

- یہ جنگ اس حیثیت سے منفرد تھی کہ آنحضرت ؐ کو ایسی زبردست تیروں کی بارش کا سابقہ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا، جس طرح احزاب کے لیے 'خندق' تھی ویسے ہی آنحضرت ؐ کے لیے تیروں کی یہ بارش تھی۔ غور کیجیے صبح کے سناٹے میں جب اوطاس کے درّوں سے گزر کر آنحضرت ؐ کا لشکر وادی میں پہنچا ہوگا اور دفعتہً ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی ہوگی تو ہوازن کے اِس مسلسل و پیہم عمل سے کیا تیر پھینکنے والی کمانوں سے تیر چھوٹتے وقت کوئی آواز نہ نکلتی رہی ہوگی؛ کمان سے تو حقیقتاً آواز نکلتی ہے اور زور سے کھینچنے والوں کے ہاتھوں اس کی آواز تیز تر ہوتی ہے۔ وادی میں تو یونہی آواز بازگشت پیدا ہوتی ہے اور دُہری ہو جاتی ہے! جب تیر کمان کی آواز اور شور اُس وادی میں گونجنے لگی ہوگی تو تصور کیجیے وہ آواز کیا اور کیسی رہی ہوگی جس کا سابقہ پہلی بار ہوا!

المفردات فی غریب القرآن (امام راغب اصفہانی)، قَوْسٌ حَنَّانَۃٌ — اِذَا رَنَّتْ عِنْدَ الْاِنْبَاضِ = تانت کھینچ کر تیر چھوڑنے کے وقت کمان سے جب آواز نکلے۔

القاموس: اَلْحَنَّانَۃُ — اَلْقَوْسُ وَالْمُصَوِّتَۃُ مِنْہَا۔ وَقَدْ حَنَّتْ، وَاَحَنَّہَا صَاحِبُہَا = کمان اور اُس سے نکلنے والی آواز۔ کمان سے آواز نکلی، اور کمان والے نے آواز نکالی۔

تاج العروس: الحنّان مِنَ السِّہَامِ الَّذِیْ اِذَا اُدِیْرَ بِالْاَنَامِلِ = (تیر کی آواز کے لیے بھی) آواز دینے والا تیر بھی 'الحنّان' کہلاتا ہے جب انگلی کے ساتھ تیر پیچھے ہٹا کر چھوڑا جائے۔

مندرجہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ کمان اور تیر دونوں کی آواز کے لیے 'حنّ' (ح۔ن۔ن) کے مشتقات استعمال ہوتے ہیں۔

"وَالْحَانَّۃُ۔ اَلْقَوْسُ، اِسْمٌ لَا عَلَمٌ: ھٰذَا قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ۔ قَالَ اِبْنُ سِیْدَۃَ: وَنَحْنُ لَا نَعْلَمُ اَنَّ الْقَوْسَ تُسَمّٰی حَنَّانَہ۔ اِنَّمَا ھُوَ صِفَۃٌ تَغْلِبُ عَلَیْہَا غَلَبَۃَ الْاِسْمِ۔

فَإِنْ كَانَ أَبُوْحَنِيْفَةُ أَرَادَ هٰذَا وَإِلَّا فَقَدْ أَسَاءَ التَّعْبِيْرَ" (تاج العروس)۔ یا ابوحنیفہ کا قول ہے کہ لفظ 'حَانِئَة' اسم ہے۔ عَلَم (کمان کا معین نام) نہیں ہے۔ ابن سیدہ فرماتے ہیں کہ 'حَانِئَة' اپنی اصلیت کے اعتبار سے اسم نہیں ہے۔ بلکہ وہ صفت ہے لیکن اس پر اسمیت غالب آگئی ہے (چنانچہ ابن سیدہ کہتے ہیں کہ اگر ابوحنیفہ کی اسم کہنے سے یہی مراد ہے کہ اس پر اسمیت غالب آگئی ہے تب تو ٹھیک ہے ورنہ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ وہ اپنی اصلیت میں اسم ہے تو ان سے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے)

عربی گرامر کی رو سے 'عَلَم' اسم معرفہ ہوتا ہے اور معین ہوتا ہے۔ لہٰذا 'حَانِئَة' کمان کا معین نام نہیں ہے بلکہ اس کی آواز 'حَنّ' کی صفت کی وجہ سے اسے یہ نام مل گیا!

"جس اسم سے چھوٹائی کا مفہوم ظاہر ہوتا ہو اس کو مصغر یا اسم تصغیر کہتے ہیں۔ ثلاثی مجرد سے اسم تصغیر 'فُعَیْل' کے وزن پر آتا ہے۔ اسم تصغیر سے جس طرح چھوٹائی کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے اُسی طرح اس سے محبت یا حقارت کے جذبات بھی ظاہر کیے جاتے ہیں"

(عربی اردو بول چال، از پروفیسر مخدوم صابری ایم اے۔ لاہور)

یہی بات ہمیں 'اساسِ عربی' (از پروفیسر نعیم الرحمٰن الہ آباد) میں بھی ملتی ہے۔

مندرجہ بالا گرامر کے قاعدہ سے 'حَنّ' سے اسم تصغیر 'حُنَین' بنا۔ جس کے مفہوم میں محبت یا حقارت دونوں آسکتے ہیں۔ لیکن جنگِ حُنین کے روز آنحضرت ﷺ کو ماہر تیر اندازوں سے زبردست مورچہ لینا پڑا تھا، اور میدانِ جنگ میں کچھ دیر کے لیے تو سوائے تیر و کمان کی آواز کے اور کچھ نہ تھا۔ پوری وادی کمانوں کی آواز اور آوازِ بازگشت سے گونج گئی۔ چونکہ تیروں کی بارش سے آنحضرت ﷺ اور ان کے فوجیوں کو سخت ترین تکلیف پہنچی تھی یہاں حقارت ہی کا مفہوم اِس اسم تصغیر میں لیا جائے گا۔ اور تاریخ اسلام میں جب 'یوم حنین' کا ذکر آتا ہے تو وہی حقارت کا سماں سامنے آجاتا ہے! قرآن کا اسلوب بھی ملاحظہ ہو۔ مثلاً "یَوْمُ الْفَصْلِ" کے لیے "یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ" (النساء) کہا گیا اور اثرات سامنے آگئے۔ اسی طرح سورہ 'القارعة' میں ۳ مرتبہ 'القارعہ' کو دہرانے کے بعد اثرات بیان کر دیے گئے۔ کہیں صفت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو موصوف کی شناخت کے لیے محض صفت ہی کا بیان کر دینا کافی سمجھا گیا۔ مثلاً کشتی نوح

کے لیے "ذَاتِ اَنْوَاحٍ وَّدُسُرٍ" (تختوں اور کیلوں والی) اس اسلوب کی مناسبت سے اُس قابلِ یادگار دن کے حادثہ میں تیر و کمان کی آواز ہی غالباً صفت تھی۔ اس لیے موصوف ' یوم ' کے لیے "حنین" بالکل موزوں ہے۔

محاصرۂ طائف

طائف تقریباً ۳ ہزار فیٹ کی بلندی پر ایک پلیٹو ہے۔ بعض قدیم محلے اب بھی باقی ہیں جو وادی 'وَجّ' سے سیراب ہوتے ہیں۔ عمرو بن العاص کا ایک باغ طائف میں وَجّ سے ۳ میل کے فاصلہ پر تھا۔ ندی تو برسات کے علاوہ دوسرے دنوں میں خشک رہتی ہے مگر پانی کے متعدد چشمے ہیں جن سے باغوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں پوری آبادی 'وَجّ' کہلاتی تھی (یعنی بے پانی کی وادی) ایرانی انجینئروں کی مدد سے آبادی کے ایک مسلح حصے کو ایک فصیل کے ذریعہ گھیر لیا گیا تھا۔ اسی گھیرے کی وجہ سے اسے 'طائف' کا نام مل گیا تھا۔ اور اس کی تعمیر کی وجہ سے یہ ایک نہایت محفوظ مقام بن گیا تھا۔

یہاں ثقیف کا جو قبیلہ آباد تھا شجاعت میں ممتاز اور قریش کا ہمسر سمجھا جاتا تھا یہاں کے لوگ فن جنگ سے بھی واقف تھے۔ طبری اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عروۃ بن مسعود (جو یہاں کا رئیس تھا) اور غیلان بن سلمہ نے جُرَش میں جا کر قلعہ شکن آلات کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا۔ (طائف کے جنوب میں کچھ فاصلے پر یمن کی سرحد میں جُرَش ایک فصیل دار محفوظ شہر تھا جہاں یہودیوں کی خاص آبادی تھی جیسا کہ خود طائف میں بھی تھی اور غالباً آلات کی صنعت انہیں یہودیوں کی زیرِ نگرانی قائم تھی!) طائف کے قلعہ میں لڑائی کا پورا سامان تھا، اور میدانِ حُنین سے شکست خوردہ فوج کا جو حصہ مالک بن عوف کے تحت طائف میں آ کر پناہ گزیں ہو گیا تھا۔

اب ان لوگوں نے قلعہ بند ہو کر مدافعت کی تدبیریں شروع کر دیں۔ مرمت طلب حصوں کی مرمت کی گئی، سال بھر کا رسد مہیا کر لیا گیا، چاروں طرف منجنیق نصب کر دی اور اہم جگہوں پر تیرانداز متعین کر دیے گئے اور وافر پانی کا ذخیرہ فراہم کر لیا گیا۔

آنحضرت ؐ نے طائف کی فصیل کے سایہ میں پڑاؤ ڈال کر سب سے پہلے محاصرہ کا جائزہ لیا۔ (خیبر کے مقام پر قلعہ بند یہودیوں کے قلعوں کے کئی محاصروں کا تجربہ حاصل کر چکے تھے) اور یہودی جاسوسوں کے ذریعہ اُن کے قلعہ شکن آلات وغیرہ سے نہ صرف باخبر ہو چکے تھے۔ بلکہ صنعت

اور الشق میں غنیمت کے طور پر حاصل شدہ قلعہ شکن آلات کو حصن البر کے شدید مقابلہ کے وقت استعمال بھی کر چکے تھے۔ اب اس دوسری بڑی تجربہ گاہ کے لیے آنحضرت ؐ نے اپنے چند قابل کاریگروں کو حربی آلات کی عملی تربیت لینے کے لیے جُرش روانہ کر دیا۔ یہ لوگ چند ہی دنوں میں اُن آلات کے استعمال کا طریقہ سیکھ کر واپس آ گئے۔ ہر پہلو سے مناسب اقدامات کر کے محاصرہ شروع ہو گیا۔

آلات جو محاصرہ میں استعمال ہوئے

(۱) منجنیق: گوپھن (SLING) فلاخن (CATAPULT). ایک ایسا آلہ جس سے پتھر پھینکا جاتا ہے۔

(۲) عرّادہ: یہ آلہ بھی پتھر اور دوسری چیزیں پھینکنے میں استعمال ہوتا تھا خصوصاً قلعہ بند لوگوں پر استعمال کیا جاتا تھا۔ (عَرَدَ سے بمعنی پتھر دور پھینکا) یہ بھی گویا (CATAPULT) تھا

(۳) ضَبُور: لکڑی کی بنی ہوئی کوٹھری جیسی چیز جس پر کھال منڈھی جاتی تھی اور اس کے اندر فوجی داخل ہو کر قلعہ کے قریب پہنچ سکتے تھے اور پھر دیوار کو منہدم کرنے کی کوشش ہوتی تھی۔ یونانی ٹرائے کی جنگ میں یونانیوں نے لکڑی کا ایک بڑا گھوڑا تیار کیا تھا جسے پہیے دار پلیٹ فارم پر نصب کر کے گھسیٹ کر ٹرائے لے گئے تھے اور شہر میں کھڑا کر دیا تھا۔ ٹرائے والوں نے اُسے کھیل تماشہ سمجھا اور دیکھ کر ٹال دیا۔ لیکن رات کی تاریکی اور سناٹے میں گھوڑے کے پیٹ سے نکل کر مسلح فوجیوں نے حملہ کر دیا۔

(۴) دَبّابہ: ضبوری کے آئیڈیا کا ایک زیادہ ترقی یافتہ حربی آلہ تھا جس میں لکڑی کا ایک ایسا بُرج ہوتا تھا جس کے اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور یہ بُرج ایک پہیے دار پلیٹ فارم پر نصب کر دیا جاتا تھا۔ برج کو محفوظ بنانے کے لیے اکثر اوقات چمڑے سے ڈھانکتے تھے اُس بُرج میں سنگ اندازوں، تیر اندازوں اور نقب زنوں کو بٹھا دیا جاتا تھا اور قلعہ کی دیوار میں نقب لگانے کے آلات بھی رکھ لیے جاتے تھے۔ اس پورے متحرک سِٹ (MOBILE SET) کو ڈھکیلتے ہوئے قلعہ کی جڑ میں پہنچ کر دیوار توڑتے تھے، اور تیر اندازی بھی اندر سے کرتے تھے

سنگ اندازی بھی ــــ ازمنہ وسطیٰ (MIDDLE AGES) میں اس طرح کے آلہ کو (BATTERING RAM) کہا جاتا تھا۔ گویا آج کے ٹینک کی ابتدائی شکل تھی۔ قبل مسیح کے زمانہ میں یہ دبّابہ و ضبّور اشوری بھی اپنی جنگوں میں استعمال کرتے تھے۔
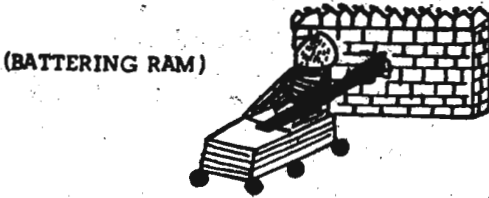
دورانِ محاصرہ

محاصرہ طویل ہوتا گیا۔ محصورین مدافعت کی تدبیروں سے اچھی طرح واقف تھے۔ آنحضرت ؐ کی طرف سے منجنیق اور عرادہ کے استعمال سے انہیں کوئی خاص نقصان نہ تھا۔ نیچے سے پتھر پھینکے جاتے مگر اوپر والے فصیل کی آڑ میں محفوظ ہو جاتے! جب ضبّور و دبّابہ قلعہ کی جڑ میں پہنچے اور کوشش کرتے کہ دیوار میں نقب لگائیں تو اُن پر گرم سلاخیں اوپر سے برساتے کہ چمڑا جل جاتا اندر کے مکیں غیر محفوظ ہو کر ان کے تیروں کا نشانہ بنیں! ایسے موقعوں پر اُن کی تیر باری اِس شدت کی ہوتی کہ حملہ آوروں کو قلعہ کی جڑ سے ہٹنا پڑتا ــــ غرضکہ اِس طرح دونوں طرف سرگرمی رہی اور بار بار کے حملوں سے بھی حاصل حصول کچھ نہیں ہوا؛ البتہ کچھ لوگ تیروں سے زخمی ضرور ہو گئے! اور مدافعت کرنے والے اپنی مسلسل تیر اندازی سے حملہ آوروں کو قلعہ کی دیوار تک پہنچنے سے روکنے میں بھی کامیاب رہے ــــ محاصرہ کو ۲۰ دن ہو چکے تھے!

- اوطاس کی گھاٹیوں میں پناہ لینے والوں پر تو قابو پا لیا گیا تھا اور دشمن کے اہل و عیال کو اسیر کر کے مال و زر اور مویشیوں کے ساتھ جعرّانہ میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔ اس لیے آنحضرت ؐ کو اُدھر سے اطمینان تھا اس پہلو سے محصورین البتہ تردد و پریشانی میں تھے۔ ساتھ ہی اس کی اُمید قطعی نہ رہ گئی تھی کہ اوطاس والے طائف والوں کی مدد کر سکیں گے۔

• اس لیے اب اگر قلعہ کے اندر والوں کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے تب بھی کوئی خاص فرق پڑنے والا نہ تھا۔ اس لیے آنحضرتؐ نے فوراً محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دے دیا اور جعرانہ تشریف لے گئے جہاں غنیمت انتظار کر رہا تھا! اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ شہدائے محاصرۂ طائف کی قبریں فصیل کے نیچے ہی بنا دی گئی تھیں (جو اب تک موجود ہیں) کاتبِ وحی (زید بن ثابت) وہیں آرام فرما ہیں! جہاں اسلامی پڑاؤ تھا وہیں بعد میں مسجد ابن عباس بنائی گئی (جو موجود ہے) محاصرہ اٹھاتے وقت صحابہؓ نے بددعا دینے کی خواہش ظاہر کی لیکن آپؐ نے یہ دعا دی:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثُقِیْفًا وَّ ائْتِ بِھِمْ (اے اللہ ثقیف کو ہدایت کر اور توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں)

جعرانہ میں تقسیم غنیمت وغیرہ

ادھر اس میں مالِ غنیمت کی تقسیم کی کچھ دن بعد اہلِ ہوازن کا وفد آیا آپؐ نے تمام اسیران (تقریباً چھ ہزار) بیوی بچوں کو واپس فرما دیا۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ ہوازن کا بڑا حصہ طائف والوں سے کٹ گیا طائف والے اس طرح بھی کمزور ہو چکے تھے۔ چنانچہ چھ ماہ کے اندر ہی اہلِ طائف نے بھی اپنا وفد مدینہ بھیجا اور قلعہ کی دیوار کے اندر اُن کے جو بُت (لات و عُزّیٰ) نصب تھے انہیں توڑ کر اسلام قبول کر لیا! صرف وہاں کے یہود (جو یمن و یثرب سے بھاگ کر یہاں آباد ہوئے تھے) جزیہ دے کر اپنے مذہب پر قائم رہ گئے۔

مالِ غنیمت کے ۵ حصے کیے گئے چار حصے حسبِ قاعدہ اہلِ فوج کو تقسیم کیے گئے۔ فوج کے حصہ میں فی کس ۴ اونٹ اور ۴۰ بکریاں تھیں اور ہر سوار کو تگنا حصہ ملا (خیبر کے موقعہ پر دوگنا دیا گیا تھا) اس لیے ہر سوار کو ۱۲ اونٹ اور ۱۲۰ بکریاں ملیں۔ خمس (پانچواں حصہ) بیت المال اور غرباء و مساکین کے لیے رکھا گیا ـــــ جن لوگوں کو تالیفِ قلب کے لیے نہایت فیاضانہ انعامات دیئے گئے تھے عموماً اہل مکہ اور اکثر نو مسلم تھے۔ اس پر انصار کو رنج ہوا یہ معلوم کر کے آنحضرتؐ نے انصار کو خطاب کر کے ایک بلیغ خطبہ دیا ـــــ "کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں لے جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر آؤ؟" اس پر انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ "ہم کو صرف محمدؐ درکار ہیں۔" اکثر کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں!

نتائج

- جنگِ حُنین میں چھ مسلمان شہید ہوئے۔ بنو ہوازن وغیرہ کے ۷۱ افراد مقتول اور چھ ہزار قیدی جو بلا معاوضہ چھوڑ دیے گئے۔
- محاصرہ طائف میں دونوں طرف کے کافی لوگ زخمی ہوئے تھے مسلمانوں کی طرف ۱۳ اشخاص شہید ہوئے تھے! محاصرہ کے ۶ ماہ بعد بنو ثقیف کے لوگ از خود مدینہ پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔
- دونوں خودسر قبیلوں (ہوازن و ثقیف) کا زور بالکل ٹوٹ گیا۔
- حُنین کے میدان میں داخل ہونے سے پہلے جو غرور مسلمانوں کے دماغ میں پیدا ہو گیا تھا اللہ تعالیٰ نے اُن کی تربیت کے لیے وہیں بروقت ناقابلِ فراموش سزا بھی دی اور پھر آنحضرت ؐ اور مخلص ساتھیوں کے صبر و استقلال پر پوری تسلی اور غیبی مدد پہنچائی۔ (جس کا سبق آموز ذکر سورۃ التوبہ میں ہے)

نقشہ برائے جنگ حنین (اوطاس) اور محاصرہ طائف

نقشہ میدانِ حنین اور محاصرۂ طائف کی تفصیل
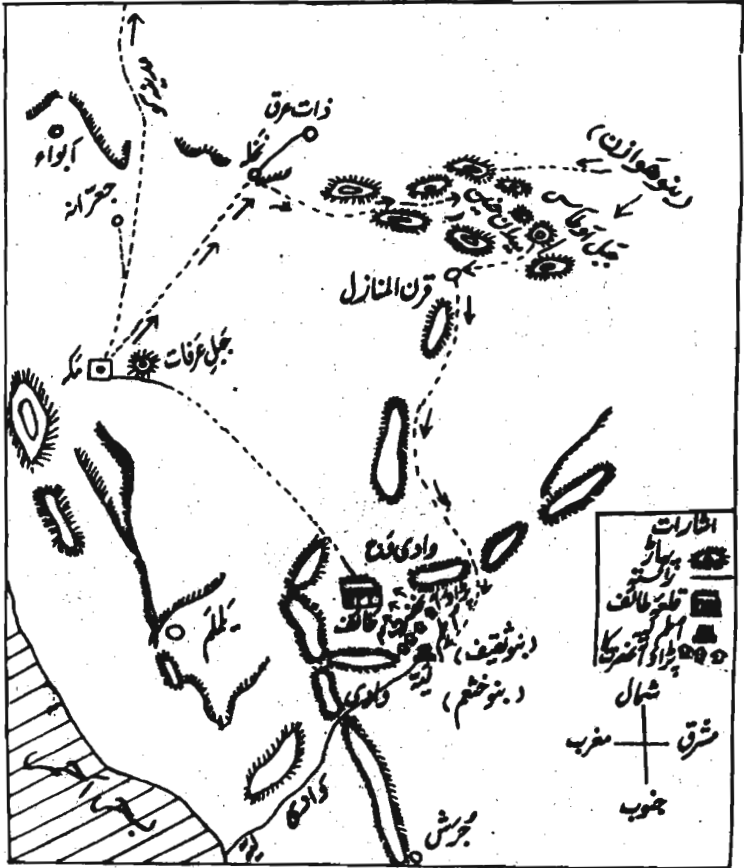
غزوۂ تبوک ـــــ (رجب ۹ھ)

(دیکھیے نقشہ جنگِ مُؤتہ و تبوک)

جنگی مہم کے اسباب

اُس زمانہ میں شام اور مصر عیسائی رومیوں کے ہاتھ میں تھے۔ جن کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا۔ اس سلطنت کے ساتھ توکشمکش فتح مکہ سے پہلے ہی شروع ہوگئی تھی۔ آنحضرت ؐ نے دعوتِ اسلام کے خطوط اور وفود مختلف علاقوں کے سربراہوں کے پاس بھیجنا شروع کر دیے تھے اور اس سلسلہ میں ایک وفد کے ۱۵ افراد کو اور دوسرے علاقہ میں ایک اسلامی سفیر کو مار ڈالنے پر جنگِ مُؤتہ واقع ہوئی جو عیسائیوں کے خلاف تھی۔

- سب سے زیادہ اثر ڈالنے والا واقعہ یہ ہوا کہ خود رومی فوج کے کمانڈر فروہ بن عمرو الخزاعی اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر کے مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ اپنی نوکری بھی چھوڑ دی لیکن رومیوں کے ہاتھوں وہ قتل کر دیا گیا ـــ اس واقعہ سے ہزاروں کو اسلام کی اخلاقی طاقت کا اندازہ ہوگیا تھا
- نہ صرف حجاز میں بلکہ یہ دیکھ کر کہ سارا عرب اب آنحضرت ؐ کے قدموں پر جھک رہا ہے عیسائی سلطنتوں میں کھلبلی مچ گئی!
- حجاز اور شام کی سرحد پر تبوک نام کا ایک مقام ہے۔ اُس کے آس پاس کچھ عرب سردار عیسائیت قبول کر کے رومیوں کی ماتحتی میں حکومت کر رہے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ طاقتور غسانی قبیلہ تھا جس سے عرب کو خطرہ لاحق تھا! اور وہی رومیوں کی طرف سے اس کام پر متعین بھی تھا۔
- دم بدم مدینہ میں یہ خبریں آتی رہتیں کہ غسانی مدینہ پر چڑھائی کی فکر کر رہا ہے۔

اور شام کے نبطی سوداگروں نے (جو مدینہ میں روغنِ زیتون بیچنے آیا کرتے تھے) خبر دی کہ رومیوں نے شام میں بھاری لشکر جمع کر لیا ہے۔ فوج کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی گئی ہیں اور اس لشکر میں لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب قبائل شامل ہیں!

- یہ خبریں تمام عرب میں پھیل گئیں جن کے غلط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس بنا پر آنحضرتؐ نے اتنی بڑی قوت سے ٹکر لینا ضروری سمجھا۔ اس موقعہ پر ذرہ برابر بھی کمزوری دکھائی جاتی تو عرب کی دم توڑتی ہوئی جاہلیت پھر جی اٹھتی، مدینہ کے منافقین طاقت و ہمت پا جاتے اور پھر قیصرِ روم حملہ آور ہو جاتا۔ اس طرح یہ دعوتِ حق کے لیے زندگی و موت کے فیصلہ کی گھڑی تھی۔
- البتہ یہ مناسب سمجھا گیا کہ حملہ آور لشکر کی مدافعت عرب کی سرحد سے باہر کی جائے تاکہ اندرونِ ملک امن میں کسی طرح کا خلل واقع نہ ہو۔ اور پھر آپؐ نے کھلے الفاظ میں صاف صاف سُنا دیا کہ روم سے مقابلہ ہے اور شام کی طرف جانا ہے!

مہم کی راہ میں دشواریاں

متذکرہ بالا خطرات کے پیشِ نظر آنحضرتؐ نے اللہ پر بھروسہ کر کے مہم کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اس مہم کی راہ میں چند خصوصی دشواریاں حائل ہو گئیں: مثلاً یہ کہ:

- شومئ اتفاق کہ مدینہ میں سخت قحط پڑ گیا اور شدت کی گرمی آ گئی! یہ ایک امتحانی سال تھا!
- فصلیں پک کر تیار تھیں؛ جمع کرنے کا یہی وقت تھا؛
- سفر دراز تھا (تقریباً ۱۴ دن کا)؛ بغیر سواریوں کے ناممکن تھا؛ سواریاں نہ لوگوں کے پاس تھیں نہ آنحضرتؐ ہی فراہم کر سکتے تھے؛ (مدینہ سے خیبر و تیماء ہوتے ہوئے شاہراہ کے ذریعہ فاصلہ تقریباً ۶۸۲ کلومیٹر ہے)
- مقابلہ بھی ایک زبردست منظم طاقت سے تھا؟
- جنگی سامان بھی نامکمل و ناکافی تھا؟

لیکن باوجود ان ساری دشواریوں کے، موقعہ کی نزاکت کا تقاضا دیکھ کر آنحضرتؐ نے جنگ کا عام اعلان کر دیا اور جنگی مہم کے لیے فوج اور مالی اعانت کی اپیل بھی کی۔

اپیل پر اعانتوں کی پیش کش

سرو سامان کی فراہمی میں ہر ایک نے خلوص اور فراخدلی

کے ساتھ اپنی بساط سے بڑھ کر حصّہ لیا۔

- حضرت عثمانؓ نے ۹۰۰ اونٹ، ۱۰۰ گھوڑے اور ۱۰۰۰ دینار دیا اور انہیں مُجَهِّزُ جَيْشِ الْعُسْرَةِ "(بے سرو سامان لشکر کے لیے سامان فراہم کرنے والا) کا خطاب ملا۔ (رحمۃ للعالمین)
- عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ۴۰ ہزار درہم دیا۔ (رحمۃ للعالمین)
- عمرؓ نے تمام اثاث البیت نقد و جنس کا نصف (جو کئی ہزار روپیہ تھا) پیش کیا۔
- ابو بکرؓ جو کچھ لائے اگرچہ قیمت میں کم تھا مگر معلوم ہوا کہ گھر میں فقط اللہ اور رسولؐ کی محبت چھوڑ کر آئے ہیں اور کچھ نہیں؟
- غریب صحابیوں نے محنت مزدوری کر کے جو کچھ کمایا لا کر حاضر کر دیا۔ ایک صحابی نے رات بھر ایک کھیت کی سیرابی کی مزدوری میں ۴ سیر چھوارے پائے تھے جس میں سے نصف گھر پر بیوی بچے کے لیے چھوڑ کر ۲ سیر لائے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کے دو سیر چھواروں کی بڑی قدر کی اور جملہ قیمتی مال و متاع پر بکھیر دیا!
- عورتوں نے اپنے زیور اتار کر دے دیے۔

منافقین اور دشمن ایجنٹوں کا پردہ فاش

یہ موقعہ ایمان اور نفاق کے امتیاز کی کسوٹی بن گیا تھا۔ جنگِ تبوک کا اعلان منافقین کو بے نقاب کرنے میں نہایت کارگر ثابت ہوا۔ سرفروش والنیٹروں کے لشکر ہر طرف سے اُمنڈ اُمنڈ کر آنے شروع ہوئے اور جن کو سواریاں نہ مل سکیں وہ اپنی محرومی پر رو دیے (جس کا ذکر سورۃ التوبہ میں ہے) اُن کے برخلاف جن لوگوں کے دلوں میں ایمان نہیں تھا، اعلانِ جنگ سنتے ہی ان کی جان نکل گئی۔ طرح طرح کے حیلے بہانے کر کے آنحضرتؐ سے رخصت مانگنے لگے۔ آنحضرتؐ نے بھی ایسے تمام لوگوں کو رخصت دے دی۔

یہ منافقین دوسروں کو بھی روکتے اور ورغلاتے رہے کہ گرمی سخت ہے کیا جا کر جان دینا ہے؟ بھلا رومی سلطنت کے مقابلے میں یہ تھوڑے سے مسلمان کیا کریں گے، جان بوجھ کر اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ سُویلم ایک یہودی تھا جس کے گھر پر منافقین جمع ہو کر پلان

بناتے ہے۔ چنانچہ تبوک پر روانگی سے پہلے آنحضرتؐ نے سویلم کے گھر میں آگ لگوادی۔

اس طرح ان منافقوں نے ایک مسجد بھی (مسجد ضرار) بنالی تھی۔ جہاں نماز کے بہانے جمع ہوکر اسی قسم کا مشورہ کیا کرتے۔ اور یہاں تک طے کر لیا تھا کہ تبوک کی جنگ کا فیصلہ جلد ہی شکست کی شکل میں ہونے والا ہے اور عبداللہ بن اُبی کو مدینہ کا بادشاہ بنا لیا جائے گا۔

آنحضرتؐ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے ایک عیسائی راہب ابو عامر کی درویشی اور علم کا مدینہ میں بڑا چرچا تھا۔ اُس نے محسوس کر لیا تھا کہ اب اِس نئی تحریک کے مقابلہ میں اس کی درویشی اور رہبانیت کا سکہ نہیں چل سکے گا اسی لیے وہ تحریکِ اسلامی کا سخت مخالف بن گیا تھا! بدر کی جنگ میں قریش کی شکست پر وہ تلملا اٹھا، اُحد اور احزاب کے حملے میں مسلمانوں کو جو تکلیف اٹھانی پڑی اُس میں اس کا بہت کچھ دخل تھا۔ اور اب اس نے رُوم کا سفر اختیار کیا کہ قیصر کو جاکر متوجہ کرے کہ وہ اس اٹھتے ہوئے طوفان کو روکنے کے لیے حتی الوسع کوشش کرے! مسجد ضرار کی تعمیر کے لیے بھی ابو عامر نے مشورہ دیا تھا۔

سفرِ تبوک کے لیے روانگی

جنگِ مُوتہ میں تو آنحضرتؐ خود تشریف نہیں لے گئے تھے لیکن اِس مہم میں تو آپؐ خود قیادت فرمانے والے تھے۔

اس لیے مدینہ میں سباع بن عرفطہ کو خلیفہ مقرر کیا اور اہلِ بیت کی حفاظت اور نگرانی کے لیے حضرت علیؓ کو مامور فرما کر رجب ۹ھ میں آنحضرتؐ ۳۰ ہزار مجاہدین کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے جن میں ۱۰ ہزار سوار تھے۔ اونٹوں کی اتنی قلت تھی کہ ۱۸ آدمیوں کے لیے ایک اونٹ تھا۔ رسد کے نہ ہونے سے اکثر جگہ درختوں کے پتے کھانے پڑے (جس سے ہونٹ سوج گئے تھے) گرمی کی شدت تھی ہی بعض بعض جگہ تو پانی مِلا ہی نہیں۔ سواری کے لیے اونٹوں کی کمی کے باوجود اونٹ ذبح کر کے پانی پیا گیا؛ ایک مقام پر آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد استسقاء کی دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے دُعا قبول فرمائی۔ آسمان پر بادل چھا گئے۔ بارش ہوئی سبھوں نے سیرابی حاصل کرلی۔ ایسی تنگی اور بے سروسامانی کے ساتھ یہ لشکر سفر کر رہا تھا۔

راستے ہی میں حضرت علیؓ پہونچ گئے۔ معلوم ہوا کہ منافقین نے اُنہیں بار بار چڑھایا اور بزدلی کی غیرت دلائی۔ تب یہ اکیلے بھاگ کر آئے۔ پاؤں متورم ہوگئے اور چھالے بھی پڑ گئے۔ تب

آنحضرتؐ نے اس طرح سمجھایا کہ "علیؓ تم اس پر خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لیے ویسے ہی ہو جیسے موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ تھے؟ گو میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ یہ سن کر علیؓ خوش و خرم مدینے واپس تشریف لے گئے! اور یہ لشکر صبر و استقلال کے ساتھ ساری صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے وادی اخضر پار کر کے تبوک پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصر نے اپنی فوجیں سرحد سے ہٹالی ہیں اور اب کوئی دشمن موجود نہیں ہے۔

مڈبھیڑ کیوں نہ ہوئی؟

قیصر کے ایجنٹ اور مدینہ کے منافقین آنحضرتؐ کی ساری تیاریوں، بے سروسامانی کے باوجود عزم سفر کی خبریں پہنچاتے رہے قیصر نے تو پہلے فوج جمع کرنی شروع کر دی تھی لیکن اس کی تیاریاں مکمل ہونے سے پہلے ہی جب آنحضرتؐ مقابلہ پر پوری مستعدی سے پہنچ گئے تو اس کے سامنے یہ نقشہ آ گیا ــــــ کہ جنگِ موتہ کے موقعہ پر صرف ۳ ہزار کے اسلامی لشکر نے ایک لاکھ کا مقابلہ کس پامردی سے کیا تھا جبکہ قیادت دوسروں کے ہاتھوں میں تھی اور اب تو اسلامی لشکر میں تیس ہزار کی قوت ہے اور قیادت خود آنحضرتؐ کر رہے ہیں۔ اگر پانسہ پلٹ گیا تو قیصر کی ساکھ ختم ہو جائے گی۔ قیصر میں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ چند لاکھ بھی لے کر میدان میں آ جائے۔ وہ اتنا مرعوب ہو گیا کہ اس کے سامنے سرحد سے اپنی فوجیں ہٹا لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا؛ قیصر کے اس فیصلہ تک پہنچنے میں ان قبائل کی کمزوری کے مظاہرے بھی تھے جو بڑے جوش و خروش کے ساتھ قیصر کی مدد میں پیش پیش تھے۔ یعنی غسان لخم و جذام وغیرہ!

اس اخلاقی فتح کو آنحضرتؐ نے اس مرحلہ میں کافی سمجھا اور تبوک سے آگے بڑھ کر شام کی سرحد میں داخل ہونا اپنی حکمت عملی کے خلاف اور نامناسب جانا۔ دوسرے ذرائع سے ممکن الحصول حربی و سیاسی فوائد حاصل کرنے کی کوشش کی۔

رومی لشکر کے پیچھے ہٹ جانے سے اس کے حلیفوں پر برا اثر پڑا!

تبوک میں ۲۰ دن قیام کی اہمیت

۲۰ دن تبوک میں ٹھہر گئےؐ اور اس قلیل سی مدت میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو سلطنتِ روم اور اسلامی حکومت کے درمیان واقع تھیں اور رومیوں کے زیر اثر تھیں

اسلامی حکومت کا مطیع اور باجگذار بنا لیا۔ اس طرح جو عرب قبیلے قیصر روم کا ساتھ دیتے تھے اب وہ اسلامی حکومت کے مددگار و معاون بن گئے۔

• ایلہ کے پاس ایک چھوٹی سی ریاست عربوں کی تھی جس کے عیسائی رئیس یُوحنا بن رؤبہ نے خدمتِ نبوی ؐ میں حاضری دی اور جزیہ دے کر مسلمانوں کی حفاظت میں رہنا منظور کیا۔

• اسی طرح مُقنا، جرُباء اور اَذرُح کے نصرانی رؤسا نے بھی جزیہ دے کر مدینہ کے تابع رہنا پسند کیا۔

• دومۃ الجندل کا عرب سردار اُکیدر بن عبدالملک کندی عیسائی ہو کر قیصر روم کے اثر میں تھا۔ مسلمانوں نے چار سو سواروں کے ساتھ اس پر حملہ کیا اور اس کو پکڑ کر خدمت نبوی میں لائے۔ اُس نے اس شرط پر رہائی پائی کہ وہ مدینہ آکر صلح کی شرطیں پیش کرے۔ چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ آیا اور امان پائی۔

• اتنے فیاضانہ معاہدات کے بعد اسلامی مملکت کی سرحد پر امن قائم رہنے کی پوری اُمید بندھ گئی۔ اس لیے اب مدینہ واپسی کا قصد کر لیا۔

• اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سلطنت روم کے ساتھ کسی طویل کشمکش میں الجھ جانے سے پہلے اسلام کو عرب پر اپنی گرفت مضبوط کر لینے کا پورا موقعہ مل گیا۔ تبوک سے آنحضرتؐ مدینہ واپس نہیں پہنچے تھے (سفر میں ۱۰ دن لگتے تھے) کہ راستہ ہی میں سورۃ التوبہ کی کچھ آیات کا نزول ہوا۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ایسی ہدایات سے سرفراز فرمایا جن پر آپؐ کو مدینہ پہنچ کر عمل کرنا تھا۔

• بخیر واپسی پر مدینہ کے مسلمانوں نے بڑی خوشی منائی۔ استقبال کے لیے لوگ بڑے شوق سے شہر کے باہر ثنیۃ الوداع تک نکل آئے۔ عورتیں اور لڑکیاں بھی نکل آئیں۔ اور لڑکیوں نے خیر مقدم کا وہی گیت دہرایا جسے ہجرت کے موقعہ پر گایا تھا۔

"طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ"

• غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جہاں آپؐ نے سولہ وقت کی نماز ادا فرمائی تھی بعد میں وہاں ایک

مسجد بطور یادگار بن گئی جو آج بھی ہے۔

تبوک سے واپسی کے بعد

جانے آنے اور قیامِ تبوک میں تقریباً ۵۰ دن لگ گئے تھے۔ تبوک کی فتح بلا جنگ نے عرب میں اُن تمام لوگوں کی کمر توڑدی جو خوش گمانی میں طرح طرح کی آس لگائے بیٹھے تھے! جس جرأت کے ساتھ آنحضرتؐ ۳۰ ہزار کا لشکر لے کر گئے اور رومیوں نے آپؐ کے مقابلہ پر آنے سے پہلوتہی کر کے جو کمزوری دکھائی اس نے تمام عرب پر آپؐ کی اور آپؐ کے دین کی دھاک بٹھادی اور اس کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوا کہ تبوک سے واپس آتے ہی حضورؐ کے پاس عرب کے گوشے گوشے سے وفد پر وفد آنے شروع ہو گئے (تقریباً ۷۰ وفود آئے) اور وہ اسلام و اطاعت کا اقرار کرنے لگے۔ چنانچہ اسی کیفیت کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا	جب اللہ کی مدد آگئی اور فتح نصیب ہوئی اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

- واپسی پر سب سے پہلا کام آنحضرتؐ نے یہ کیا کہ مسجدِ ضرار کو ڈھانے اور جلانے کا حکم دے دیا۔
- منافقین کے ساتھ سختی کرنے کی ہدایت دی گئی۔ اُن میں سے کوئی مرجائے تو نبیؐ اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھائیں، اور مسلمان اُن سے خلوص اور دوستی کا معاملہ نہ رکھیں۔
- تبوک کی جنگ کے موقعہ پر کچھ ایسے مومنین بھی پیچھے رہ گئے جن سے کسی وقتی کمزوری یا سُستی کی بنا پر یہ کوتاہی سرزد ہو گئی تھی۔ ان کی اصلاح و تربیت کے لیے کافی سخت رویہ اختیار کیا گیا۔ اس ذیل میں ۳ صحابہ کرام ___ کعب بن مالکؓ، ہلال بن امیہؓ اور مُرارہ بن ربیعؓ کا واقعہ نہایت سبق آموز ہے ___ ان سے سختی کے ساتھ باز پرس ہوئی۔ اور آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ کوئی ان سے سلام کلام نہ کرے اور ۴۰ دن کے بعد ان کی بیویوں کو بھی اُن سے الگ رہنے کی تاکید کر دی گئی۔ ۵۰ دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی اور ان کی معافی کا حکم نازل فرمایا (سورہ التوبہ) ___ اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ایمان لانے کے معنی محض زبانی اقرار نہیں ہے۔ بلکہ اِسلام کی راہ میں تَن مَن دَھن کی بازی لگا دینی ہے!

اَب وقت آگیا تھا کہ اِسلامی حکومت کی داخلی پالیسی کا واضح اعلان کر دیا جائے۔ چنانچہ ذیقعدہ یا ذوالحجہ ۹ھ میں آنحضرتؐ نے ۳سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینۂ منورہ سے فریضۂ حج کے لیے روانہ فرمایا۔ اُس قافلہ کے سالار ابوبکرؓ بنائے گئے۔ اور نقیب حضرت علیؓ ہوئے۔ حاجیوں کے عام مجمع میں نقیب نے یہ اعلان کیا کہ ــــ

(۱) جنت میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو دینِ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے۔

(۲) اِس سال کے بعد کوئی مشرک خانۂ کعبہ کے حج کے لیے نہ آوے۔

(۳) بیت اللہ کے گرد ننگے ہو کر طواف کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دی جائے گی۔

(۴) جن لوگوں کے ساتھ آنحضرتؐ کے معاہدات ہیں وہ اپنی مدت تک برقرار رہیں گے۔ اگر انہوں نے کوئی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔ لیکن خلاف ورزی کرنے والوں کو صرف ۴ مہینے کی مہلت دی جاتی ہے یا تو وہ لڑ کر اپنی قسمت کا فیصلہ کر لیں یا پھر سوچ کر اللہ کے دین کو قبول کر لیں۔

اِس واضح پالیسی کی روشنی میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ کعبہ شرک کی ظلمت سے پاک ہو کر عباداتِ ابراہیمی کا مرکز قرار پایا اور مناسک و رسومِ حج کی عام طور سے تعلیم دینے کا انتظام کیا گیا ــــ قرآن نے اِس حج کو "حجِ اکبر" کہا ہے۔

رسولِ کریمؐ کی جنگوں کا جائزہ

رسولِ کریمؐ کی تقریباً ساری قابلِ ذکر جنگوں کا تذکرہ آ گیا۔ ان تفصیلات سے رسول اللہؐ کی جنگی اسکیم کا نقشہ صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ اپنی نوعیتوں کے اعتبار سے یہ جنگیں واقعی غیر معمولی طور سے ممتاز و بے نظیر ہیں۔ جیسا کہ شروع ہی میں بیان کیا گیا تھا یہ ساری جنگیں ایسی تھیں جن میں رسولِ کریمؐ نے خود اقدام نہیں کیا نہ وہ خواہ مخواہ کسی سے لڑائی مول لینی چاہتے تھے۔ تقریباً ساری جنگیں دفاعی تھیں اور ناگزیر حالات میں آپؐ کو قدم اٹھانا پڑا تھا۔

شروع سے آخر تک ساری جنگوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے پاس ہمیشہ ایک طرف سامان کی قلت رہی تو دوسری طرف آدمیوں کی تعداد کی کمی (سوا ایک جنگِ حُنین کے جس میں پہلی بار تعداد زیادہ ہوئی تو کچھ صحابیوں کے دل میں غرور کی ذرا سی لہر آ گئی جو اللہ کو پسند نہ تھی جس کی وجہ سے خمیازہ بھی بھگتنا پڑا) لیکن کس حکمتِ عملی سے اور کس تدبّر سے آپؐ نے اس بے سر و سامانی اور قلتِ تعداد کے ساتھ بڑی بڑی قوتوں سے ٹکر لی۔ جنگِ بدر کے بعد سے آپؐ نے جس چیز کا ہمیشہ لحاظ رکھا وہ یہ تھی:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ

اور اُن کے مقابلے کے لیے جس قدر تمہارے امکان میں ہو قوت اور رباط الخیل مہیا رکھو اس سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں اور ان کے سوا اُن دوسرے لوگوں کو جنھیں تم نہیں جانتے مگر اللہ انہیں جانتا ہے، مرعوب و خوفزدہ کر دو گے

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○

اس کام میں جو کچھ تم فی سبیل اللہ خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا کا پورا واپس مل جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا

(انفال : ۶۰)

اس کے ساتھ ساتھ دوسری حربی تدابیر۔ مثلاً دشمن کی تیاری، اس کی نقل و حرکت سے باخبر رہنا، میدانِ جنگ اور پڑاؤ کا مناسب تعین، اپنی نقل و حرکت کا ایسا مظاہرہ کہ اپنی حقیقی کمزوری دشمن پر ظاہر نہ ہونے پائے۔

تمام جنگوں سے ثابت ہے کہ اِن ساری تدابیر کے ساتھ سب سے بڑی قوت جو ہر نازک موقع پر کام آئی وہ اخلاقی قوت تھی جس کی تربیت آنحضرت ؐ ہر موقع پر اپنے صحابیوں کو دیتے رہتے تھے اور خود اپنے کردار، عملی نمونہ اور پورے اُسوہ کے ذریعہ پیش کرتے رہتے تھے۔ اِس طرح ہر مصیبت پر بروقت اقدام، مستعدی، صبر و استقلال اور توکل علی اللہ کے ذریعہ بعض مشکلیں آسان ہو جاتیں جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آپ ؐ مامور من اللہ کی حیثیت سے فریضہ انجام دے رہے تھے۔

آپ کی سیاست عبادت کی مانند پاکیزہ تھی۔ پھر کیوں نہ آپ ؐ کو تائید خداوندی حاصل ہوتی ؟ چنانچہ کچھ جنگوں میں بالکل نمایاں طور پر غیبی امداد پہنچی اور فتح حاصل ہو گئی (جن کا ذکر قرآنِ کریم میں بطور احسان کے کیا گیا ہے اور ایسے مواقع پر ایسی فوجیں اتاری گئیں جو بظاہر نظر نہ آتی تھیں)

رسولِ کریم ؐ کا اخلاق اتنا بلند تھا کہ دشمنوں کو متاثر کر دیتا تھا۔ اپنے سارے معاہدات کا ہمیشہ پاس و لحاظ رکھتے تھے۔ اپنی طرف سے یہی کوشش رہتی کہ کوئی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اس پہلو سے بھی بڑا فائدہ حاصل ہوا۔ دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور معاف کر دینے کا جذبہ ہمیشہ سامنے رہا۔ چنانچہ اس کے ذریعہ دشمنوں کے کیمپ میں آپ ؐ نے ہمیشہ کمزوری پیدا کر دی

رسولِ کریم ؐ کی جنگی اسکیم میں ایک اصول نمایاں طور پر کارفرما رہا کہ انسانی جان و مال کا ہمیشہ خیال رکھا گیا۔ انسانی جان دنیا کا قیمتی سرمایہ اور قابلِ احترام ہے۔ اِسے کم سے کم برباد ہونا چاہیے ہر موقعہ جنگ پر ہر ذمہ دار کو خصوصی ہدایات رسولِ کریم ؐ اس سلسلہ میں ضرور دیتے تھے چنانچہ ۲۳ سال کے اندر ایسا انقلاب آیا جس میں ۲ھ تا ۹ھ کی ۸ سال کی قلیل مدت میں تقریباً ۸۲ جنگیں ہوئیں (سرایا ۵۵ — غزوات ۲۷) جن میں طرفین کا جانی نقصان (شہداء و

مقتولین ملا کر) مشکل سے ۶۰۰ ہوا۔ جبکہ آپؐ کے بالمقابل کفارِ قریش، پھر یہود، پھر احزاب اور بالآخر دُنیا کی مشہور رومن ایمپائر کی طاقت کا چیلنج آیا۔ اور زیادہ تر توڑ کر مقابلہ ہی ہوا کیا دُنیا کی تاریخ کوئی ایسا انقلاب پیش کر سکتی ہے جس میں جنگیں بھی ہوئی ہوں اور خون نہ بہا ہو یا اتنا کم بہا ہو؟

"رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ انقلاب" (از سید اسعد گیلانی) کے حوالہ سے انقلاباتِ عالم کے جانی نقصانات کے اعداد و شمار ملاحظہ ہوں:

(۱) مہا بھارت کی مذہبی جنگ ——— اُن کی اپنی روایات کی رو سے کروڑوں کی تعداد
(۲) فرانس کا جمہوری انقلاب ——— تقریباً ۶۶ لاکھ انسان بھینٹ چڑھائے گئے
(۳) روس کا اشتراکی انقلاب ——— ایک کروڑ سے زائد انسانوں کا خون بہایا گیا
(۴) جنگِ عظیم اوّل ——— تمام ممالک میں ملا کر ۷۳ لاکھ سے زائد
(۵) جنگِ عظیم دوم ——— ۱۰۶ لاکھ سے زائد

اس حیثیت سے رسول کریمؐ کی جنگوں کا سلسلہ (جیسا کہ شروع ہی میں بتایا گیا تھا اور ساری جنگوں کی تفصیلات کے مطالعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے) کیا آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا ایک اہم اور نہایت ہی سبق آموز باب نہیں ہے؟ کاش دُنیا اب بھی اس کا بغور مطالعہ کرے اور سبق حاصل کر کے فائدہ اٹھائے!

حجۃ الوداع (حجۃ البلاغ)

(سنہ ۱۰ھ)

۸ سال تک تو آنحضرتؐ ان جنگوں کے سلسلہ میں بے حد مصروف رہے اور آہستہ آہستہ اپنے (اندرونی و بیرونی) دشمنوں پر قابو پاتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اس وقت کی ساری مقابل طاقتوں کی تسخیر تقریباً مکمل ہو گئی۔ قدرتی طور پر اب ایک ایسا عالمی اجتماع ہونا ضروری تھا جسے رحمۃؐ للعالمینؐ خود خطاب فرماتے! اور اسلام کا پیغام محبت پیش کرتے۔

چنانچہ ذیقعدۃ سنہ ۱۰ھ میں اعلان کیا گیا کہ آنحضرتؐ حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر تمام عرب میں پھیل گئی اور اس مبارک موقعہ پر آنحضرتؐ کے ساتھ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے شوق میں تمام عرب اُمنڈ آیا۔ ذیقعدۃ کی آخری تاریخوں میں آپ مدینہ سے روانہ ہوئے اور ذوالحجۃ کی ۴ تاریخ کی صبح مکے تشریف لے آئے۔

جب ۹ ذوالحجۃ کی سہ پہر کو آپؐ عرفات تشریف لائے تو سارے عرب کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار نمائندہ انسانوں سے میدان کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اور پورا مجمع ہمہ تن گوش تھا! اونٹ پر سوار ہو کر آپؐ نے ایک تاریخی خطبہ دیا۔ جو الفاظ آپؐ کے دہن مبارک سے نکلتے تھے وہ با آوازِ بلند دُہرا دیے جاتے تھے تا کہ انبوہِ کثیر کی آخری حد تک پہنچ جائیں۔ اہم ہدایات میں سے کچھ یہ تھیں:

سُن رکھو جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں

عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو۔ اور آدم

مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔

- مسلمان مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔
- تمہارے غلام! تمہارے غلام!! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔
- عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔
- تمہارا خون اور تمہارا مال قیامت تک کے لیے ایک دوسرے پر حرام ہے (قابلِ احترام)
- میں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے۔ اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔
- "تم سے خدا کے یہاں جب میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟" صحابہ رضنے عرض کیا کہ ہم کہیں گے کہ "آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا" پھر آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور ۳ بار فرمایا: "اے اللہ تو گواہ رہنا"

رسولِ کریمؐ خطبہ سے فارغ ہوئے تو اسی جگہ اس آیت کا نزول ہوا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لیے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند فرمایا۔

اس حج کے موقعہ پر آنحضرتؐ نے حج کے تمام طریقے خود برت کر دکھائے کہ حج کس طرح ادا کرنا چاہیے۔ اسی موقعہ پر آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "مجھ سے حج کے مسائل سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔

پھر آپؐ نے تمام مجمع سے یہ بھی فرمایا: "جو لوگ اس وقت موجود ہیں یہ سب باتیں ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں"

اس حج کا نام "حجۃ البلاغ" بھی ہے اور "حجۃ الوداع" بھی ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

کتابیات

(BIBLIOGRAPHY)

(۱) قرآن کریم

(۲) تفہیم القرآن (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

(۳) صحیح بخاری۔ تجرید بخاری

(۴) سیرت النبیؐ (شبلی نعمانیؒ)

(۵) رحمۃٌ للعالمین (قاضی سلیمان منصور پوری)

(۶) رحمتِ عالمؐ (سید سلیمان ندویؒ)

(۷) حیاتِ طیبہؐ (مولانا عبدالحی)

(۸) محمد احمد باشمیل کی کتاب محمدؐ کی جنگوں پر

(۹) عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ (ڈاکٹر حمید اللہ)

(۱۰) حدیث دفاع (میجر جنرل اکبر خاں)

(۱۱) آئینۂ عرب

(۱۲) رسولِ کریمؐ کی حکمتِ انقلاب (محمد آسعد گیلانی)

(۱۳) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (لاہور)

(۱۴) (MOHAMMAD THE PROPHET BY MOHAMMAD ALI)

(۱۵) اَلْمُنْجِد

(۱۶) تاج العروس
(۱۷) لسان العرب
(۱۸) المفردات (امام راغبؒ)
(۱۹) THE HISTORY OF GREECE BY J. B. BURY
(۲۰) بائبل کے نقشے
(۲۱) انگریزی اور اردو اٹلس